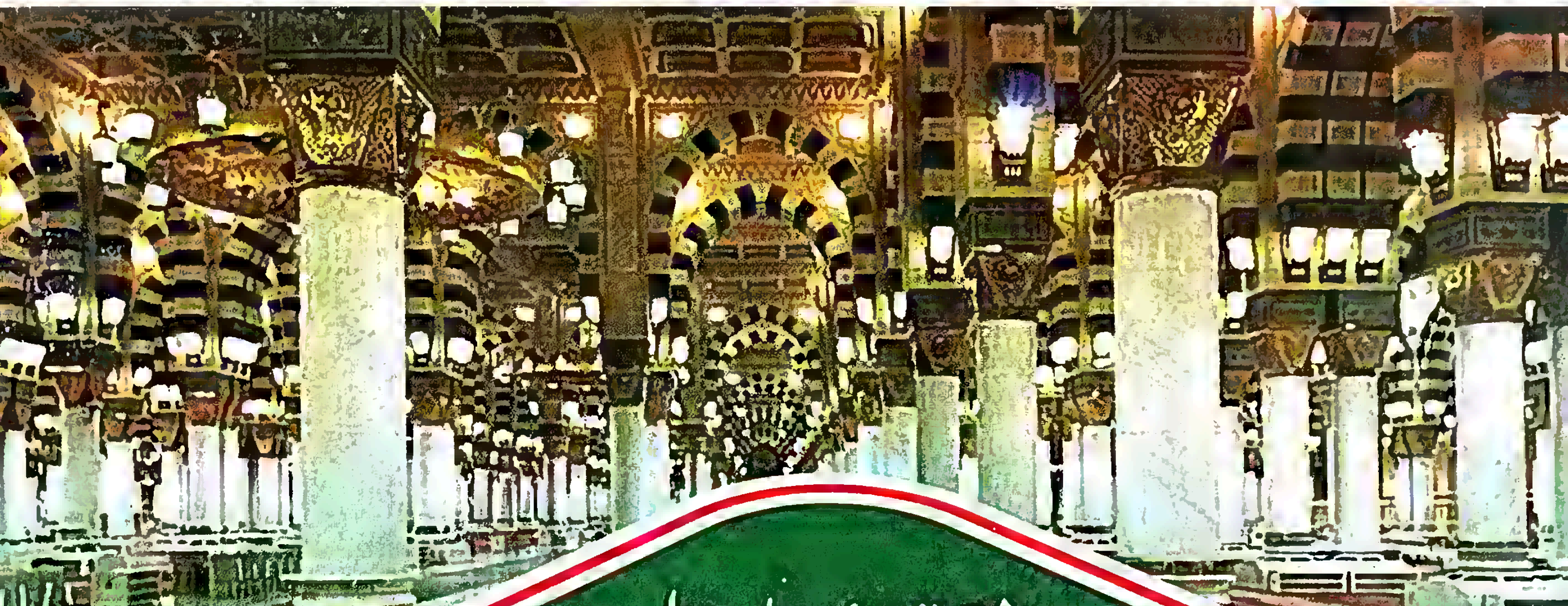

جامع ترمذی جلد اوّل
کی عام فہم اُردو شرح

تقریراتِ ترمذی

جلد۳

ابوابُ الزکوٰۃ — ابوابُ الصوم
ابوابُ الحج — ابوابُ الجنائز

مجموعہ افادات

حضرتؒ مولانا
محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ

حضرتؒ
مولانا شبیر الحق کشمیری دامتؒ برکاتہم
اُستاذ الحدیث (جامعہ خیر المدارس ملتان)
ودیگر جدید وقدیم شیوخ الحدیث

کلماتِ تحسین

حضرتؒ مولانا محمد اکبر صاحبؒ دامتؒ برکاتہم
(شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان)

حضرتؒ مولانا محمد امینؒ صاحبؒ دامتؒ برکاتہم
(نائب شیخ الحدیث جامعہ عمر بن خطاب ملتان)

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ
چوک فوارہ مُلتان پاکستان

جامع ترمذی جلد اوّل کی عام فہم اُردو شرح

تقریراتِ ترمذی

جلد سوم

مشتمل برابواب الزکوۃ..... ابواب الصوم..... ابواب الحج.... ابواب الجنائز

مجموعہ افادات

حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ

اُستاذ الحدیث مولانا شبیر الحق کشمیری مدظلہ العالی

ودیگر جدید وقدیم شیوخ الحدیث

کلمات تحسین

شیخ الحدیث مولانا محمد اکبر صاحب دامت برکاتہم

(شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان)

حضرت مولانا محمد امین صاحب دامت برکاتہم

(نائب شیخ الحدیث جامعہ عمر بن خطاب ملتان)

ترتیب وتالیف

اشرفیہ مجلس علم وتحقیق ملتان

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

(0322-6180738, 061-4519240

تقریراتِ ترمذی

تاریخ اشاعت..............ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ
ناشر..............ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت..............سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ
اس کتاب کی کاپی رائٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں

قانونی مشیر
محمد اکبر ساجد
(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان)

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ.... چوک فوارہ.... ملتان

مکتبہ سید احمد شہید........اردو بازار.......لاہور
دارالاشاعت........اُردو بازار..........کراچی
مکتبہ علمیہ..............اکوڑہ خٹک.......پشاور
مکتبہ رشیدیہ.......سرکی روڈ.....کوئٹہ
اسلامی کتاب گھر.....خیابان سرسید.......راولپنڈی
مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

عرض ناشر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

صحاح ستہ میں امام ترمذی رحمہ اللہ کی جامع ترمذی خاص فضیلت واہمیت کی حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف کے طلبہ و طالبات میں اس کے درس کو بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ادارہ نے کچھ عرصہ قبل ترمذی شریف جلد ثانی کی شرح انتہاب المنن فی شرح السنن جو کہ ''دروس ترمذی'' کے نام سے شائع شدہ ہے اور مظاہر علوم سہارن پور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا رئیس الدین صاحب رحمہ اللہ کی درسی وتشریحی دروس کا مجموعہ ہے۔ الحمد للہ! یہ علمی شرح علماء متقدمین ومتاخرین کے علمی افادات کا دفینہ ہے۔

''دروس ترمذی'' کی اشاعت کے بعد جامع ترمذی کی جلد اوّل ادارہ کی مطبوعات میں غیر موجود تھی۔ راقم الحروف کی بڑی خواہش تھی کہ ادارہ سے جامع ترمذی کی مکمل شرح شائع ہوجائے۔ اسی سوچ اور فکر میں ایام گزرتے رہے کہ ''کل امر مرھون باوقاتہ'' کے تحت اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب کا انتظام فرمادیا کہ ادارہ کے زیر اہتمام اشرفیہ مجلس علم وتحقیق جو کہ جامعہ خیر المدارس ملتان، جامعہ فریدیہ اسلام آباد، جامعہ قاسم العلوم ملتان اور جامعہ علوم اسلامیہ لاہور کے جید الاستعداد فضلاء پر مشتمل ہے۔ بندہ نے ان احباب کے ذمہ ترمذی شریف جلد اوّل کی شرح مرتب کرنے کا کام سونپا اور اس سلسلہ میں جن موجود وغیر موجود شیوخ الحدیث کی درسی تقریریں میسر آسکیں انہیں بھی پیش نظر رکھا گیا۔

ملتان میں ہمارے مہربان دوست حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدظلہ جو کہ حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید ہیں اور انہوں نے دورۂ حدیث کے سال اپنے استاذ کی درسی تقریر قلم بند فرمائی تھی۔ موصوف نے بندہ کی درخواست پر وہ مکمل کاپی عنایت فرمادی۔ زیر نظر شرح تقریرات ترمذی میں جہاں حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ کی درسی تقریر سے استفادہ کیا گیا ہے وہاں جامعہ خیر المدارس ملتان کے استاذ الحدیث حضرت علامہ شبیر الحق کشمیری صاحب مدظلہم کی بیان فرمودہ تشریحات کو بھی جزو شرح بنایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں دیگر شروحات سے بھی استفادہ کرکے اس شرح کو آسان اور عام فہم انداز میں مرتب کیا گیا ہے تاکہ علم حدیث کا یہ عظیم سرمایہ نہ صرف اہل علم اور اہل خواص کے لیے لائق استفادہ ہو' بلکہ عامۃ المسلمین بھی حدیث شریف کی اس کتاب سے متمتع ہوسکیں۔ دوران طباعت اس چیز کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ معرب متن حدیث، ترجمہ اور شرح ہر چیز واضح اور آسانی کی حامل ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمارے مخدوم ومکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اکبر صاحب مدظلہم (شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان) اور حضرت مولانا محمد امین صاحب مدظلہم (نائب شیخ الحدیث جامع عمر بن خطاب ملتان) کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائیں جنہوں نے ''اشرفیہ مجلس علم وتحقیق'' کی اس خدمت کو پذیرائی وسرپرستی سے نوازا اور اپنی مستجاب دُعاؤں کے ساتھ ساتھ اپنے تاثرات سے بھی نوازا جو اراکین ادارہ کی حوصلہ افزائی اور ارباب علم کیلئے باعث تسکین ہیں۔ ''فجزاھما اللہ عنا خیر الجزاء''

اللہ تعالیٰ حدیث شریف کی اس خدمت کو شرف قبول نصیب فرمائے اور اسے اہل علم کیلئے دینی، دُنیاوی خیر وبرکات کا ذریعہ بنائے اور جملہ اراکین مع راقم الحروف کو اپنی رضا نصیب فرمائے۔ آمین

والسلام

محمد اسحٰق غفرلہ ذیقعدہ ۱۴۳۶ھ بمطابق ستمبر ۲۰۱۵ء

فہرست عنوانات

أَبْوَابُ الزَّكَاةِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	
تیسری بات: زکوٰۃ کے فوائد	۲۱
چوتھی باب: زکوٰۃ اور ٹیکس میں فرق	۲۲
بَابُ مَا جَاءَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَنْعِ الزَّكَاةِ مِنَ التَّشْدِيدِ	۲۲
بَابُ مَا جَاءَ إِذَا أَدَّيْتَ الزَّكَاةَ فَقَدْ قَضَيْتَ مَا عَلَيْكَ	۲۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الذَّهَبِ وَالوَرِقِ	۲۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الإِبِلِ وَالغَنَمِ	۲۷
احناف کی دلیل اوّل:	۲۹
آئمہ ثلاثہ کی دلیل:	۲۹
احناف کی دلیل اوّل:	۳۱
بر مذہب آئمہ ثلاثہ:	۳۲
بر مذہب شوافع:	۳۴
بر مذہب شوافع:	۳۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ البَقَرِ	۳۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي صَدَقَةِ الزَّرْعِ وَالتَّمْرِ وَالحُبُوبِ	۳۶
احناف کی دلیل اوّل:	۳۸
آئمہ ثلاثہ کی دلیل:	۳۸
شوافع کی طرف سے جواب:	۳۹

بَابُ مَا جَاءَ لَيْسَ فِي الْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ صَدَقَةٌ	۴۰
احناف کی دلیل اوّل:	۴۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الْعَسَلِ	۴۱
بَابُ مَا جَاءَ لَا زَكَاةَ عَلَى الْمَالِ الْمُسْتَفَادِ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ	۴۲
بَابُ مَا جَاءَ لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ جِزْيَةٌ	۴۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الْحُلِيِّ	۴۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الْخَضْرَاوَاتِ	۴۷
امام صاحب کی دلیل اوّل:	۴۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّدَقَةِ فِيمَا يُسْقَى بِالْأَنْهَارِ وَغَيْرِهَا	۴۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ مَالِ الْيَتِيمِ	۴۹
احناف کی دلیل اوّل:	۵۰
شوافع وحنابلہ کی دلیل:	۵۰
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْعَجْمَاءَ جَرْحُهَا جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ	۵۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخَرْصِ	۵۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَامِلِ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ	۵۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُعْتَدِي فِي الصَّدَقَةِ	۵۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي رِضَا الْمُصَدِّقِ	۵۶
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الصَّدَقَةَ تُؤْخَذُ مِنَ الْأَغْنِيَاءِ فَتُرَدُّ فِي الْفُقَرَاءِ	۵۷
احناف کی دلیل اوّل:	۵۷
شوافع کی دلیل اوّل:	۵۷
بَابُ مَنْ تَحِلُّ لَهُ الزَّكَاةُ	۵۸
بَابُ ماجاء مَنْ لَا تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ	۶۰
بَابُ مَنْ تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ مِنَ الْغَارِمِينَ وَغَيْرِهِمْ	۶۰

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّدَقَةِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَمَوَالِيهِ	٦١
بنو ہاشم کے مصداق میں تفصیل	٦٣
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّدَقَةِ عَلَى ذِي الْقَرَابَةِ	٦٣
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ فِي الْمَالِ حَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ	٦٤
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّدَقَةِ	٦٥
بَابُ مَا جَاءَ فِي حَقِّ السَّائِلِ	٦٧
بَابُ مَا جَاءَ فِي إِعْطَاءِ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ	٦٨
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُتَصَدِّقِ يَرِثُ صَدَقَتَهُ	٦٩
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْعَوْدِ فِي الصَّدَقَةِ	٧١
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّدَقَةِ عَنِ الْمَيِّتِ	٧١
بَابُ مَا جَاءَ فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ	٧٣
دلائل ابی حنیفہ رحمہ اللہ، دلیل اوّل:	٧٦
شوافع وجمہور حضرات کی دلیل اوّل:	٧٦
طریق استدلال	٧٨
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْدِيمِهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ	٧٩
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْجِيلِ الزَّكَاةِ	٨٠
بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمَسْأَلَةِ	٨٠
أَبْوَابُ الصَّوْمِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ شَهْرِ رَمَضَانَ	٨٣
بَابُ مَا جَاءَ لَا تَقَدَّمُوا الشَّهْرَ بِصَوْمٍ	٨٥
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ صَوْمِ يَوْمِ الشَّكِّ	٨٥
مسئلہ ثانیہ: یوم الشک میں روزہ کا حکم؟	٨٦
بَابُ مَا جَاءَ فِي إِحْصَاءِ هِلَالِ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ	٨٧

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ الصَّوْمَ لِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ وَالْإِفْطَارَ لَهُ	۸۷
بَاب مَا جَاءَ أَنَّ الشَّهْرَ يَكُونُ تِسْعًا وَعِشْرِينَ	۸۸
بَاب مَا جَاءَ فِي الصَّوْمِ بِالشَّهَادَةِ	۸۸
بَاب مَا جَاءَ شَهْرَا عِيدٍ لَا يَنْقُصَانِ	۸۹
بَاب مَا جَاءَ لِكُلِّ أَهْلِ بَلَدٍ رُؤْيَتُهُمْ	۹۰
دوسری بات: مسئلہ اولیٰ: اختلاف مطالع معتبر ہے یا نہیں؟	۹۱
بَاب مَا جَاءَ مَا يُسْتَحَبُّ عَلَيْهِ الْإِفْطَارُ	۹۳
کس چیز سے روزہ افطار کرنا مستحب ہے	۹۳
بَاب مَا جَاءَ فِي أَنَّ الْفِطْرَ يَوْمَ تُفْطِرُونَ، وَالْأَضْحَى يَوْمَ تُضَحُّونَ	۹۴
بَاب مَا جَاءَ إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ، وَأَدْبَرَ النَّهَارُ فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ	۹۴
بَاب مَا جَاءَ فِي تَعْجِيلِ الْإِفْطَارِ	۹۵
بَاب مَا جَاءَ فِي تَأْخِيرِ السُّحُورِ	۹۶
بَاب مَا جَاءَ فِي بَيَانِ الْفَجْرِ	۹۶
بَاب مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ فِي الْغِيبَةِ لِلصَّائِمِ	۹۷
بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ السَّحُورِ	۹۸
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ	۹۸
پہلی بات، مسئلہ اختلافی:	۹۹
بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ	۱۰۰
دوسری بات، مسئلہ اختلافی:	۱۰۰
بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ لِلْمُحَارِبِ فِي الْإِفْطَارِ	۱۰۱
بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الْإِفْطَارِ لِلْحُبْلَى وَالْمُرْضِعِ	۱۰۱
دوسری بات: اشکال	۱۰۲
بَاب مَا جَاءَ فِي الصَّوْمِ عَنِ الْمَيِّتِ	۱۰۳

بَابُ مَا جَاءَ مِنَ الكَفَّارَةِ	۱۰۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّائِمِ يَذْرَعُهُ القَيْءُ	۱۰۵
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ اسْتَقَاءَ عَمْدًا	۱۰۵
حدیث اوّل کا جواب (۱):	۱۰۶
حدیث ابودرداء رضی اللہ عنہ کا جواب	۱۰۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّائِمِ يَأْكُلُ أَوْ يَشْرَبُ نَاسِيًا	۱۰۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي الإِفْطَارِ مُتَعَمِّدًا	۱۰۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَفَّارَةِ الفِطْرِ فِي رَمَضَانَ	۱۰۸
احناف کی دلیل اوّل:	۱۰۹
بعض مالکیہ اور بعض حنابلہ کی دلیل:	۱۱۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي السِّوَاكِ لِلصَّائِمِ	۱۱۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي الكُحْلِ لِلصَّائِمِ	۱۱۲
مسئلہ اختلافی: روزے دار کیلئے سرمہ لگانے کا کیا حکم ہے؟	۱۱۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي القُبْلَةِ لِلصَّائِمِ	۱۱۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي مُبَاشَرَةِ الصَّائِمِ	۱۱۳
بَابُ مَا جَاءَ لَا صِيَامَ لِمَنْ لَمْ يَعْزِمْ مِنَ اللَّيْلِ	۱۱۴
احناف کی دلیل اوّل:	۱۱۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي إِفْطَارِ الصَّائِمِ المُتَطَوِّعِ	۱۱۵
شافعیہ اور حنابلہ کی دلیل اوّل:	۱۱۹
حدیث اُم ہانی رضی اللہ عنہا طریق اوّل کا جواب (۱)	۱۱۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي إِيجَابِ القَضَاءِ عَلَيْهِ	۱۲۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي وِصَالِ شَعْبَانَ بِرَمَضَانَ	۱۲۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّوْمِ فِي النِّصْفِ البَاقِي مِنْ شَعْبَانَ لِحَالِ رَمَضَانَ	۱۲۱

بَاب مَا جَاءَ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ	۱۲۱
بَاب مَا جَاءَ فِي صَوْمِ الْمُحَرَّمِ	۱۲۲
بَاب مَا جَاءَ فِي صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ	۱۲۳
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَحْدَهُ	۱۲۴
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ صَوْمِ يَوْمِ السَّبْتِ	۱۲۴
بَاب مَا جَاءَ فِي صَوْمِ يَوْمِ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ	۱۲۵
بَاب مَا جَاءَ فِي صَوْمِ يَوْمِ الْأَرْبِعَاءِ وَالْخَمِيسِ	۱۲۵
بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ	۱۲۶
بَاب ماجاء كَرَاهِيَةِ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ	۱۲۶
بَاب مَا جَاءَ فِي الْحَثِّ عَلَى صَوْمِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ	۱۲۷
بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي تَرْكِ صَوْمِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ	۱۲۷
بَاب مَا جَاءَ عَاشُورَاءَ أَيُّ يَوْمٍ هُوَ	۱۲۷
بَاب مَا جَاءَ فِي صِيَامِ الْعَشْرِ	۱۳۰
بَاب مَا جَاءَ فِي الْعَمَلِ فِي أَيَّامِ الْعَشْرِ	۱۳۰
بَاب مَا جَاءَ فِي صِيَامِ سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ	۱۳۱
بَاب مَا جَاءَ فِي صَوْمِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ	۱۳۳
بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّوْمِ	۱۳۴
بَاب مَا جَاءَ فِي صَوْمِ الدَّهْرِ	۱۳۶
صوم وصال اور صوم دہر میں فرق:	۱۳۷
بَاب مَا جَاءَ فِي سَرْدِ الصَّوْمِ	۱۳۷
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّوْمِ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيوم النَّحْرِ	۱۳۸
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّوْمِ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ	۱۴۰
مسئلہ اختلافی: ایام تشریق میں صوم کا کیا حکم ہے اس میں مختلف اقوال ہیں	۱۴۰

بَاب ماجاء کَرَاهِيَةِ الْحِجَامَةِ لِلصَّائِمِ	۱۴۱
بَابُ مَا جَاءَ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ	۱۴۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الوِصَالِ لِلصَّائِمِ	۱۴۲
قولِ اوّل: صومِ وصال کا کیا حکم ہے؟	۱۴۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجُنُبِ يُدْرِكُهُ الفَجْرُ وَهُوَ يُرِيدُ الصَّوْمَ	۱۴۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي إِجَابَةِ الصَّائِمِ الدَّعْوَةَ	۱۴۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ صَوْمِ المَرْأَةِ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا	۱۴۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَأْخِيرِ قَضَاءِ رَمَضَانَ	۱۴۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّائِمِ إِذَا أُكِلَ عِنْدَهُ	۱۴۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي قَضَاءِ الحَائِضِ الصِّيَامَ دُونَ الصَّلَاةِ حائضہ روزوں کی قضا کرے نماز کی نہیں	۱۴۷
اختلافی مسئلہ:	۱۴۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ مُبَالَغَةِ الِاسْتِنْشَاقِ لِلصَّائِمِ	۱۴۷
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَلَا يَصُومُ إِلَّا بِإِذْنِهِمْ	۱۴۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاعْتِكَافِ	۱۴۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي لَيْلَةِ القَدْرِ	۱۵۰
بَابٌ مِنْهُ	۱۵۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّوْمِ فِي الشِّتَاءِ	۱۵۲
بَابُ مَا جَاءَ: {وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ}	۱۵۳
بَابُ ماجاء مَنْ أَكَلَ ثُمَّ خَرَجَ يُرِيدُ سَفَرًا	۱۵۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي تُحْفَةِ الصَّائِمِ	۱۵۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي الفِطْرِ وَالأَضْحَى مَتَى يَكُونُ؟	۱۵۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاعْتِكَافِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ	۱۵۵
بَابُ المُعْتَكِفِ يَخْرُجُ لِحَاجَتِهِ أَمْ لَا	۱۵۶

اسحاق کی دلیل:	۱۵۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ	۱۵۷
مخالفین کے اعتراضات	۱۵۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا	۱۶۱
بَابُ التَّرْغِيبِ فِي قِيَامِ شهرِ رَمَضَانَ وَمَا جَاءَ فِيهِ مِنَ الْفَضْلِ	۱۶۲
أَبْوَابُ الحَجِّ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	
پانچویں بات، اسرارِ حج متعدد ہیں:	۱۶۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي حُرْمَةِ مَكَّةَ	۱۶۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ الحَجِّ وَالعُمْرَةِ	۱۶۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّغْلِيظِ فِي تَرْكِ الحَجِّ	۱۷۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي إِيجَابِ الحَجِّ بِالزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ	۱۷۰
بَابُ مَا جَاءَ كَمْ فُرِضَ الحَجُّ	۱۷۲
بَابُ مَا جَاءَ كَمْ حَجَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۱۷۲
بَابُ مَا جَاءَ كَمْ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۱۷۴
بَابُ مَا جَاءَ مِنْ أَيِّ مَوْضِعٍ أَحْرَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۱۷۵
بَابُ مَا جَاءَ مَتَى أَحْرَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۱۷۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي إِفْرَادِ الحَجِّ	۱۷۶
دلائل امام شافعی، دلیل اوّل:	۱۷۸
دلائل احناف، دلیل اوّل:	۱۷۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي الجَمْعِ بَيْنَ الحَجِّ وَالعُمْرَةِ	۱۸۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّمَتُّعِ	۱۸۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّلْبِيَةِ	۱۸۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ التَّلْبِيَةِ وَالنَّحْرِ	۱۸۴

بَاب مَا جَاءَ فِي رَفْعِ الصَّوْتِ بِالتَّلْبِيَةِ	۱۸۵
بَاب مَا جَاءَ فِي الِاغْتِسَالِ عِنْدَ الْإِحْرَامِ	۱۸۵
بَاب مَا جَاءَ فِي مَوَاقِيتِ الْإِحْرَامِ لِأَهْلِ الْآفَاقِ	۱۸۶
بَاب مَا جَاءَ فِيمَا لَا يَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ لُبْسُهُ	۱۸۷
بَاب مَا جَاءَ فِي لُبْسِ السَّرَاوِيلِ وَالْخُفَّيْنِ لِلْمُحْرِمِ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْإِزَارَ وَالنَّعْلَيْنِ	۱۸۸
بَاب مَا جَاءَ فِي الَّذِي يُحْرِمُ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ أَوْ جُبَّةٌ	۱۸۹
بَاب ما جاء مَا يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ مِنَ الدَّوَابِّ	۱۸۹
بَاب مَا جَاءَ فِي الْحِجَامَةِ لِلْمُحْرِمِ	۱۹۰
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ تَزْوِيجِ الْمُحْرِمِ	۱۹۰
بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذَلِك	۱۹۱
اعتراض ثانی کا جواب:	۱۹۳
اعتراض سادس کا جواب:	۱۹۵
بَاب مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الصَّيْدِ لِلْمُحْرِمِ	۱۹۶
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ لَحْمِ الصَّيْدِ لِلْمُحْرِمِ	۱۹۷
بَاب مَا جَاءَ فِي صَيْدِ الْبَحْرِ لِلْمُحْرِمِ	۱۹۹
بَاب مَا جَاءَ فِي الضَّبُعِ يُصِيبُهَا الْمُحْرِمُ	۲۰۰
بَاب مَا جَاءَ فِي الِاغْتِسَالِ لِدُخُولِ مَكَّةَ	۲۰۱
بَاب مَا جَاءَ فِي دُخُولِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ مِنْ أَعْلَاهَا وَخُرُوجِهِ مِنْ أَسْفَلِهَا	۲۰۱
بَاب مَا جَاءَ فِي دُخُولِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ نَهَارًا	۲۰۲
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ رُؤْيَةِ الْبَيْتِ	۲۰۲
بَاب مَا جَاءَ كَيْفَ الطَّوَافُ	۲۰۳
بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّمَلِ مِنَ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ	۲۰۳
بَاب مَا جَاءَ فِي اسْتِلَامِ الْحَجَرِ، وَالرُّكْنِ الْيَمَانِي دُونَ مَا سِوَاهُمَا	۲۰۴

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ مُضْطَبِعًا	۲۰۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْبِيلِ الْحَجَرِ	۲۰۵
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يَبْدَأُ بِالصَّفَا قَبْلَ الْمَرْوَةِ	۲۰۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّعْيِ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ	۲۰۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي الطَّوَافِ رَاكِبًا	۲۰۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الطَّوَافِ	۲۰۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ، وَبَعْدَ الصُّبْحِ فِی الطَّوافِ لِمَنْ يَطُوفُ	۲۰۹
بَابُ مَا جَاءَ مَا يُقْرَأُ فِي رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ	۲۱۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الطَّوَافِ عُرْيَانًا	۲۱۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي دُخُولِ الْكَعْبَةِ	۲۱۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ	۲۱۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَسْرِ الْكَعْبَةِ	۲۱۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي الْحِجْرِ	۲۱۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ، وَالرُّكْنِ، وَالْمَقَامِ	۲۱۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُرُوجِ إِلَى مِنًى وَالْمُقَامِ بِهَا	۲۱۶
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ مِنًى مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ	۲۱۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْصِيرِ الصَّلَاةِ بِمِنًى	۲۱۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوُقُوفِ بِعَرَفَاتٍ وَالدُّعَاءِ بِهَا	۲۱۸
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ عَرَفَةَ كُلَّهَا مَوْقِفٌ	۲۱۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِفَاضَةِ مِنْ عَرَفَاتٍ	۲۲۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمُزْدَلِفَةِ	۲۲۲
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ أَدْرَكَ الْإِمَامَ بِجَمْعٍ فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ	۲۲۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْدِيمِ الضَّعَفَةِ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ	۲۲۵

بَاب مَا جَاءَ فِي رَمْيِ يَوْمِ النَّحْرِ ضُحًى	۲۲۶
بَاب مَا جَاءَ أَنَّ الإِفَاضَةَ مِنْ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ	۲۲۷
بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّمْيِ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ	۲۲۷
بَاب مَا جَاءَ فِي رَمْيِ الْجِمَارِ رَاكِبًا	۲۲۸
بَاب مَا جَاءَ كَيْفَ تُرْمَى الْجِمَارُ	۲۲۸
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ طَرْدِ النَّاسِ عِنْدَ رَمْيِ الْجِمَارِ	۲۲۹
بَاب مَا جَاءَ فِي الِاشْتِرَاكِ فِي الْبَدَنَةِ وَالْبَقَرَةِ	۲۲۹
بَاب مَا جَاءَ فِي إِشْعَارِ الْبُدْنِ	۲۳۰
باب بلاترجمہ	۲۳۲
بَاب مَا جَاءَ فِي تَقْلِيدِ الْهَدْيِ لِلْمُقِيمِ	۲۳۲
بَاب مَا جَاءَ فِي تَقْلِيدِ الْغَنَمِ	۲۳۳
بَاب مَا جَاءَ إِذَا عَطِبَ الْهَدْيُ مَا يُصْنَعُ بِهِ	۲۳۳
بَاب مَا جَاءَ فِي رُكُوبِ الْبَدَنَةِ	۲۳۴
بَاب مَا جَاءَ بِأَيِّ جانب الرَّأْسِ يَبْدَأُ فِي الْحَلْقِ	۲۳۵
بَاب مَا جَاءَ فِي الْحَلْقِ وَالتَّقْصِيرِ	۲۳۶
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْحَلْقِ لِلنِّسَاءِ	۲۳۶
بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ حَلَقَ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ، أَوْ نَحَرَ قَبْلَ أَنْ يَرْمِيَ	۲۳۷
بَاب مَا جَاءَ فِي الطِّيبِ عِنْدَ الإِحْلَالِ قَبْلَ الزِّيَارَةِ	۲۳۷
بَاب مَا جَاءَ مَتَى يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ فِي الْحَجِّ	۲۳۸
بَاب مَا جَاءَ مَتَى تُقْطَعُ التَّلْبِيَةُ فِي الْعُمْرَةِ	۲۳۹
بَاب مَا جَاءَ فِي طَوَافِ الزِّيَارَةِ الى اللَّيْلِ	۲۳۹
بَاب مَا جَاءَ فِي نُزُولِ الأَبْطَحِ	۲۴۰
باب من نزل الابطح	۲۴۱

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَجِّ الصَّبِيِّ	۲۴۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي الحَجِّ عَنِ الشَّيْخِ الكَبِيرِ، وَ المَيِّتِ	۲۴۳
باب منه	۲۴۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي العُمْرَةِ أَوَاجِبَةٌ هِيَ أَمْ لَا؟	۲۴۴
بَابُ مِنْهُ دوسرا اسی سے متعلق	۲۴۶
بَابُ مَا جَاءَ ذُكِرَ فِي فَضْلِ العُمْرَةِ	۲۴۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي العُمْرَةِ مِنَ التَّنْعِيمِ	۲۴۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي العُمْرَةِ مِنَ الجِعِرَّانَةِ	۲۴۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي عُمْرَةِ رَجَبٍ	۲۴۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي عُمْرَةِ ذِي القَعْدَةِ	۲۴۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي عُمْرَةِ رَمَضَانَ	۲۴۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يُهِلُّ بِالحَجِّ فَيُكْسَرُ أَوْ يَعْرَجُ	۲۴۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاشْتِرَاطِ فِي الحَجِّ	۲۵۰
بَابُ مِنْهُ	۲۵۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي المَرْأَةِ تَحِيضُ بَعْدَ الإِفَاضَةِ	۲۵۲
ایک اشکال اور اس کا جواب:	۲۵۳
بَابُ مَا جَاءَ مَا تَقْضِي الحَائِضُ مِنَ المَنَاسِكِ	۲۵۳
بَابُ مَا جَاءَ مَنْ حَجَّ أَوْ اعْتَمَرَ فَلْيَكُنْ آخِرُ عَهْدِهِ بِالبَيْتِ	۲۵۴
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ القَارِنَ يَطُوفُ طَوَافًا وَاحِدًا	۲۵۵
احناف کی دلیل اوّل:	۲۵۵
جمہور کی دلیل اوّل:	۲۵۶
بَابُ مَا جَاءَ أَنْ يَمْكُثَ المُهَاجِرُ بِمَكَّةَ بَعْدَ الصَّدَرِ ثَلَاثًا	۲۵۷
بَابُ مَا جَاءَ مَا يَقُولُ عِنْدَ القُفُولِ مِنَ الحَجِّ وَ العُمْرَةِ	۲۵۷

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُحْرِمِ يَمُوتُ فِي إِحْرَامِهِ	۲۵۸
تشریح:......محرم حالت احرام میں مرجائے تو اس کا کیا حکم ہے؟	۲۵۸
احناف کی دلیلیں	۲۵۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُحْرِمِ يَشْتَكِي عَيْنَهُ فَيَضْمِدُهَا بِالصَّبِرِ	۲۶۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُحْرِمِ يَحْلِقُ رَأْسَهُ فِي إِحْرَامِهِ مَا عَلَيْهِ	۲۶۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ لِلرِّعَاءِ أَنْ يَرْمُوا يَوْمًا وَيَدَعُوا يَوْمًا	۲۶۱
قال ابو عیسیٰ ھکذا روی ابن عیینہ	۲۶۲
باب بلاترجمہ	۲۶۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي يَوْمِ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ	۲۶۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي اسْتِلَامِ الرُّكْنَيْنِ	۲۶۳
باب بلاترجمہ	۲۶۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكَلَامِ فِي الطَّوَافِ	۲۶۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ	۲۶۵
باب بلاترجمہ	۲۶۵
باب بلاترجمہ	۲۶۶
زمزم کی وجہ تسمیہ	۲۶۶
زمزم پینے کا ادب:	۲۶۶
زمزم کے پینے کی دُعا:	۲۶۶
باب بلاترجمہ	۲۶۷
أَبْوَابُ الْجَنَائِزِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	
جنازے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث کے ابواب	۲۶۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ الْمَرَضِ	۲۶۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي عِيَادَةِ الْمَرِيضِ	۲۶۸

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ التَّمَنِّي لِلْمَوْتِ	۲۶۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّعَوُّذِ لِلْمَرِيضِ	۲۷۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَثِّ عَلَى الْوَصِيَّةِ	۲۷۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَصِيَّةِ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ	۲۷۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَلْقِينِ الْمَرِيضِ عِنْدَ الْمَوْتِ، وَالدُّعَاءِ لَهُ عِنْدَهُ	۲۷۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ عِنْدَ الْمَوْتِ	۲۷۴
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمُؤْمِنَ يَمُوتُ بِعَرَقِ الْجَبِينِ	۲۷۵
باب بلاترجمہ	۲۷۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّعْيِ	۲۷۶
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الصَّبْرَ فِي الصَّدْمَةِ الأُولَى	۲۷۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْبِيلِ الْمَيِّتِ	۲۷۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي غُسْلِ الْمَيِّتِ	۲۷۸
بَابٌ فِي مَا جَاءَ فِي الْمِسْكِ لِلْمَيِّتِ	۲۸۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغُسْلِ مِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ	۲۸۰
بَابُ مَا جَاءَ يُسْتَحَبُّ مِنَ الأَكْفَانِ	۲۸۱
باب بلاترجمہ	۲۸۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَفَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۲۸۱
دلائل احناف دلیل اوّل:	۲۸۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي الطَّعَامِ يُصْنَعُ لِأَهْلِ الْمَيِّتِ	۲۸۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ ضَرْبِ الْخُدُودِ، وَشَقِّ الْجُيُوبِ عِنْدَ الْمُصِيبَةِ	۲۸۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّوْحِ	۲۸۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْبُكَاءِ عَلَى الْمَيِّتِ	۲۸۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الْبُكَاءِ عَلَى الْمَيِّتِ	۲۸۷

بَاب مَا جَاءَ فِي الْمَشْيِ أَمَامَ الْجَنَازَةِ	۲۸۹
بَاب مَا جَاءَ فِي الْمَشْيِ خَلْفَ الْجَنَازَةِ	۲۹۰
احناف کی دلیل اوّل:	۲۹۰
امام مالک کی دلیل اوّل:	۲۹۱
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الرُّكُوبِ خَلْفَ الْجَنَازَةِ	۲۹۲
بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ	۲۹۲
بَاب مَا جَاءَ فِي الْإِسْرَاعِ بِالْجَنَازَةِ	۲۹۳
بَاب مَا جَاءَ فِي قَتْلَى أُحُدٍ وَذِكْرِ حَمْزَةَ	۲۹۴
شہدائے اُحد اور حمزہ (رضی اللہ عنہم) کے ذکر میں	۲۹۳
بَاب آخَرُ	۲۹۵
بَاب آخَرُ مَا جَاءَ فِي دَفْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ قُبِضَ	۲۹۵
بَاب آخَرُ دوسرا باب	۲۹۶
بَاب مَا جَاءَ فِي الْجُلُوسِ قَبْلَ أَنْ تُوضَعَ	۲۹۶
بَاب ماجاء فَضْلِ الْمُصِيبَةِ إِذَا احْتَسَبَ	۲۹۷
بَاب مَا جَاءَ فِي التَّكْبِيرِ عَلَى الْجَنَازَةِ	۲۹۷
دلیل امام ابوحنیفہ و مالک رحمہا اللہ:	۲۹۹
بَاب مَا يَقُولُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ	۲۹۹
بَاب مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ	۳۰۰
دلائل مذہب اوّل، دلیل اوّل:	۳۰۱
امام شافعی کی دلیل:	۳۰۲
باب كيف الصلوة على الميت و الشفاعة له	۳۰۲
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَعِنْدَ غُرُوبِهَا	۳۰۳
مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْأَطْفَالِ	۳۰۳

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الصَّلَاةِ عَلَى الطفل حَتَّى يَسْتَهِلَّ	۳۰۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى المَيِّتِ فِي المَسْجِدِ	۳۰۴
نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھنا	۳۰۴
احناف کی دلیل:	۳۰۵
دیگر آئمہ کی دلیل اوّل:	۳۰۶
بَابُ مَا جَاءَ أَيْنَ يَقُومُ الإِمَامُ مِنَ الرَّجُلِ وَالمَرْأَةِ	۳۰۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الصَّلَاةِ عَلَى الشَّهِيدِ	۳۰۸
دلائل شافعی وغیرہ، دلیل اوّل:	۳۰۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى القَبْرِ	۳۱۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النَّجَاشِيِّ	۳۱۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّلَاةِ عَلَى الجَنَازَةِ نمازِ جنازہ کی فضیلت	۳۱۲
بَابُ آخَرُ دوسرا باب	۳۱۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي القِيَامِ لِلْجَنَازَةِ	۳۱۳
بَابُ فی الرُّخْصَةِ فِي تَرْكِ القِيَامِ لَهَا	۳۱۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّحْدُ لَنَا، وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا	۳۱۴
باب ماجاء مايقول اذا دخل الميّت قبره	۳۱۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي الثَّوْبِ الوَاحِدِ يُلْقَى تَحْتَ المَيِّتِ فِي القَبْرِ	۳۱۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَسْوِيَةِ القُبُورِ	۳۱۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الموطيعَلَى القُبُورِ، وَالجُلُوسِ عَلَيْهَا	۳۱۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ تَجْصِيصِ القُبُورِ، وَالكِتَابَةِ عَلَيْهَا	۳۱۷
بَابُ مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا دَخَلَ المَقَابِرَ	۳۱۸
سماع موتہ کی دلیلیں:	۳۱۸
دلائل منکرین سماع موتہ:	۳۲۰

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ	۳۲۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ زِيَارَةِ الْقُبُورِ لِلنِّسَاءِ	۳۲۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ لِلنِّسَاءِ	۳۲۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي الدَّفْنِ بِاللَّيْلِ	۳۲۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الثَّنَاءِ الْحَسَنِ عَلَى الْمَيِّتِ	۳۲۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ مَنْ قَدَّمَ وَلَدًا	۳۲۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّهَدَاءِ مَنْ هُمْ	۳۲۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْفِرَارِ مِنَ الطَّاعُونِ	۳۲۸
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ	۳۲۸
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ	۳۲۹
امام اوزاعی اور امام احمد رحمہما اللہ کی دلیل:	۳۳۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَدْيُونِ	۳۳۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ	۳۳۱
دلیل اہلسنت والجماعت:	۳۳۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي أَجْرِ مَنْ عَزَّى مُصَابًا	۳۳۳
باب ماجاء من يموت يوم الجمعة	۳۳۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْجِيلِ الْجَنَازَةِ	۳۳۴
بَابٌ آخَرُ فِي فَضْلِ التَّعْزِيَةِ	۳۳۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي رَفْعِ الْيَدَيْنِ عَلَى الْجَنَازَةِ	۳۳۵
باب ماجاء ان نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه	۳۳۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَبْوَابُ الزَّكَاةِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ ابواب ہیں زکوٰۃ کے جو وارد ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

تشریح پہلی بات: ربط عموماً قرآن میں زکوٰۃ کو نماز کا قرین بنایا گیا ہے تو بہت مناسب ہے کہ یہاں نماز کا قرین زکوٰۃ کو بنایا جائے۔ (۲) نماز نعمت بدنی کا شکر ہے تو بہت مناسب ہے کہ نعمت بدنی کے شکر کے بعد نعمت مالی کے شکر کا بیان ہو۔ باقی زکوٰۃ کا منکر کافر ہے اور زکوٰۃ کا تارک فاسق وفاجر ہے۔

دوسری بات: زکوٰۃ کی مشروعیت کے سلسلہ میں نصوص مختلف ہیں۔ بعض نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ مکی ہے، سورۃ مزمل میں بھی اس کا ذکر ہے اور ایسے ہی جب حبشہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت جعفر کے بارے میں ہے کہ حبشہ والوں کو اسلام کا تعارف کروایا تو اس میں بھی زکوٰۃ کا ذکر ہے اور یہ ہجرت مکہ سے ہوئی اور بعض روایتوں میں ہے کہ ۲ ہجری میں صوم رمضان کی فرضیت سے پہلے ہوئی اور بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ سنہ ۹ ہجری میں زکوٰۃ کا نظام رائج ہوا۔

جواب: نفس فرضیت مکی ہے اور نُصب کی تعیین یہ مدنی ہے اور باقاعدہ سرکاری طور پر بیت المال کے لیے زکوٰۃ وصول کرنا یہ نظام سنہ ۹ ہجری میں جاری ہوا۔

تیسری بات: زکوٰۃ کے فوائد

سب سے بڑا فائدہ نعمت مالی کا شکر۔ (۲) اخلاقِ رذیلہ میں سے بخل کا ازالہ (۳) اور اسلام کے غریب پروری نظام کا فرد کامل ہونا اس لیے علماء کہتے ہیں کہ اگر ارباب اموال صحیح زکوٰۃ اداء کریں تو دُنیا میں کوئی غریب باقی نہ رہے۔

سوال: اہل باطل تو غریب پروری کا نظام بناتے ہیں اہل باطل کے انتظام اور اسلام کے نظام میں مابہ الفرق کیا ہے؟

جواب (۱): اسلام نے جو نظام قائم کیا ہے اس میں مال دار غریب کو دیتا ہے خوش دلی سے اور اللہ کی رضا کے لیے اور غریب کی دُعائیں لینے کے لیے اور اہل باطل کے نظام میں مال دار جبراً دیتا ہے۔

جواب (۲): اہل حق کے نظام میں غریب کو انسانیت پر باقی رکھتے ہوئے اس کی غریب پروری کی جاتی ہے اور

اہل باطل اس کو جانور بنا کر غریب پروری کرتے ہیں۔

جواب (۳): اسلام اس طور پر غریب پروری کرتا ہے کہ غریب کو دے کر احسان نہیں جتلاتا اس کو حرام قرار دیا اور اہل باطل احسان جتلاتے ہیں۔

چوتھی باب: زکوٰۃ اور ٹیکس میں فرق

زکوٰۃ اللہ کی طرف سے اور ٹیکس حکومت کی طرف سے ہے اور دوسرا فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ دائمی قانون ہے اور ٹیکس ہنگامی قانون ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَنْعِ الزَّكَاةِ مِنَ التَّشْدِيدِ

زکوٰۃ نہ دینے پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے منقول وعید

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ جِئْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ قَالَ فَرَآنِي مُقْبِلًا، فَقَالَ هُمُ الأَخْسَرُونَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، قَالَ فَقُلْتُ مَا لِي لَعَلَّهُ أُنْزِلَ فِيَّ شَيْءٌ، قَالَ قُلْتُ مَنْ هُمْ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمُ الأَكْثَرُونَ إِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا، فَحَثَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَعَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ، ثُمَّ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَمُوتُ رَجُلٌ فَيَدَعُ إِبِلًا أَوْ بَقَرًا، لَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهَا إِلَّا جَاءَتْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْظَمَ مَا كَانَتْ وَأَسْمَنَهُ تَطَؤُهُ بِأَخْفَافِهَا وَتَنْطَحُهُ بِقُرُونِهَا كُلَّمَا نَفِدَتْ أُخْرَاهَا عَادَتْ عَلَيْهِ أُولَاهَا حَتَّى يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ.

ترجمہ: حضرت ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور وہ بیٹھے تھے کعبہ کے سایہ میں کہا انہوں نے پھر دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو سامنے آئے سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ٹوٹا (خسارہ) پانے والے ہیں قسم ہے رب کعبہ کی قیامت کے دن۔ کہا راوی نے کہا میں نے کیا ہے مجھ کو شاید کچھ اترا ہے میرے حق میں کہا راوی نے کہا میں نے کون لوگ ہیں وہ میرے ماں باپ فدا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بہت مال والے ہیں مگر جس نے دیا اِدھر اُدھر اور دونوں ہاتھ سے لپ بھر کر اشارہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سامنے اور داہنے طرف اور بائیں طرف پھر فرمایا قسم ہے اس اللہ کی کہ میری جان جس کے ہاتھ میں ہے نہیں مرتا کوئی آدمی کہ چھوڑ جاتا ہے اونٹ یا گائے کہ ادا نہ کی ہو اس کی زکوٰۃ مگر وہ جانور آئے گا قیامت کے دن بڑے سے بڑا اور موٹے سے موٹا ہو کر روندتا ہوگا اس کو اپنے کھروں سے اور مارتا ہوگا اپنے سینگوں سے جب گزر جائے اس پر سے پچھلا جانور لوٹے گا اس کے اوپر پہلا جانور یہی عذاب ہوتا رہے گا جب تک لوگوں میں فیصلہ نہ ہو۔

تشریح پہلی بات: "قولہ فقال ھم الاخسرون"

سوال: "ھُمْ" ضمیر کا مرجع کیا ہے؟

جواب: ھم ضمیر کا معہود فی الذہن ہے مابعد میں آ رہا ہے۔ "اکثرون مالاً" اب عبارت اس طرح ہوگی "الاکثرون اموالأھم الاخسرون" اور کثیر الاموال لوگ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ ضمیر مبہم ہے مابعد کی خبر مرجع کے قائم مقام ہے۔

"قال ھکذا" قال انفق کے معنی میں ہے اس طرح دائیں بائیں اور آگے ہے خرچ کیا، یہ کنایہ بہت زیادہ خرچ کرنے سے ایسے لوگ اخسر ہونے سے محفوظ ہو جائیں گے۔ "ھم الاخسرون" اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوذر کے آنے کو اس میں کوئی دخل نہیں بلکہ اتفاقی طور پر اسی وقت "اکثرون مالاً" کا حال بھی منکشف ہو گیا اور ابوذر بھی آ گیا، ابوذر خواہ مخواہ گھبرا گئے۔

"قولہ کلما نفدت" جب اخیری حصہ ختم ہوگا تو پھر اوّل حصہ یعنی عذاب دائرہ کی صورت میں ہوگا اور مشکوٰۃ کی روایت میں تفصیل ہے کہ اگر سونا چاندی ہوگا، آگ کی تختیاں بنا کر جہنم میں گرم کر کے پیشانیاں اور پہلو سے داغ دیئے جائیں گے۔ "ھم الاکثرون الامن ... الخ" اس سے بتلانا ہے کہ "اکثرون" کا مصداق یہ ہے کہ جس کے پاس دس ہزار درہم ہوں، صاحب نصاب مراد نہیں ہے اور آج کل کے زمانہ میں اتنی مالیت کا مال موجود ہے۔ جیسا کہ خود امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی تائید کی ہے۔

دوسری بات: اس حدیث میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کی وعید کا ذکر ہے۔ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے جو لوگ زکوٰۃ نہ دیں ان کی دو سزائیں ہیں۔ (۱) ایک آخرت میں (۲) دوسری دُنیا میں۔ تفصیل یہ ہے کہ اموال دو قسم کے ہیں۔ (۱) اموال ظاہرہ جن کی تفتیش کے لیے اس کے گھر میں داخل نہ ہونا پڑے جیسے اونٹ وغیرہ۔ (۲) اموال باطنہ ہے جیسے سونا چاندی وغیرہ اب حکومت کا حق اموال ظاہرہ میں ہے۔ اگر کوئی شخص اموال ظاہرہ میں زکوٰۃ نہ دے تو حکومت زبردستی لے گی اور اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اگرچہ زکوٰۃ عبادت ہے، عبادت میں جبر نہیں مگر چونکہ حکومت کو ولایت عامہ حاصل ہے، اس لیے آدمی کی نیت نہ ہو تو حکومت کی نیت کا اعتبار کر کے زکوٰۃ کا فریضہ اس سے ساقط ہو جائے گا۔ اموال باطنہ میں حکومت زکوٰۃ حاصل کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں بیت المال سے وظائف تقسیم کیے اور حکم دیا کہ وظائف سے زکوٰۃ وصول کرو تو حکومت وصول کر سکتی ہے مگر زبردستی نہیں لے سکتی۔ یہ تو دُنیاوی حکم تھا، اخروی سزا کیا ہوگی، اس کو مذکورہ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا أَدَّيْتَ الزَّكَاةَ فَقَدْ قَضَيْتَ مَا عَلَيْكَ اگر زکوٰۃ ادا کر دی تو واجب ادا ہو گیا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَدَّيْتَ زَكَاةَ مَالِكَ فَقَدْ قَضَيْتَ مَا عَلَيْكَ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دے چکا تو زکوٰۃ اپنے مال کی تو ادا کر چکا جو تجھ پر لازم تھا۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنَّا نَتَمَنَّى أَنْ يَبْتَدِئَ الْأَعْرَابِيُّ الْعَاقِلُ فَيَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ

عِنْدَهُ فَبَيْنَا نَحْنُ كَذَٰلِكَ إِذْ أَتَاهُ أَعْرَابِيٌّ فَجَثَا بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ رَسُولَكَ أَتَانَا فَزَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ اللهَ أَرْسَلَكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ، قَالَ فَبِالَّذِي رَفَعَ السَّمَاءَ وَبَسَطَ الْأَرْضَ وَنَصَبَ الْجِبَالَ اللهُ أَرْسَلَكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ. قَالَ فَإِنَّ رَسُولَكَ زَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ. قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ اللهُ أَمَرَكَ بِهَذَا قَالَ نَعَمْ، قَالَ فَإِنَّ رَسُولَكَ زَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرٍ فِي السَّنَةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ. قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ اللهُ أَمَرَكَ بِهَذَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ. قَالَ فَإِنَّ رَسُولَكَ زَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ عَلَيْنَا فِي أَمْوَالِنَا الزَّكَاةَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ، قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ اللهُ أَمَرَكَ بِهَذَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ. قَالَ فَإِنَّ رَسُولَكَ زَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ عَلَيْنَا الْحَجَّ إِلَى الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ. قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ اللهُ أَمَرَكَ بِهَذَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ. فَقَالَ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَدَعُ مِنْهُنَّ شَيْئًا وَلَا أُجَاوِزُهُنَّ ثُمَّ وَثَبَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ صَدَقَ الْأَعْرَابِيُّ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم آرزو کرتے تھے کہ آ جائے کوئی اعرابی عاقل اور پوچھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ہم بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوں۔ پس ہم اسی خیال میں تھے کہ آیا ایک اعرابی اور دوزانو بیٹھا آگے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کہا یا محمد! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے کہا ہم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ اللہ نے بھیجا ہے تم کو۔ سو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں۔ کہا اعرابی نے قسم ہے اس خدا کی جس نے بلند کیا آسمان اور بچھائی زمین اور گاڑے پہاڑ کہا اللہ نے بھیجا ہے تم کو۔ سو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں کہا اعرابی نے تمہارے قاصد نے کہا ہم سے کہ ہمارے اوپر پانچ نمازیں فرض ہیں رات دن میں؟ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں! کہا اعرابی نے قسم ہے اس کی جس نے بھیجا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا اللہ نے حکم کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں! اعرابی نے کہا اور تمہارے قاصد نے کہا ہم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہم پر فرض ہیں روزے ایک مہینے کے ہر سال میں؟ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا اس نے۔ کہا اعرابی نے قسم ہے اس کی جس نے بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا اللہ تعالیٰ نے حکم کیا اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو؟ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں! کہا اعرابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے کہا ہم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہم پر ہمارے مالوں کی زکوٰۃ فرض ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ۔ کہا اس

اعرابی نے قسم ہے اس کی جس نے بھیجا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا اللہ نے حکم کیا اس کا؟ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں! کہا اعرابی نے تمہارے رسول نے کہا ہم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حج فرض ہے بیت اللہ کا جس کو طاقت ہو راہ کی ہم میں سے۔فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں! کہا اعرابی نے قسم ہے اس کی جس نے بھیجا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا اللہ نے حکم کیا اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں! پھر کہا اعرابی نے قسم ہے اس کی جس نے بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ نہ چھوڑوں گا میں اس سے کچھ اور نہ زیادہ کروں گا پھر چل دیا اور فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر سچ کہا اعرابی نے تو داخل ہوا جنت میں۔

تشریح سوال: زکوٰۃ کی ادائیگی سے سارے حقوق تو ادا نہیں ہوتے، صدقہ فطر اور قربانی بھی تو واجب ہے؟

جواب(۱): یہاں قضیت سے مطلق حقوق مراد نہیں بلکہ وہ حقوق ہیں جو فرائض قطعیہ ہوں، وہ زکوٰۃ ہے اور اضحیہ اور صدقہ فطر یہ حق مالی تو ہے لیکن فرائض قطعیہ نہیں۔

جواب(۲): "اذا ادیت زکٰوۃ" میں وہ حقوق مراد ہیں جو مال سے متعلق ہیں مال ہونے کی حیثیت سے وہ بند ہیں، زکوٰۃ میں وجوب اضحیہ وغیرہ، اگرچہ مالی ہے لیکن اراقہ دم ہونے کی حیثیت سے ہے اور صدقہ فطر مال کی حیثیت سے نہیں بلکہ "رأس یمونہ" ہونے کی حیثیت سے ہے۔

سوال: حدیث فاطمہ بنت قیس اس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ان فی المال لحقًا سوی الزکٰوۃ" اور اس میں ہے کہ "اذا ادیت زکٰوۃ مالک فقد قضیت علیک"

جواب: اس حدیث میں حقوق منضبطہ مراد ہیں وہ بند ہیں زکوٰۃ میں اور حدیث فاطمہ بنت قیس میں حقوق سے مراد حقوق منتشرہ ہیں۔مثلاً رفاہ عامہ کے لیے۔

"حدثنا محمد بن اسماعیل" حدیث ضمام بن ثعلبہ، یہ کب آئے اس میں دو قول ہیں۔(۱) ۵ ہجری یا ۹ ہجری میں راجح ثانی ہے کیونکہ اس میں حج کا بھی ذکر ہے وہ سنہ ۹ ہجری میں فرض ہوا۔

"قولہ ان یبتدی الاعرابی" یہ اس لیے کہا کہ ابتداء صحابہ رضی اللہ عنہم کو سوال کرنے سے روک دیا گیا تھا اور اعرابی کو اجازت تھی، باقی عاقل کی قید لگائی، اس لیے کہ عاقل کا سوال بھی آدھا علم ہوتا ہے۔ "قولہ فقال یا محمد"

سوال: نداء باسمہ تو جائز نہیں؟

جواب: ممکن ہے نداء باسمہ کی ممانعت کے نزول سے پہلے پر محمول ہو یا پھر کہہ دیا، مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے۔باقی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عرض بھی تحمل حدیث کا ایک طریقہ ہے۔

"قولہ قال فبالذی رفع السماء" بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے پہلے پوچھا "من رفع السماء من بسط الارض" تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ" اس کے بعد کہا "فبالذی رفع السماء"

سوال: کمی نہ کرنا تو صحیح ہے اور سمجھ میں آتا ہے لیکن اضافہ کی نفی تو صحیح نہیں کیوں کہ اضافہ تو مطلوب ہوتا ہے؟

جواب(۱): مطلب یہ ہے کہ تبلیغ میں کمی بیشی نہ کروں گا۔

جواب(۲): ایسے مواقع میں ذکر کیا جاتا ہے طرفین کو لیکن مراد طرف واحد ہوتی ہے۔

"قولہ لا ادع منھن شیئا ولا اجاوزھن الخ" اس کا مطلب یہ ہے کہ پانچ نمازوں سے تجاوز نہ کروں گا تو کیا وتر نہ پڑھے گا اور سنن نہ پڑھے گا۔

جواب(۱): مطلب یہ ہے کہ اپنی تصرف سے تجاوز نہ کروں گا۔ہاں اگر شریعت کی طرف سے زیادتی ہو تو ٹھیک ہے۔

جواب(۲): یہ اس اعرابی کی خصوصیت تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنن وغیرہ کا مکلف نہیں بنایا۔

سوال: روایت باب میں اور بہت سارے احکام کا ذکر نہیں، مثلاً فرضیت وضو، حج وغیرہ تو پھر وہ ناجی کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب: حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں دوسرے طرق سے اس حدیث میں اور اشیاء کا ذکر بھی ہے۔لہٰذا کوئی اشکال نہیں یا یوں کہیں کہ تفصیلی روایت پر اس کو محمول کریں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الذَّهَبِ وَالوَرِقِ سونے اور چاندی کی زکوٰۃ

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَفَوْتُ عَنْ صَدَقَةِ الخَيْلِ وَالرَّقِيقِ، فَهَاتُوا صَدَقَةَ الرِّقَةِ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمًا وَلَيْسَ فِي تِسْعِينَ وَمِائَةٍ شَيْءٌ، فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ.

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معاف کی میں نے زکوٰۃ گھوڑوں اور غلاموں کی سوا دو زکوٰۃ چاندی کی ہر چالیس درہم سے ایک درہم اور نہیں زکوٰۃ لینا مجھ کو ایک سو نوے درہم میں کچھ بھی پھر جب ہو جائیں، دوسو تو اس میں پانچ درہم ہیں۔

تشریح گھوڑوں کی زکوٰۃ کے متعلق امام ترمذی رحمہ اللہ مابعد میں مستقل باب قائم کریں گے وہاں تفصیل آرہی ہے کہ گھوڑے تین قسم پر ہیں۔باقی یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو کہتے ہیں گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں۔

جواب: یہاں مطلق خیل اور عبید مراد نہیں بلکہ "للخدمۃ" مراد ہیں، ان میں زکوٰۃ نہیں۔باقی درہم کا ابتدائی نصاب ۲۰۰ درہم کے بعد ہے۔اس اعتبار سے کہ ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہوگا۔

"لیس فی تسعین" یہاں پر کسر کو حذف کر دیا اور کہا کہ ۱۹۰ میں زکوٰۃ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک سو ننانوے (۱۹۹) میں زکوٰۃ نہیں۔جب دوسو درہم ہوں گے تو پھر ہر چالیس پر ایک درہم ہوگا۔باقی اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے عاصم بن ضمرہ ہیں اور حارث اعور ہیں۔امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دونوں طرح ثابت ہے اور

صحیح سے مراد اصطلاح صحیح مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ دونوں طرح ثابت ہے حکم میں ضعیف کے ہے۔
سونے کا کم از کم نصاب بیس (۲۰) مثقال ہے۔ یعنی (۱/۲، ۷ تولے) اس کی زکوٰۃ نصف مثقال ہوگی۔ (۱/۴، ۲ ماشہ) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یہی حکم دیا تھا کہ جب سونا بیس (۲۰) مثقال ہو تو اس سے نصف مثقال وصول کرنا۔ پھر اس کے بعد ہر چار مثقال میں دو قیراط زکوٰۃ ہوگی کیونکہ ہر مثقال بیس (۲۰) قیراط ہے تو چار مثقال اسی (۸۰) قیراط ہوئے تو چالیسواں حصہ کے حساب سے دو قیراط زکوٰۃ واجب ہوگی۔
"قال کلاھما عندی صحیح عن ابی اسحٰق الخ" اس کا مطلب یہ ہے کہ ابو اسحٰق اس کو حارث سے بھی نقل کرتے ہیں اور عاصم سے بھی نقل کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کیونکہ ممکن ہے دونوں سے سنا ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ عاصم والی سند بھی صحیح ہے اور حارث والی سند بھی کیوں کہ حارث اعور ضعیف ہے مقدمہ مسلم میں اس کو کذاب لکھا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الإِبِلِ وَالغَنَمِ اونٹ اور بکریوں کی زکوٰۃ

عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ كِتَابَ الصَّدَقَةِ، فَلَمْ يُخْرِجْهُ إِلَى عُمَّالِهِ حَتَّى قُبِضَ، فَقَرَنَهُ بِسَيْفِهِ، فَلَمَّا قُبِضَ عَمِلَ بِهِ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى قُبِضَ، وَعُمَرُ حَتَّى قُبِضَ، وَكَانَ فِيهِ فِي خَمْسٍ مِنَ الإِبِلِ شَاةٌ، وَفِي عَشْرٍ شَاتَانِ، وَفِي خَمْسَ عَشْرَةَ ثَلَاثُ شِيَاهٍ، وَفِي عِشْرِينَ أَرْبَعُ شِيَاهٍ، وَفِي خَمْسٍ وَعِشْرِينَ بِنْتُ مَخَاضٍ إِلَى خَمْسٍ وَثَلَاثِينَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا ابْنَةُ لَبُونٍ إِلَى خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا حِقَّةٌ إِلَى سِتِّينَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا جَذَعَةٌ إِلَى خَمْسٍ وَسَبْعِينَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا ابْنَتَا لَبُونٍ إِلَى تِسْعِينَ، فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا حِقَّتَانِ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ فَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ، وَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ ابْنَةُ لَبُونٍ، وَفِي الشَّاءِ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ شَاةً شَاةٌ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، فَإِذَا زَادَتْ فَشَاتَانِ إِلَى مِائَتَيْنِ، فَإِذَا زَادَتْ فَثَلَاثُ شِيَاهٍ إِلَى ثَلَاثِ مِائَةِ شَاةٍ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى ثَلَاثِ مِائَةِ شَاةٍ فَفِي كُلِّ مِائَةِ شَاةٍ شَاةٌ، ثُمَّ لَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ حَتَّى تَبْلُغَ أَرْبَعَ مِائَةٍ، وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ، وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ، مَخَافَةَ الصَّدَقَةِ، وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بِالسَّوِيَّةِ، وَلَا يُؤْخَذُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عَيْبٍ، وَقَالَ الزُّهْرِيُّ إِذَا جَاءَ المُصَدِّقُ قَسَمَ الشَّاءَ أَثْلَاثًا ثُلُثٌ خِيَارٌ، وَثُلُثٌ أَوْسَاطٌ، وَثُلُثٌ شِرَارٌ، وَأَخَذَ المُصَدِّقُ مِنَ الوَسَطِ وَلَمْ يَذْكُرِ الزُّهْرِيُّ البَقَرَ.

ترجمہ حضرت سالم بن عبداللہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھی کتاب زکوٰۃ کی اور روانہ نہ کیا تھا اسے اپنے عاملوں کے پاس کہ وفات پائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے،

آپ نے اسے تلوار کے پاس رکھ دیا تھا پھر جب وفات پائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں تک کہ وفات پائی انہوں نے پھر عمل کیا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں تک کہ وفات پائی انہوں نے بھی اور اس میں تھا کہ پانچ اونٹ میں ایک بکری دینا چاہیے اور دس میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں اور بیس اونٹوں میں چار بکریاں اور پچیس اونٹوں میں ایک سال کی اونٹنی پینتیس اونٹوں تک پھر اگر زیادہ ہوں پینتیس سے سو اس میں دو برس کی اونٹنی پینتالیس اونٹ تک پھر اگر زیادہ ہوں تو اس میں ایک حقہ ہے یعنی تین سال کی اونٹنی ساٹھ اونٹوں پر پھر اگر زیادہ ہوں تو اس میں دو سال کی دو اونٹنیاں نوے اونٹ تک پھر اگر زیادہ ہوں تو اس میں تین تین سال کی دو اونٹنیاں ایک سو بیس اونٹ تک پھر اگر زیادہ ہوں اس سے تو ہر پچاس اونٹ میں ایک اونٹنی تین سال کی اور ہر چالیس میں دو سال کی اور بکریوں میں چالیس بکری میں سے ایک بکری ایک سو بیس بکری تک پھر جب زیادہ ہوں یعنی ایک سو بیس سے تو دو بکریاں دو سو بکریوں تک پھر اگر زیادہ ہوں تو تین بکریاں تین سو بکریوں تک پھر اگر زیادہ ہوں تین سو سے تو ہر سینکڑے میں ایک بکری پھر اس میں کچھ واجب نہیں ہوتا جب تک پورا سینکڑہ نہ ہو اور جمع نہ کی جائیں متفرق یعنی دو یا تین اشخاص کی بکریاں یا اونٹ اور جدا جدا نہ کی جائیں ملی ہوئی بکریاں یا اونٹ زکوٰۃ کے خوف سے اور جو ہوں دو شریکوں کی یعنی بکریاں یا اونٹ تو وہ آپس میں سمجھ لیں برابر اور زکوٰۃ میں نہ لی جائے بوڑھی اور عیب دار اور کہا زہری نے جب آئے زکوٰۃ لینے والا تو تین قسم کرے بکریاں ایک میں عمدہ عمدہ اور ایک میں متوسط یعنی بیچ کی اور ایک میں ناقص اور زکوٰۃ تحصیل کرنے والا بیچ کے مال سے لے اور زہری نے گائے بیل کا ذکر نہیں کیا۔

تشریح اونٹوں کی زکوٰۃ کی تفصیل

یہاں پر عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے صحیح یوں ہے ”کتب الصدقة فقرنه بسیفه“ آگے ہے ”فلم یخرجه الی اعماله“ چوبیس اونٹوں تک من جنسہٖ زکوٰۃ نہیں بلکہ بکریوں سے ہوگی۔ جب پچیس ہو جائیں تو ایک بنت مخاض ہے یعنی جو ایک سال کی ہوگئی ہو اور دوسرے سال میں جارہی ہو پینتیس تک اور جب چھتیس ہو جائیں تو ایک بنت لبون ہے دو سالہ مؤنث ۴۵ تک اور جب چھیالیس ہو جائیں تو ایک حقہ ہے ۶۰ تک، تین سالہ مؤنث اور پھر حِقہ کو حِقہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ سواری کے قابل ہو جاتا ہے اور جب اکسٹھ ہو جائیں تو ایک جذعہ ہے پچھتر تک اور اس کو جذعہ اس لیے کہتے ہیں کہ دودھ والے دانت گر جاتے ہیں اور جب چھہتر ہو جائیں تو پھر دو بنت لبون ہیں نوے تک اور اکیانوے ہو جائیں تو پھر دو حقے ہیں ایک سو بیس تک، اس سے اوپر جھگڑا ہے۔ اُصول یہ ہے کہ شروع میں دو مرتبہ دس دس شمار کریں۔ پھر دو دفعہ پندرہ پندرہ، پھر ایک مرتبہ تیس۔ یہ اُصول یاد کرنے کی آسانی کے لیے ہے، یہ نصاب ایک سو بیس تک ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں اس کے بعد نصاب میں اختلاف ہے۔

”قوله فاذا زادت علی عشرین ومائة... الخ“ جب ایک سو بیس سے زائد ہو جائیں تو احناف کے نزدیک استیناف اوّل ہوگا ہر پانچ میں ایک بکری ہوگی چوبیس تک، پچیس میں ایک بنت مخاض چنانچہ ایک سو پچیس کی زکوٰۃ دو حقے، جب ایک سو

پینتالیس ہوں تو دو حقے ایک بنت مخاض پچاس تک پھر ایک سو پچاس میں تین حقے ہو جائیں گے۔ پھر استیناف ثانی شروع ہوگا، ایک سو پچھتر تک ہر پانچ میں ایک بکری، پھر ایک سو چھہتر ہوں گے تو تین حقے ہو جائیں گے۔

آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک سو بیس کے بعد دارومدار اربعینات اور خمسینات پر ہوگا جتنے اربعینات اتنے بنت لبون اور جتنے خمسینات ہوں گے اتنے حقے ہوں گے۔ مثلاً ایک سو اکیس میں تین اربعینات ہیں تو تین بنت لبون ہوں گے اور ایک سو تیس میں دو اربعین ہیں اور ایک خمسین ہے۔ لہٰذا دو بنت لبون اور ایک حقہ ہوگا۔ البتہ شوافع اور مالکیہ میں ایک فرق ہے۔ شوافع کے نزدیک اگر ایک سو بیس پر ایک بھی اضافہ ہو گیا یعنی ایک سو اکیس پر فریضہ بدل جائے گا اور مالکیہ کے نزدیک جب تک دس تک تعداد نہ ہوگی تو فریضہ نہ بدلے گا یعنی ایک سو انتیس تک فریضہ نہ بدلے گا، جب ایک سو تیس ہو گئے تو اربعینات اور خمسینات کا قاعدہ جاری ہوگا۔

احناف کی دلیل اوّل:

صحیفہ عمرو بن حزم، اس کی تخریج اسحاق بن راہویہ نے اور امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اور امام ابوداؤد نے مراسیل ابوداؤد میں تخریج کی، اس میں جو اونٹوں کی زکوٰۃ کی تفصیل "فما فضل علیٰ مائة و عشرين فان يعاد الى اوّل فريضة الابل، فما كان اقل من خمس و عشرين ففيه الغنم فى كل خمس ذَوْدٍ شاة" اور یہ تفصیل احناف کے مطابق ہے۔

دلیل ثانی: اثر علی کرم اللہ وجہہ "الذى اخرجه ابن ابى شيبه فى مصنفه، فاذا زادت على مائة و عشرين يستقبل بها الفريضة بالغنم" فریضہ کو از سرِ نو بکریوں کو لوٹایا جائے گا۔ اگرچہ یہ اثر صحابی ہے لیکن غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے مرفوع کے حکم میں ہے۔

دلیل ثالث: اثر ابن مسعود رضی اللہ عنہ "الذى اخرجه الطحاوى فى شرح معانى الآثار، فاذا زادت على مائة و عشرين استقبلت الفريضه بالغنم" یہ بھی غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے مرفوع کے حکم میں ہے۔

آئمہ ثلاثہ کی دلیل:

حدیث الباب حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما "فاذا زادت على مائة و عشرين ففى كل خمسين حِقّةٌ و فى كل اربعين ابنة لبون"

جواب (۱): اس حدیث کا مدلول یہ ہے کہ جب ایک سو بیس پر پچاس کا اضافہ ہوگا تو حقہ ہے اور اگر چالیس کا اضافہ ہے تو بنت لبون ہے باقی مادون الاربعین اور ماد و الخمسین کا حکم کیا ہے اس کے بارے میں حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما خاموش اور ساکت ہے اور ہمارے دلائل راجح ناطق ہیں اور ناطق راجح ہوتی ہے۔

جواب (۲): اگر تسلیم کرلیں کہ یہ ایک سو بیس کے بعد استیناف کے لیے نافی ہے تو پھر جواب یہ ہے کہ صحیفہ عمرو بن حزم، اثر علی، اثر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ مثبت ہیں اور جب مثبت اور نافی میں تعارض ہو جائے تو مثبت کو ترجیح ہوتی ہے۔

جواب (۳): حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک سو بیس کے بعد زکوٰۃ کے حکم میں مجمل ہے یعنی اجمال ہے اور

ہماری تینوں دلیلوں میں تفصیل ہے لہٰذا مجمل کو مفصل پر محمول کیا جائے گا۔

دوسرا مسئلہ: بکریوں کی زکوٰۃ کا نصاب

چالیس سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اور پھر ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے۔ ۱۲۰ تک اور جب اس پر اضافہ ہو، دوسو تک دو بکریاں، تین سو تک پھر تین بکریاں، پھر ہر سو میں ایک بکری ہوگی۔ الغرض بکری خود بھی سیدھی سادی ہے اور نصاب بھی آسان اور اونٹ ٹیڑھا زکوٰۃ کا نصاب بھی ٹیڑھا ہے۔

"قوله لا يجمع بين متفرق ولا يفترق بين مجتمع"...... "لا يجمع بين متفرق" یہ علیحدہ ہے، اس کا اجمالی مطلب یہ ہے کہ دو متفرق جانوروں کو متفرق قرار دے کر زکوٰۃ کا حساب دیا جائے مجتمع قرار نہ دیا جائے اور "ولا يفرق بين مجتمع" یہ علیحدہ جملہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو جانور مجتمع ہیں ان کو مجتمع قرار دے کر زکوٰۃ وصول کی جائے متفرق فرق قرار نہ دیا جائے زکوٰۃ کے خوف کی وجہ سے۔ تفصیل جملہ اولیٰ میں جمع سے نہی ہے اور جملہ ثانیہ میں تفریق سے نہی ہے یہ جمع اور تفریق دو قسم پر ہے۔ (۱) جمع و تفریق بحسب الملک (۲) جمع و تفریق بحسب المکان۔

قسم اوّل کا مطلب: ایک شخص کی ملک میں جتنے جانور ہیں ان کو ایک ہی شخص کا قرار دے کر زکوٰۃ کا حساب کیا جائے، دو یا دو سے زائد کا ملک قرار دے کر زکوٰۃ کا حساب نہ کیا جائے اور اگر دو شخصوں یا زائد کی ملکیت میں ہیں تو پھر زائد ہی کی ملکیت قرار دے کر زکوٰۃ کا حساب کریں، ایک شخص کی ملک قرار دے کر زکوٰۃ کا حساب نہ کیا جائے۔

قسم ثانی کا مطلب: ایک چراگاہ میں چرنے والے جانوروں کو ایک ہی چراگاہ کا قرار دے کر زکوٰۃ کا حساب کیا جائے، دو یا دو سے زائد چراگاہ میں چرنے والے جانوروں کا حساب لگا کر زکوٰۃ کا حساب نہ لگایا جائے۔ اسی طرح دو یا دو سے زائد چراگاہ میں چرنے والے جانوروں کو دو یا دو سے زائد چراگاہوں میں چرنے والے جانور قرار دے کر زکوٰۃ کا حساب لگایا جائے، ایک چراگاہ میں چرنے والے جانور قرار دے کر زکوٰۃ کا حساب نہ لگایا جائے۔ باقی رہی یہ بات کہ جمع تفریق بحسب الملک معتبر ہے یا بحسب المکان۔ احناف کے نزدیک جمع تفریق بحسب الملک کا ہی اعتبار ہے بحسب المکان کا اعتبار نہیں۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک جمع تفریق بحسب المکان کا بھی اعتبار ہے لیکن مطلقاً ان میں سے چند اہم یہ ہیں:

(۱) ان جانوروں کے رات گزارنے کا باڑہ ایک ہو۔ (۲) چراہ گاہ میں پہنچنے سے پہلے جمع ہونے کی جگہ ایک ہو۔ (۳) چراگاہ بھی ایک ہو۔ (۴) چرواہ بھی ایک ہو۔ (۵) مشرب بھی ایک ہو۔ (۶) رکھوالی کا کتا بھی ایک ہو۔ (۷) توالد و تناسل نر بھی ایک ہو۔ (۸) محلب بھی ایک ہو اور بعض نے محلِب بھی پڑھا ہے یعنی برتن بھی ایک ہو دودھ نکالنے والا (۹) شریکین میں سے "لا علی التعین" کم از کم ایک شریک صاحب نصاب ہو۔ (۱۰) کم از کم اس اختلاط پر حولانِ حول بھی ہو چکا ہو۔ (۱۱) شریکین وجوب زکوٰۃ کے اہل ہوں۔ مسلم، بالغ، عاقل اکثر شرائط متفق علیہ ہیں، بعض میں مالکیہ کا اختلاف ہے، پھر اسی کو تعبیر کرتے ہیں کبھی "خلطة الجوار" کے ساتھ کبھی "خلطة الاوصاف" کے ساتھ اور کہیں تعبیر کرتے ہیں جمع تفریق بحسب المکان کے ساتھ۔

احناف کی دلیل اوّل:

نصوص متعلقہ بالنصاب جن میں نصاب بتلایا گیا کہ پانچ اونٹوں سے کم میں چالیس بکریوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں، اگر خلطۃ الجوار کا اعتبار کریں تو بعض صورتوں میں زکوٰۃ واجب ہوجائے گی بغیر نصاب کے تو ان احادیث کا بے معنی ہوکر رہ جانا لازم آئے گا۔

دلیل ثانی: حالت افرادی میں تو اجماع ہے کہ خلطۃ الشیوع ہی کا اعتبار ہے تو حالت اجتماع کو حالت انفرادی پر قیاس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ خلطۃ الشیوع کو معتبر مانا جائے۔

آئمہ ثلاثہ کی دلیل: حدیث سعد بن ابی وقاص ''الذی اخرجہ دار قطنی والبیہقی، الخطیطان ما اجتمعا علی الحوض والرّاعی والفحل . . . الخ'' اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ بحسب المکان کا اعتبار ہے کیونکہ یہ شرطیں جمع ہیں، تفریق بحسب المکان میں۔

جواب: حدیث میں یعنی سند میں عبداللہ بن لھیعہ راوی ضعیف ہیں، یہ نصوص متعلقہ بالنصاب کا معارض بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی مزید یہ سمجھیں جملہ اولیٰ ہو یا ثانیہ اس میں نہی میں دونوں احتمال ہیں، عاملین کو ہو یا مالکین کو نہی ہو، اگرچہ شوافع نے عاملین کے ساتھ خاص کردیا اور مالکیہ نے مالکین کے ساتھ خاص کردیا۔ ''ولکن العموم ھو الاوّل''

امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک ''خلط الشیوع'' اور ''خلط الجوار'' دونوں معتبر نہیں بلکہ زکوٰۃ ہر آدمی کے مال میں الگ الگ اس کے حصہ کے مطابق ہوگی۔ امام صاحب کے نزدیک حدیث باب کے مذکورہ جملہ کی تشریح میں چھ صورتیں ہیں۔ بہر تقدیر ''مخافۃ صدقۃ'' کا تعلق جملہ اولیٰ کے ساتھ بھی ہے جملہ ثانیہ کے ساتھ بھی ہیں، بہر تقدیر اس کے چار معنی ہیں۔

(۱) ''مخافۃ الصدقۃ ای مخافۃ سقوط الصدقۃ'' (۲) ''مخافۃ نقصان الصدقۃ''

(۳) ''مخافۃ زیادۃ الصدقۃ'' (۴) ''مخافۃ وجوب الصدقۃ'' دوسری حدیثوں ''خشیۃ الصدقۃ'' کے الفاظ ہیں اس کا مطلب بھی یہی ہے دونوں ایک ہی چیزیں ہیں چونکہ جملہ اولیٰ کے ساتھ نہی کا تعلق ہے ثانیہ کے ساتھ بھی نہی کا تعلق اور نہی میں دونوں احتمال ہیں، عاملین کو نہی ہو اور مالکین کو بھی نہی ہو۔ لہٰذا اس کے ساتھ متعدد صورتیں داخل ہوں گی جن کی تفصیل یہ ہے ''الصورۃ الاولیٰ'' ...... ''مخافۃ الصدقۃ'' کا تعلق جملہ اولیٰ کے ساتھ ہو اور نہی عاملین کو ہو اور ''مخافۃ الصدقۃ'' کا معنی ''مخافۃ سقوط الصدقۃ'' ہوگا اس کی توضیح بالمثال بر مذہب احناف یہ ہے کہ مثال کے طور پر زید کی ملک میں بھی بیس بکریاں ہیں، عمرو کے پاس بھی بیس بکریاں ہیں، قاعدہ شرعی کے مطابق کسی پر زکوٰۃ نہیں لیکن عامل آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یہ ایک شخص کی ملکیت ہے۔ لہٰذا ایک بکری وصول کی جائے گی، یہ عامل ایسا کر رہا ہے سقوط الصدقۃ کے خوف سے اور ایسا کرنے میں مالکین کو نقصان ہے اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا، اب ترجمہ ہوگا زکوٰۃ کے ساقط ہونے کے خوف سے دو شخصوں کی ملکیت میں پائے جانے والے جانوروں کو ایک شخص کی ملکیت قرار نہ دیا جائے۔

برمذہب شوافع: ایک چراگاہ میں بیس بکریاں ہیں اور دوسری میں بھی بیس بکریاں ہیں، اب عامل آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یہ ایک ہی چراگاہ کی ہیں، میں ایک بکری لوں گا یہ ایسا کر رہا ہے۔ "مخافۃ سقوط الصدقۃ" کی وجہ سے چونکہ ایسا کرنے میں مالکوں کا نقصان ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاملین کو نہی کردی، اب معنی یہ ہوگا کہ دو چراگاہوں کے جانوروں کو ایک چراگاہ کا قرار دے کر زکوٰۃ کے ساقط ہونے کے خوف سے ایک چراگاہ کا قرار نہ دیا۔

"الصورۃ الثانیہ" "مخافۃ الصدقۃ" کا تعلق جملہ اولیٰ کے ساتھ اور نہی عاملین کو ہو اور "مخافۃ الصدقۃ" کا معنی "مخافۃ نقصان الصدقۃ" توضیح بالمثال: برمذہب احناف مثلاً زید کی ملکیت میں بھی ایک سو ایک بکری اور عمرو کی ملکیت میں بھی ایک سو ایک بکری۔ اب قاعدہ شرعی کے مطابق ہر ایک پر ایک ایک بکری ہے اور جب عامل آتا ہے تو کہتا ہے دو سو دو بکری ایک ہی کی ملکیت ہے۔ لہٰذا تین بکریاں ہیں، یہ عامل ایسا کر رہا ہے زکوٰۃ میں کمی کے خوف کی وجہ سے لیکن چونکہ ایسی صورت میں مالکوں کا نقصان ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔ اب ترجمہ ہوگا زکوٰۃ میں کمی کے خوف کی وجہ سے دو شخصوں کی ملکیت کے جانوروں کو ایک کی ملکیت قرار نہ دیا جائے کیونکہ اس میں مالکوں کا نقصان ہے۔

توضیح بالمثال: برمذہب آئمہ ثلاثہ ایک سو ایک بکری ایک چراگاہ میں اور ایک سو ایک دوسری چراگاہ میں، اب قاعدہ شرعی کے مطابق ایک ایک بکری ہے اور عامل آتا ہے اور کہتا کہ یہ سب ایک ہی چراگاہ کی ہیں۔ لہٰذا تین بکریاں ہوں گی، چونکہ ایسا کرنے میں مالکوں کا نقصان ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہی فرمادی عاملین کو اب معنی یہ ہوگا کہ دو چراگاہ کی بکریوں کو زکوٰۃ میں کمی کے خوف کی وجہ سے ایک چراگاہ قرار دے کر زکوٰۃ وصول نہ کی جائے۔

الصورۃ الثالثہ: "مخافۃ الصدقۃ" کا تعلق جملہ اولیٰ سے ہو اور نہی مالک کو ہو۔ اس صورت میں "مخافۃ الصدقۃ" کا معنی ایک ہی متعین ہے زیادۃ الصدقۃ۔

توضیح بالمثال: برمذہب احناف زید کی ملک میں چالیس بکریاں ہیں، عمرو کے پاس بھی چالیس بکریاں اور بکر کی ملک میں چالیس، اب قاعدہ شرعی کے مطابق تین بکریاں ہیں، اب جب عامل آیا تو کہا کہ یہ ایک سو بیس بکریاں ایک ہی کی ملکیت میں ہیں، یہ ایسا اس لیے کر رہے ہیں کہ زکوٰۃ میں زیادتی کے خوف کی وجہ سے چونکہ ایسا کرنے میں بیت المال کا نقصان ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۔ معنی یہ ہے کہ زکوٰۃ کی زیادتی کے خوف کی وجہ سے دو یا دو سے زائد آدمیوں کی ملکیت میں پائے جانے والے جانوروں کو ایک آدمی کی ملکیت قرار نہ دیا جائے، اس لیے کہ اس صورت میں بیت المال کا نقصان ہے۔

برمذہب آئمہ ثلاثہ:

ایک چراگاہ میں چالیس بکریاں اور دوسری میں بھی چالیس اور تیسری چراگاہ میں بھی چالیس بکریاں، جب عامل آیا تو کہا کہ یہ ایک چراگاہ کی بکریاں، یہ ایسا کر رہے ہیں زکوٰۃ میں زیادتی کے خوف کی وجہ سے کیونکہ اس میں بیت المال کا

نقصان ہے اس لیے منع فرمایا، ترجمہ زکوٰۃ کی زیادتی کے خوف کی وجہ سے دو یا دو سے زائد چراگاہوں میں چرنے والے جانوروں کو ایک چراگاہ کے جانور قرار نہ دیا جائے۔

الصورت الرابعہ: "مخافة الصدقة" کا تعلق جملہ ثانیہ کے ساتھ ہو اور نہی عاملین کو ہو اس صورت میں "مخافة الصدقة" کا ایک ہی معنی متعین ہے۔ "مخافة نقصان الصدقة"

توضیح بالمثال: بر مذہب احناف زید کی ملکیت میں ایک سوبیس بکریاں ہیں، اب قاعدہ شرعی کے مطابق ایک بکری واجب ہے جب عامل آیا تو وہ کہتا ہے کہ یہ ایک سوبیس بکریاں درحقیقت تین شخصوں کی ملکیت میں ہیں، چالیس چالیس، لہٰذا تین بکریاں وصول کی جائیں گی، یہ ایسا کر رہا ہے زکوٰۃ کے نقصان کے خوف کی وجہ سے چونکہ ایسا کرنے میں مالکین کا نقصان ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا، اب معنی ہوگا، زکوٰۃ میں کمی کے خوف کی وجہ سے ایک شخص کی ملکیت کے جانوروں کو دو یا زائد آدمیوں کی ملکیت قرار نہ دیا جائے۔

بر مذہب شوافع: ایک ہی چراگاہ میں ایک سوبیس بکریاں ہیں۔ اب قاعدہ شرعی کے مطابق ایک بکری ہے لیکن عامل کہتا ہے کہ یہ تین چراگاہوں کی چالیس چالیس بکریاں ہیں، یہ ایسا کر رہا ہے زکوٰۃ کے نقصان کے خوف کی وجہ سے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمادیا کیوں کہ اس میں مالکین کا نقصان ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ زکوٰۃ میں کمی کے خوف کی وجہ سے ایک چراگاہ کے جانوروں کو دو یا دو سے زائد چراگاہوں کا قرار نہ دیا جائے۔

الصورۃ الخامسہ: "مخافة الصدقة" کا تعلق جملہ ثانیہ سے اور نہی مالکین کو "مخافة الصدقة" کا معنی "مخافة زيادة الصدقة"

توضیح بالمثال: زید کی ملکیت میں دوسو سے زائد بکریاں ہیں۔ اب قاعدہ شرعی کے مطابق تین بکریاں واجب ہیں لیکن جب عامل آتا ہے تو زید یہ کہتا ہے کہ ایک سو میری ہیں اور ایک سو دوسرے آدمی کی ہیں، اب دو بکریاں واجب ہوں گی، زید ایسا کر رہا ہے زکوٰۃ میں زیادتی کے خوف کی وجہ سے، اس صورت میں چونکہ بیت المال کا نقصان ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا، اب معنی ہوگا زکوٰۃ کی زیادتی کے خوف کی وجہ سے ایک آدمی کی ملکیت میں پائے جانے والے جانوروں کو دو یا دو سے زائد کی ملکیت قرار نہ دیا جائے کیونکہ اس میں بیت المال کا نقصان ہے۔

بر مذہب شوافع: ایک چراگاہ میں چرنے والے جانور دو سو سے زائد ہیں۔ اس صورت میں تین بکریاں واجب ہیں۔ الخ معنی یہ ہوگا زکوٰۃ میں زیادتی کے خوف سے ایک چراگاہ کی بکریوں کو دو یا دو سے زائد چراگاہ کی بکریاں قرار نہ دیا جائے کیونکہ ایسا کرنے میں بیت المال کا نقصان ہے۔

الصورۃ السادسہ: "مخافة الصدقة" کا تعلق جملہ ثانیہ سے اور نہی مالکین کو ہو، "مخافة الصدقة" کا "مخافة وجوب الصدقة" ...... توضیح بالمثال: بر مذہب احناف کہ زید کی ملکیت چالیس بکریاں ہیں، اب قاعدہ شرعی کے مطابق نصاب مکمل ہے اور ایک بکری واجب ہے لیکن جب عامل آتا ہے تو زید کہتا ہے آدھی عمرو کی ہیں۔ لہٰذا زکوٰۃ واجب نہیں، یہ ایسا

کررہا ہے زکوٰۃ کے وجوب کے خوف سے چونکہ اس میں بیت المال کا نقصان ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، معنی یہ ہوگا زکوٰۃ کے وجوب کے خوف کی وجہ سے ایک شخص کے جانوروں کو دو آدمیوں کا قرار نہ دیا جائے۔

برمذہب شوافع:

ایک چراگاہ میں چالیس بکریاں چرتی ہیں۔الخ معنی یہ ہوگا زکوٰۃ کے وجوب کے خوف سے ایک چراگاہ میں چرنے والے جانوروں کو دو سے زائد چراگاہ میں چرنے والے جانور قرار نہ دیا جائے۔ "وما کان من خلیطین فانهما یتراجعان بالسویہ" اس جملہ کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھیں لیں کہ خلطت دو قسم پر ہے۔(۱) "خلطة الشیوع" (۲) "خلطة الجوار" اور اسی کو "خلطة الاوصاف" بھی کہتے ہیں "خلطة الشیوع" یہ ہے کہ چند جانور دو یا زائد شخصوں کی ملکیت میں مشاع ہوں مشترک ہوں اور مشترک ہوں ہر جانور میں، ہر شخص کی ملکیت ہو، ملکیت کے اعتبار سے تمیز نہ ہو۔ مثلاً دو شخصوں کو کسی نے پندرہ اونٹ ہبہ دے دیئے یا وراثت میں مل گئے، اب ہر ہر اونٹ میں دونوں کا حصہ ہے، اب کہا جائے گا کہ یہ اونٹ یعنی پندرہ اونٹ ان دونوں کے درمیان مشترک اور مشاع ہیں۔ یہ "خلطة الشیوع" ہے اور اسی کو "خلطة الاعیان" بھی کہتے ہیں اور "خلطة الجوار" پیچھے گزر چکا۔

اب احناف کے نزدیک خلیطین سے مراد خلطة الشیوع ہے اب معنی یہ ہوگا کہ خلطة الشیوع سے یعنی جب شریکین کے مال سے زکوٰۃ ادا کی گئی پھر وہ شریکین اپنے اپنے حصہ ملکیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے لین دین کرلیں۔ توضیح بالمثال: بر مذہب احناف مثلاً اکسٹھ اونٹ جو ہیں وہ زید وعمرو کے درمیان مشترک ومشاع ہیں، اس طرح کہ زید کے پچیس اور عمرو کے چھتیس ہیں، اب قاعدہ کے مطابق زکوٰۃ باعتبار ملکیت واجب ہوگی چونکہ پچیس والے پر بنت مخاض واجب ہے اور چھتیس کے مالک پر ایک بنت لبون واجب ہے، اب عامل ایک بنت مخاض اور ایک بنت لبون ہی لے جائے گا۔ ان دونوں میں دونوں کا حصہ ہے، لہٰذا بنت لبون کی قیمت لگا کر اکسٹھ حصے بنایئے، اب چھتیس کے مالک کو کہا جائے گا کہ اکسٹھ حصوں میں سے چھتیس حصے اپنی طرف سے ادا کیے اور پچیس شریک کی طرف سے اب یہ پچیس حصوں کا رجوع کرے گا اپنے شریک سے اور جو بنت مخاض کا مالک ہے اس نے پچیس اپنے ادا کیے اور چھتیس حصے اپنے دوسرے شریک طرف سے ادا کیے۔ اب بنت مخاض کے مالک کو کہا جائے گا اس کے بھی یعنی بنت مخاض کے اکسٹھ حصے کرے اور چھتیس حصے اپنے شریک سے لے لے۔

خلاصہ یہ ہے کہ چھتیس کے مالک نے چھتیس تو اپنی طرف سے ادا کیے۔ پچیس دوسرے کو دے دے گا، ایسے پچیس کے مالک نے پچیس تو اپنی طرف سے دیئے چھتیس حصے چھتیس کے مالک کو دے دے، اپنی اپنی ملکیت کے تناسب سے زکوٰۃ ہوگی۔

برمذہب شوافع:

چونکہ ان کے نزدیک خلطة الجوار ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ مجموعہ سے اداء ہوگی ان کے نزدیک اس مجموعہ پر ایک جذعہ زکوٰۃ آئے گی، پھر جذعہ دو حال سے خالی نہیں، جذعہ چھتیس حصوں کے مالک سے ادا ہوگا یا پچیس حصوں کے مالک کے مال سے اداء ہوگا،

اگر چھتیس حصوں کے مالک کی طرف سے ہو تو چھتیس حصے اس نے اپنے حصے سے ادا کیے اور پچیس حصے دوسرے کی طرف سے ادا کیے۔ لہٰذا چھتیس حصوں والا پچیس حصوں کا اپنے ساتھی سے رجوع کرے گا اور اگر پچیس حصے والے کے مال سے ادا کیا گیا تو پچیس حصے اس نے اپنی طرف سے ادا کیے اور چھتیس حصے اپنے ساتھی کی طرف سے۔ لہٰذا ان حصوں کا اپنے ساتھی سے رجوع کرے گا۔ الحاصل اس صورت میں رجوع جانب واحد سے ہے جانبین سے رجوع نہیں جبکہ احناف کے مذہب کے مطابق رجوع من جانبین ہے اور حدیث میں بھی لفظ باب تفاعل سے ہے۔ یتراجعان، لہٰذا احناف کا مذہب اولیٰ اور راجح ہے۔

"ہرمۃ" یعنی بوڑھا اور کمزور جانور نہ لیا جائے اور نہ عیب دار لے گا کیوں کہ گزر چکا ہے کہ حکومت اموال ظاہرہ سے زکوٰۃ لے سکتی ہے۔ اب عامل آیا اگر وہ عمدہ بکری لے تو اس میں صاحب مال کا نقصان ہے۔ اگر بالکل بے کار بکری لے تو فقراء کا نقصان ہے۔ اس لیے کہا جائے گا کہ عامل جب آئے تمام بکریوں کے تین حصے بنائے۔ ایک اعلیٰ ایک اوسط اور ایک ادنیٰ کی، پھر عامل درمیانی قسم کی بکریوں کو زکوٰۃ میں لے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الْبَقَرِ گائے اور بیل کی زکوٰۃ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي ثَلَاثِيْنَ مِنَ الْبَقَرِ تَبِيعٌ أَوْ تَبِيعَةٌ وَفِي كُلِّ أَرْبَعِيْنَ مُسِنَّةٌ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیس گایوں میں سے ایک سال کی ایک گائے ہے یا بیل اور ہر چالیس میں دو برس کی ایک گائے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ بَعَثَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ فَأَمَرَنِي أَنْ آخُذَ مِنْ كُلِّ ثَلَاثِيْنَ بَقَرَةً تَبِيعًا أَوْ تَبِيعَةً وَمِنْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ مُسِنَّةً وَمِنْ كُلِّ حَالِمٍ دِيْنَارًا أَوْ عِدْلَهُ مَعَافِرَ.

ترجمہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بھیجا مجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کو اور حکم دیا کہ لوں میں ہر تیس گایوں میں سے ایک گائے ایک سال کی یا ایک بیل اور چالیس میں سے ایک گائے دو برس کی اور ہر جوان سے ایک دینار یا برابر اس کے کپڑے۔

تشریح بقر کا اطلاق گائے پر بھی بیل پر بھی اور اسی طرح بقر کا اطلاق بھینس پر بھی ہوتا ہے کیونکہ بھینس بھی اس کی نوع ہے مغنی ابن قدامہ میں اجماع نقل کیا ہے۔

نصاب اجماعی: تیس میں تبیع یا تبیعہ ہے یکسالہ مذکر یا مؤنث جو دوسرے سال میں ہو، پھر آگے ہر اربعین میں مسنہ ہے یعنی دو سالہ مؤنث جو تیسرے سال میں ہو۔

مسئلہ اختلافی: اس میں اختلاف ہے کہ گائے کی زکوٰۃ میں مذکر کو وصول کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

قول اوّل: احناف کے ہاں وصول کیا جاسکتا ہے۔
قول ثانی: آئمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ گائے میں صرف مؤنث ہی کے ساتھ زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔
احناف کی دلیل: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما، طبرانی "فی کل اربعین مسنۃ او مُسِنٌ"
جمہور کی دلیل: حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ "فی کل اربعین مسنۃ" اس میں تصریح ہے کہ مؤنث ضروری ہے اور "مُسِنٌ" کا ذکر نہیں۔
جواب: یہ من باب الاکتفاء ہے چونکہ جملہ اولیٰ میں مذکر کا ذکر موجود ہے اس لیے جملہ ثانیہ میں مؤنث پر اکتفاء کیا۔
"قال ابو عیسیٰ ھکذا روی عبدالسلام بن حرب" ابوعبیدہ کا اپنے باپ سے سماع ثابت ہے یا نہیں؟ ماقبل میں گزر چکا کہ دونوں رائے ہیں۔ (۱) سماع ثابت ہے۔ (۲) سماع ثابت نہیں ہے اور جب نفی و اثبات میں تعارض ہو جائے اولیٰ راجح اثبات ہوتا ہے۔ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ "من کل حالم دیناز" کافر سے جزیہ کتنی مقدار وصول کیا جائے۔
قول اوّل: احناف کے نزدیک غریب سے ماہانہ ایک درہم اور سالانہ بارہ درہم اور متوسط سے ماہانہ دو درہم اور سالانہ چوبیس اور امیر سے ماہانہ چار درہم اور سالانہ اڑتالیس درہم۔
قول ثانی: شوافع کے ہاں کم از کم ایک درہم اور زیادہ کی مقدار متعین نہیں۔
احناف کی دلیل: فیصلہ ابن عمر رضی اللہ عنہما۔
شوافع کی دلیل: حدیث الباب
جواب: یہ بطور صلح کے ہے۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ یعنی "من کل حالم دیناز" کا کہ ہر بالغ سے ایک دینار لینے کا حکم دیا۔ ایک دینار کی مالیت کپڑا کیونکہ یمن میں عیسائی بھی رہتے تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بالغ سے ایک دینار یا ایک دینار کی مالیت کے برابر کپڑا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَخْذِ خِيَارِ الْمَالِ فِي الصَّدَقَةِ زکوٰۃ میں عمدہ مال لینا برا ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ لَهُ إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا أَهْلَ كِتَابٍ فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةَ أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا معاذ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف اور فرمایا تو گزرے گا ایک قوم پر اہل کتاب سے پس بلا ان کو اس پر کہ گواہی دیں کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور میں رسول ہوں اللہ کا پس اگر قبول کریں اس کو تو خبر دے ان کو فرض کیا ہے اللہ نے پانچ نمازوں کو دن اور رات میں پھر اگر قبول کرلیں وہ اس کو تو خبر دے ان کو اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہے ان پر زکوٰۃ ان کے مالوں کی کہ لی جائے ان کے امیروں سے اور دی جائے ان کے فقیروں کو پھر اگر وہ قبول کریں اس کو تو پرہیز کر ان کے عمدہ مالوں سے یعنی زکوٰۃ میں عمدہ عمدہ مال چھانٹ کر نہ لے اور بچ بددعا سے مظلوم کی اس لیے کہ اس میں اور اللہ میں کچھ پردہ نہیں یعنی (مظلوم کی دُعا بہت) جلد قبول ہوتی ہے۔

تشریح پہلی بات: "فاعلمھم ان اللہ افترض علیھم خمس"

سوال: کلمہ کے بعد تو سارے فرائض کو بجالانا ضروری ہوتا ہے، پھر یہ کیا مطلب کہ اسلام قبول کرلیں تو پھر ان کو یہ احکام بتلاؤ؟

جواب: حدیث میں دعوت کی ترتیب کو بتلانا ہے یہ معنی نہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد پھر ان کو بتلایا جائے کہ تم پر نماز فرض ہے، پھر زکوٰۃ فرض ہے دعوۃ الی الارکان کی ترتیب کو بتلانا ہے۔

دوسری بات، مسئلہ اختلافی: کفار مکلف بالفروع ہیں یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے ہاں مکلف بالفروع ہیں۔

قول ثانی: شوافع کے نزدیک مکلف بالفروع نہیں۔

دلیل: یہی حدیث ہے کہ اگر اسلام لائیں تو پھر یہ احکام ہیں۔

جواب: کفار مکلف بالفروع نہیں، دُنیا کے احکام کے اعتبار سے اور احناف بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ آخرت کے اعتبار سے مکلف بالفروع ہیں۔ثمرہ اختلاف احناف کے نزدیک آخرت میں جو عذاب ہوگا وہ اُصول پر بھی اور فروع پر بھی جبکہ شوافع کے نزدیک صرف اُصول پر ہے لیکن فروع پر نہیں۔ "قولہ توخذ من اغنیاءھم وترد علی فقرائھم"

دوسرا مسئلہ اختلافی: ایک جگہ سے زکوٰۃ لی، اب اس کو دوسرے علاقے کے فقراء پر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جائز ہے لیکن اس علاقے والوں کو ضرورت ہو تو یہ فعل پھر خلاف اولیٰ ہوگا، لیکن اگر ان کو ضرورت نہ ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔

قول ثانی: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے فقہاء کے نزدیک ایک علاقے والوں کی زکوٰۃ دوسرے علاقے کے فقراء کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں۔ یہ لوگ مذکورہ حدیث کے اس حصے سے استدلال کرتے ہیں۔ احناف جواب دیتے ہیں کہ یہاں "اغنیائھم" اور "فقرائھم" کی ضمیریں مسلمانوں کی طرف راجع ہیں کہ مسلمانوں کے اغنیاء سے زکوٰۃ لے کر مسلمانوں کے فقراء میں تقسیم کی جائے گی، چاہے وہ اسی علاقے کے ہوں یا دوسرے علاقے کے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَدَقَةِ الزَّرْعِ وَالتَّمْرِ وَالحُبُوبِ کھیتی، پھلوں اور غلوں کی زکوٰۃ

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ.

ترجمہ حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ اور نہیں ہے پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوٰۃ اور نہیں ہے پانچ گنے یا ٹوکرے سے کم میں زکوٰۃ یعنی غلے یا تمر میں۔

تشریح ایک وسق ساٹھ صاع کی مقدار کا ہوتا ہے۔ پانچ وسقوں کو ساٹھ میں ضرب دیں تو پانچ وسق تین سو صاع بنتے ہیں اور موجودہ اوزان کے اعتبار سے تیس من بنتے ہیں۔ "صاع النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صاع 5-1/3 رطل تھا یہ اپنے مذہب کی رعایت کی ہے، آگے کہا صاع اہل الکوفہ۔

قولہ اواق: اوقیہ کی جمع ہے، چالیس درہم، پانچ کو چالیس میں ضرب دیں تو دوسو درہم بنتے ہیں اور دراہم کا نصاب دوسو ہے۔

قولہ ذود: بمعنی دفاع کے ہے اور اونٹ بھی دفاع کرتا ہے۔ "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة"

مسئلہ اختلافی: زمین کی پیداوار میں عشر کے وجوب کے لیے کوئی نصاب متعین ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک کوئی نصاب متعین نہیں، قلیل وکثیر ہر حال میں عشر واجب ہے۔

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ فرماتے ہیں اگر پانچ وسق (تین سو صاع صاع حجازی) ہوں تو پھر عشر واجب ہوگا۔

احناف کی دلیل اوّل:

نصوص عامہ "یایھا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبٰت ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض" اس میں کلمہ ما عموم ہے، قلیل وکثیر سب کو شامل ہے۔

دلیل ثانی: "واتوا حقه یوم حصاده" اس میں بھی تعمیم ہے یہ قلیل ہو یا کثیر ہو سب کو شامل ہے۔

دلیل ثالث: حدیث "فیما سقت السماء والعیون العشر" یہ حدیث ابن عمر، حضرت جابر، حضرت معاذ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور حضرت قیس سے بھی ان نصوص عامہ کی وجہ سے، احناف کہتے ہیں کہ عشر کے وجوب کے لیے نصاب متعین نہیں ہے۔

آئمہ ثلاثہ کی دلیل:

حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ "حدیث الوسق" اس میں تصریح ہے کہ پانچ وسقوں سے کم میں صدقہ نہیں۔

جواب (۱): اس حدیث میں صدقہ سے مراد عشر نہیں ہے بلکہ صدقہ سے مراد تجارت کے غلہ کی زکوٰۃ مراد ہے، یعنی وہ غلہ جو

تجارت کے لیے ہو، اس کے بارے میں فرمایا کہ پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ اس زمانہ میں عموماً وسقوں سے تجارت ہوتی تھی، ایک وسق کی قیمت چالیس درہم اور پانچ وسقوں کی قیمت نصاب کو یعنی دو سو دراہم کو پہنچ جاتی ہے۔ لہٰذا یہ محمول ہے تجارت کے غلہ کی زکوٰۃ پر اور پانچ وسقوں سے کم کی قیمت نصاب کو نہیں پہنچتی، اس لیے فرمایا پانچ وسقوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔

قرینہ: جملہ اولیٰ میں صدقہ کا معنی زکوٰۃ اور جملہ ثانیہ میں صدقہ کا معنی زکوٰۃ۔ لہٰذا جملہ ثالثہ میں بھی صدقہ کا معنی زکوٰۃ ہونا چاہیے نہ کہ عشر اس لیے کہ اگر عشر مراد لیں تو پھر اولیٰ اور جملہ ثانیہ اور جملہ ثالثہ میں توافق نہ ہوگا اور یہی جواب صاحب ہدایہ نے دیا ہے۔

جواب (۲): اگر تسلیم کرلیں کہ صدقہ بمعنی عشر کے ہے پھر حدیث کا مدلول یہ ہے کہ جس شخص کے پاس پانچ وسقوں سے کم پیداوار ہو، اس میں ایسا عشر نہیں جو "مؤدًا الی البیت المال" ہو بلکہ ایسا شخص از خود ہی فقراء اور مساکین کو دے دے۔

جواب (۳): یہ محمول ہے عرایا پر یعنی جو ہبہ بطور عریہ کے ہوتا یہ پانچ وسقوں سے کم ہوتا، اب پانچ وسقوں سے کم ہے تو خود ہی مالک نے دیدیا اور یہی مقصود ہے کہ فقراء کو مال مل جائے، اس لیے فرمایا کہ پانچ وسقوں سے کم عریہ میں عشر نہیں کیونکہ مالک خود ہی دے دیتا ہے۔

جواب (۴): اگر اس کو بھی قطع نظر کرلیں تو یہ حدیث خبرِ واحد ہے اور یہ کتاب اللہ کے معارض ہے اور قاعدہ ہے کہ جب خبر واحد یہ کتاب اللہ کے معارض ہو تو وہ قابل استدلال نہیں ہوتی۔

شوافع کی طرف سے جواب:

کوئی معارض نہیں ہے کتاب اللہ میں اجمال ہے اور حدیث وسق اس کا بیان ہے اور مبین، مبین کے معارض نہیں ہوتا۔

جواب الجواب: یہ بیان کے قبیل سے نہیں بلکہ معارض کے قبیل سے ہے کیونکہ بیان میں ضروری ہوتا ہے مبین مبین کے مماثل ہو اور یہاں مبین وہ چیزیں ہیں جو داخل الوسق ہیں جبکہ مبین ان چیزوں کو بھی شامل ہے جو تحت الوسق ہیں اور ان چیزوں کو بھی شامل ہے جو تحت الوسق نہیں۔

جواب (۵): اگر اس سے بھی قطع کرلیں تو پھر ہم یہ کہیں گے حدیث الوسق خاص ہے اس میں مقدار کی تعیین ہے لیکن آیت کریمہ اور حدیث "فیما سقت السماء" عام ہیں اور قاعدہ ہے کہ جب عام وخاص کا تعارض ہو تو وہاں تین صورتیں ہوتی ہیں۔

(۱) عام زماناً مقدم ہو اور خاص مؤخر ہو زماناً اس صورت میں عام میں تخصیص ہو جاتی ہے اور وہ عام مخصوص منہ البعض بن جاتا ہے۔ مثلاً مولیٰ اپنے غلام سے کہتا ہے "لاتعطِ شیئًا لاحدٍ" یہ عام ہے پھر کہے "اعطِ زیدًا درهمًا" یہ خاص ہے عام مقدم اور خاص مؤخر۔ لہٰذا یہ مخصوص منہ البعض ہوگا۔

(۲) خاص زماناً مقدم ہو اور عام مؤخر ہو، مثلاً یہ کہا "اعطِ زیدًا درهمًا" پھر کہا "لاتعطِ شیئًا لاحدٍ" اب یہ عام خاص کے لیے ناسخ بن جائے گا اور یہ تب ہے جب تقدم وتاخر کا زمانہ معلوم ہو۔

(۳) تقدم وتاخر کا زمانہ معلوم نہ ہو، اس تیسری صورت میں احتیاط اس میں ہوتی ہے کہ عام کو مؤخر اور خاص کو مقدم مانا جائے اور یہاں پر آیت عام ہے اور حدیث الوسق خاص ہے اور تقدم وتاخر معلوم نہیں، لہٰذا آیت قرآنیہ کو ناسخ مانیں گے اور حدیث الوسق کو منسوخ۔

جواب (٦): پانچ یا پانچ سے زائد وسقوں میں عشر کا وجوب اجماعی ہے اور پانچ وسقوں سے کم میں اختلاف ہے اور نصوص دونوں قسم کی ہیں۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عشر واجب ہو، اس لیے کہ اگر عشر واجب نہ ہوا اور ادا کیا جائے تو کوئی نقصان نہیں لیکن اگر عشر واجب ہوا اور ادا نہ کیا جائے تو نقصان ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ لَيْسَ فِي الخَيْلِ وَالرَّقِيقِ صَدَقَةٌ گھوڑوں اور غلاموں پر زکوٰۃ نہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى المُسْلِمِ فِي فَرَسِهِ وَلَا فِي عَبْدِهِ صَدَقَةٌ

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے مسلمان پر اس کے گھوڑے اور غلام میں زکوٰۃ۔

تشریح گھوڑوں میں زکوٰۃ کا حکم

گھوڑوں میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اس کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھیں کہ گھوڑے تین قسم پر ہیں۔

(۱) خیل للتجارہ (۲) خیل للرکوب (۳) خیل للتوالد والتناسل۔ قسم اوّل میں اتفاق ہے کہ زکوٰۃ واجب ہوگی مالیت کے اعتبار سے اور قسم ثانی میں بالاجماع زکوٰۃ واجب نہیں۔ البتہ قسم ثالث میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: احناف کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ وہ سائمہ ہوں، سال کا اکثر حصہ چل پھر کر گزارا کرتے ہوں اور ملے جلے ہوں، اگر صرف نر ہوں تو راجح قول کے مطابق زکوٰۃ واجب نہیں اور صرف مادہ ہوں تو راجح قول کے مطابق زکوٰۃ واجب ہے۔

زکوٰۃ کا وجوب: فی گھوڑا ایک دینار یا دس دراہم کے اعتبار سے زکوٰۃ ہوگی۔

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں۔

احناف کی دلیل اوّل:

مشکوٰۃ شریف اور مسلم شریف میں مذکور ہے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ "ثم لم ینس حق اللہ فی ظهورها ولا رقابها" اس میں حق متعلق "بظهورها" سے مراد سواری عاریت کے لیے دینا اور حق متعلق بالرکاب بند ہے زکوٰۃ میں۔

دلیل ثانی: اثر عمر بن خطاب، یعلیٰ بن اُمیہ نے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا "خذ من کل فرس دینارا او عشرة دراهم، او کما قال" مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے۔

دلیل ثالث: عمل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر گھوڑے کی زکوٰۃ ایک دینار یا دس دراہم وصول کیے مصنف عبدالرزاق۔

آئمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: "لقد عفوت عن الخيل" کتاب الزکوٰۃ کے شروع میں مذکور ہے۔

دلیل ثانی: حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ "ليس على المسلم في فرسه ولا عبده صدقة"

جواب: ولا عبدہ میں تو اجماع ہے، اس بات پر کہ عبد سے مراد عبد للخدمت ہے اس قرینہ کی وجہ سے فرس سے بھی فرس للرکب مراد ہے۔

قرینہ (۲): قسم اوّل تو بالاتفاق مخصوص منہ البعض ہے تو ہم کو حق ہے اس بات کا کہ خیل للتوالد والتناسل کو بھی خاص کرلیں۔

دلیل ثالث: حدیث حارثہ رضی اللہ عنہ "الذی اخرجه الطحاوی" فرماتے ہیں کہ اہل شام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ہم سے گھوڑوں کی زکوٰۃ وصول کرلیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کام کو میرے دو ساتھیوں نے نہیں کیا میں وہ کیسے کرسکتا ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گھوڑوں کی زکوٰۃ وصول نہیں کی، اس وجہ سے زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

جواب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ میرے دو ساتھیوں نے گھوڑوں کی زکوٰۃ بیت المال کے لیے نہیں وصول کی بلکہ مالکوں کو حکم دیا کہ خود ہی مساکین وفقراء میں تقسیم کردیں اور اہل شام اس لیے حاضر ہوئے کہ آپ رضی اللہ عنہ بیت المال کے لیے وصول کریں، آپ رضی اللہ عنہ نے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، پھر مشورے میں طے ہوا کہ اب مسلمانوں کی منفعت اس میں ہے کہ گھوڑوں کی زکوٰۃ بیت المال کیلئے وصول کی جائے۔ چنانچہ حضرت عمر اور حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم کی خلافت میں اسی پر عمل رہا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الْعَسَلِ شہد کی زکوٰۃ

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَسَلِ فِي كُلِّ عَشَرَةِ أَزْقٍ زِقٌّ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہد میں ہر دس مشکوں میں ایک مشک ہے۔

تشریح: مسئلہ اختلافی: شہد میں عشر ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف وحنابلہ اور اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ شہد میں عشر واجب ہے بشرطیکہ عشری زمین سے حاصل ہو۔

قول ثانی: شوافع کا قول جدید اور مالکیہ کا قول یہ ہے کہ شہد میں عشر واجب نہیں۔

احناف کی دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر دس مشکیزوں میں ایک مشکیزہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ شہد میں عشر ہے، زق، چمڑے کا چھوٹا مشکیزہ چھوٹے مشکیزوں میں اہل عرب شہد رکھتے تھے۔

سوال: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو ضعیف السند قرار دیا ہے، فی اسنادہ مقال الخ
جواب: اگرچہ ضعیف ہے لیکن دیگر احادیث صحیحہ سے مؤید ہے۔ نیز اکثر اہل علم کے تعامل سے بھی مؤید ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ فرما رہے ہیں۔ "والعمل عند اکثر اھل العلم" اس کے ساتھ تلقی بالقبول حاصل ہوئی تو سندی ضعف کا تدارک ہوگیا۔
نیز حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما اگرچہ ضعیف ہے لیکن کثرت طرق کی وجہ سے حسن کے درجے میں ہے۔ نیز کوئی دوسری حدیث صحیح اس کے معارض نہیں اور جب حدیث ضعیف کا معارض حدیث صحیح نہ ہو تو قابل استدلال ہوتی ہے۔
دلیل ثانی: حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حدیث ابوسیارۃ المتعی، حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص، وفی الباب کے تحت حوالہ دیا، ان تینوں حدیثوں کا قدرِ مشترک یہ ہے کہ شہد میں عشر ہے، حدیث ابوسیارۃ المتعی کی ابن ماجہ نے تخریج کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اَدِّ العُشر" یہاں امر کا صیغہ ہے اور ایک اور حدیث بھی ہے "اَدّوا زکوٰۃ اموالکم" اس کے تحت عسل بھی داخل ہے، اس سے بھی تائید ہے "ومما اخرجنا لکم من الارض" میں بھی داخل ہے، اگرچہ بالواسطہ ہے، "فخرج من الارض" پھل، پھول ہیں، مکھیاں ان کو چوستی ہیں، ان سے شہد پیدا ہوتا ہے، ان تمام نصوص سے تائید حاصل ہے۔
شوافع حضرات اس کو ریشم پر قیاس کیا اور فرمایا کہ جس طرح وہ متولد من الحیوان ہے اس طرح شہد بھی متولد من الحیوان ہے چونکہ ریشم میں زکوٰۃ وعشر نہیں تو اس میں بھی زکوٰۃ وعشر نہیں۔
جواب (۱): یہ قیاس نصوص کے مقابلے میں ہے لہٰذا یہ معتبر نہیں۔
جواب (۲): قیاس قیاس مع الفارق ہے، ریشم کے کیڑے پتے کھاتے ہیں اور پتوں میں عشر نہیں ہے اور یہ مکھیاں تو پھل چوستی ہیں، ان میں عشر ہے لہٰذا یہ قیاس مع الفارق ہے۔ البتہ احناف کا آپس میں اختلاف ہے کہ نصاب متعین ہے یا نہیں۔ امام صاحب رحمہ اللہ کے ہاں نصاب متعین نہیں ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں دس مشکیزے ہوں۔
دلیل: روایت الباب ہے۔
جواب: مقدار واجب کا بیان ہے نصاب کا بیان نہیں کہ اگر دس مشکیزے ہوں تو ایک مشکیزہ واجب ہے یعنی حدیث میں حساب کا بیان ہے نصاب کا بیان نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا زَكَاةَ عَلَى الْمَالِ الْمُسْتَفَادِ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ

مالِ مستفاد میں جب تک سال نہ گزرے زکوٰۃ نہیں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَكَاةَ عَلَيْهِ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ عِنْدَ رَبِّهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مال

مستفاد پایا تو اس پر زکوٰۃ نہیں جب تک سال نہ گزرے۔

تشریح پہلی بات: تعریف مال مستفاد: نصاب کے بقدر مال موجود ہونے کے بعد سال کے درمیان میں جو مال حاصل ہو جائے اس کو مال مستفاد کہتے ہیں۔ مثلاً شوال میں کسی کے پاس مال مقدارِ نصاب موجود ہے پھر درمیان سال میں کچھ مال حاصل ہوا، یہ مال مستفاد ہے یہ اصطلاحی معنی ہے۔

دوسری بات، مسئلہ اختلافی: مال مستفاد میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے مستقلاً حولانِ حول ضروری ہے یا نہیں ہے یا اس کا ضم کرلیا جائے گا، پہلے مال کے ساتھ، اس میں تفصیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مال مستفاد کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) مال مستفاد وہ نہ تو مالِ سابق کی جنس سے ہو اور نہ ہی اس کا ثمرہ اور نفع ہو۔ مثلاً شوال میں کسی کے پاس پانچ اونٹ تھے، سال کے درمیان بکریاں مل گئیں، اب بکریاں نہ تو سابق مال کی جنس سے ہیں اور نہ ہی اس کا ثمرہ اور نفع ہیں۔

(۲) وہ مال مستفاد جو مال سابق کی جنس سے ہو اور اس کی نماء اور ثمرہ ہو، مثلاً ابتداءً مال میں تیس گائیں تھیں، دورانِ سال تیسوں نے تیس بچے دے دیئے۔

(۳) مال مستفاد مال سابق کی جنس تو ہو لیکن اس کی نماء نہ ہو، مثلاً کسی کے پاس ابتداء سال میں دوسو دراہم تھے، سال کے درمیان میں کسی نے دوسو دراہم ہبہ کر دیئے، اب یہ جنس تو ہیں لیکن اس کی نماء نہ ہو۔

"اذا کان الامر کذلک" اب ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر قسم اوّل ہے تو بالاجماع اس مال مستفاد پر مستقلاً حولانِ حول ضروری ہے ضم نہ ہوگا اور اگر قسم ثانی ہے تو بالاجماع اس کا مال سابق کے ساتھ ضم ہوگا اور اگر قسم ثالث ہے تو اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: احناف فرماتے ہیں کہ اس کا بھی مال سابق کے ساتھ ضم ہوگا الگ حولانِ حول کے ساتھ اس نئے مال مستفاد کا اعتبار نہیں ہوگا۔

قول ثانی: دیگر آئمہ فرماتے ہیں کہ قسم ثالث کا بھی قسم اوّل کی طرح حولانِ حول ضروری ہے۔

دلیل: حدیث الباب ہے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم من استفاد مالاً فلا زکوۃ علیہ حتی یحول علیہ الحول"

جواب (۱): اس حولانِ حول میں تعمیم ہے اصالتاً ہو یا تبعاً، جب مال سابق کے ساتھ ضم ہوگا تو مال سابق میں حولانِ حول اصالتاً مال مستفاد میں تبعاً ہوگا، جیسا کہ قسم ثانی اس میں مال سابق پر حولانِ حول میں تعمیم ہے، اصالتاً اور مال مستفاد پر حولانِ حول تبعاً ہے۔

جواب (۲): اس حدیث کا مصداق قسم اوّل ہے، قسم ثالث نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ قسم ثانی تو بالاجماع اس سے خارج ہے لہٰذا ہم قسم ثالث کو بھی خارج کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ قسم ثانی اور قسم ثالث کا آپس میں مجالست کے اعتبار سے اشتراک ہے اگر فرق پڑتا تو نماء اور عدم نماء کے اعتبار سے پڑتا۔

جواب (۳): من استفاد مالاً میں استفاد کا لغوی معنی مراد ہے۔ اب مطلب یہ ہے کہ ابتداء سال میں کسی کو نصاب کے

بقدر مال حاصل ہوا تو زکوٰۃ تب واجب ہوگی جب حولانِ حول ہو جائے۔

جواب (۴): امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث سنداً ضعیف ہے اور دو طریق سے مروی ہے، پہلی سند بطریق عبدالرحمن بن زید بن اسلم (۲) بطریق عبدالوہاب ثقفی، اگرچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے طریق ثانی کو اصح قرار دیا ہے لیکن یہ طریق اوّل کے اعتبار سے ہے نہ کہ نفس الامر میں اس طرح ہے۔ امام احمد علی بن مدینی نے زید بن اسلم والے کو ضعیف قرار دیا اور دوسرے طریق میں عبدالوہاب ثقفی ضعیف ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ جِزْيَةٌ　مسلمانوں پر جزیہ نہیں

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصْلُحُ قِبْلَتَانِ فِي أَرْضٍ وَاحِدَةٍ وَلَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ جِزْيَةٌ۔

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں لائق ہے دو قبیلے والوں کا رہنا ایک زمین میں یعنی اہل کتاب اور مسلمانوں کا دونوں کا رہنا جزیرۂ عرب میں لائق نہیں اور نہیں مسلمانوں پر جزیہ۔

تشریح جزیہ کے احکام کتاب الزکوٰۃ میں ذکر کیے، اس لیے کہ جس طرح زکوٰۃ حق مالی ہے اسی طرح جزیہ بھی حق مالی ہے اس کی ابتداء سب سے پہلے امام مالک رحمہ اللہ نے کی۔ مؤطا امام مالک میں کتاب الزکوٰۃ کے تحت جزیہ کے احکام بیان کیے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی شیخین کی اتباع کی اور باقی محدثین اس کو کتاب الجہاد میں ذکر کرتے ہیں۔

سوال: مسلمان پر جزیہ نہیں ہے یہ تو بدیہی چیز ہے بتلانے کی ضرورت کیا ہے؟

جواب: اس کی صورت یہ ہے کہ اہل ذمہ میں سے کوئی شخص سال کے دوران مسلمان ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ پہلے چھ ماہ کا جزیہ لیا جائے گا یا نہیں تو فرمایا کہ نہیں اس لیے کہ یہ مسلمان ہو گیا، اکثر فقہاء کا مذہب یہی ہے کہ اس سے جزیہ نہ لیا جائے گا اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے مزید مؤید کرنے کے لیے دوسری دلیل دی "انما العشور علی الیھود و النصاریٰ" یہاں عشور کا معنی جزیہ ہے۔ اب مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ پر جزیہ ہے جب وہ درمیان سال میں مسلمان ہو گیا، اب تو وہ نہ نصاریٰ میں سے ہے اور نہ ہی یہود میں سے رہا۔ لہٰذا اس پر جزیہ نہیں۔ باقی اس حدیث میں عشور کو جزیہ کا معنی کرنا صرف امام ترمذی رحمہ اللہ کی رائے ہے۔ محققین کہتے ہیں یہاں عشور کا معنی یہ ہے کہ جو کافر تجار سے عشر وصول کیا جائے اس کا مصداق وہ عشر ہے۔

"لا یصلح قبلتان فی ارض واحدۃ" یعنی دو قبلوں کا ہونا جائز نہیں۔

سوال: یہ تو شریعت کا اُصول ہے کہ اہل ذمہ دارالاسلام میں رہ سکتے ہیں، ان کا قبلہ اور ہوگا، مسلمانوں کا اور ایک ہی سرزمین میں دو قبلے پائے گئے؟

جواب(۱): مراد زمین سے جزیرۃ العرب ہے کہ اہل ذمہ سرزمین عرب میں نہیں ٹھہر سکتے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب"

جواب(۲): حدیث کا مدلول یہ ہے کہ بیشک اہل ذمہ رہیں گے لیکن غرباء اور مساکین بن کر ان کو اپنے شعائر کے اظہار کی اجازت نہ ہوگی۔ اب حدیث کا مدلول یہ ہے کہ ایک زمین میں دو قبلوں کے اظہار کی اجازت نہیں۔

جواب(۳): حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دارالحرب میں جو مسلمان ہیں ان کو چاہیے کہ دارالاسلام کی طرف ہجرت کریں، اگر ادھر رہیں گے تو ان کا قبلہ اور ہوگا اور وہاں کے کفار کا اور ہوگا، یہ ترغیب دینا ہے جو لوگ دارالحرب میں مشرف بہ اسلام ہو جائیں ان کو دارالاسلام میں آ جانا چاہیے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ گزشتہ مدت کا جزیہ وصول کیا جائیگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الْحُلِيِّ زیور کی زکوٰۃ

عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللهِ قَالَتْ خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ فَإِنَّكُنَّ أَكْثَرُ أَهْلِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت زینب سے روایت ہے جو بیوی ہے عبداللہ کی کہ خطبہ پڑھا ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور فرمایا اے گروہ عورتوں کے صدقہ دو اگرچہ ہو تمہارے زیوروں میں سے اس لیے کہ تم میں سے اکثر اہل جہنم ہیں قیامت کے دن۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ امْرَأَتَيْنِ أَتَتَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي أَيْدِيهِمَا سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ لَهُمَا أَتُؤَدِّيَانِ زَكَاتَهُ قَالَتَا لَا قَالَ فَقَالَ لَهُمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُحِبَّانِ أَنْ يُسَوِّرَكُمَا اللهُ بِسِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ قَالَتَا لَا قَالَ فَأَدِّيَا زَكَاتَهُ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ عمرو کے دادا سے کہ دو عورتیں آئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور ان کے ہاتھوں میں دو کنگن تھے سونے کے، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ادا کرتی ہو تم زکوٰۃ اس کی؟ تو کہا انہوں نے نہیں، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سے کیا چاہتی ہو تم کہ اللہ پہنائے تم کو دو کنگن دوزخ کی آگ کے، کہا انہوں نے نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ادا کرتی رہو زکوٰۃ اس کی۔

تشریح: اگر زیورات تجارت کی غرض سے ہوں تو ان میں بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر سونا چاندی کے استعمالی زیورات ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف فرماتے ہیں کہ ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔
قول ثانی: آئمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ ان میں زکوٰۃ واجب نہیں۔
احناف کی دلیل: حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کہ دو عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں، ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی زکوٰۃ ادا کی ہے تو کہا کہ "لا" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم پسند کرتی ہو کہ اللہ تم کو جہنم کی آگ کے کنگن پہنائیں تو انہوں نے کہا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "فاذیا" زکوٰۃ اب "فاذیا" امر کا صیغہ ہے جو کہ وجوب پر دال ہے۔
سوال: امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس لیے کہ اس کی سند میں دو راوی ہیں اور دونوں ضعیف ہیں (۱) مثنی بن الصباح (۲) ابن لہیعہ۔ یہ دونوں ضعیف ہیں بلکہ اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی بھی حدیث صحیح نہیں ہے یعنی "لا یصحّ فی ھذا عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم شیء" یہ نکرہ تحت النفی ہے کہ استعمالی زیورات کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی صحیح حدیث نہیں۔ "فکیف الاستدلال یاایھا الاحناف"
جواب (۱): یہ جو امام ترمذی رحمہ اللہ تضعیف کر رہے ہیں یہ ضعیف ہونے کے باوجود بھی احادیث صحیحہ سے مؤید ہے، وہ احادیث مندرجہ ذیل ہیں۔
(۱) حدیث اُم سلمہ رضی اللہ عنہا (۲) حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا "اخرجھما ابو داؤد" دونوں کا قدر مشترک یہ ہے کہ سونے چاندی کے زیورات استعمالی پر زکوٰۃ کا واجب ہونا ہے، حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں نے پازیب پہنی تھی تو میں نے کہا "اکنز ھوَ" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اگر یہ وجوب زکوٰۃ کی مقدار کو پہنچ رہا ہے تو پھر زکوٰۃ ادا کر، اگر زکوٰۃ ادا کر دی تو پکڑ نہیں اور اگر ادا نہ کی تو پھر پکڑ ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے چاندی کی انگوٹھیاں پہنی ہوئی تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیوں پہنی ہیں، کہا کہ آپ کو خوش کرنے کے لیے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زکوٰۃ بھی ادا کرتی ہو، فرمایا نہیں، مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "حسبک من النار" امام ابوداؤد نے ان دونوں حدیثوں پر سکوت اختیار فرمایا ہے اور امام ابوداؤد کا سکوت اختیار کرنا اس حدیث کے صالح للاستدلال ہونے کے لیے دلیل ہے۔
جواب (۲): ہم تسلیم کرتے ہیں کہ دونوں طریقوں کے اعتبار سے ضعیف ہے لیکن امام ابوداؤد نے اس حدیث کو "المتعلق بوجوب الزکوٰۃ فی الحلی" جس سند کے ساتھ نقل کیا ہے اُس میں یہ دونوں راوی نہیں ہیں اور پھر نقل کر کے امام ابوداؤد نے سکوت اختیار فرمایا ہے۔ ہمارا استدلال اس سند سے ہے اور باقی رہا امام ترمذی کا یہ اشکال کہ "لا یصح فی ھذا عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم شیئ"
جواب (۱): صاحب الترغیب والترہیب علامہ زکی الدین وہ ناقل الحدیث میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی کا یہ قول مؤوّل ہے یا پھر تسامح اور خطاء کے قبیل سے ہے اور تاویل یہ کہ ان کا مقصود یہ ہے کہ جو حدیثیں میں نے ذکر کی ہیں ان حدیثوں میں

سے کوئی حدیث صحیح نہیں اور اگر یہ مطلب ہے کہ ذخیرہ کتب حدیث میں سے کوئی حدیث صحیح نہیں، پھر یہ تسامح ہے اور خطاء ہے۔

جواب (۲): امام ترمذی رحمہ اللہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان میں سے کوئی حدیث بھی صحت اصطلاحی کے درجے کو نہیں پہنچتی، یہ مطلب نہیں کہ کوئی حدیث ثابت ہی نہیں اور درجہ صحت تک نہ پہنچنا یہ استدلال کے لیے کوئی مضر نہیں اور احتیاط کا مقتضی بھی یہ ہے کہ وجوب کا قول کیا جائے۔

آئمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

جواب (۱): احادیث مرفوعہ کے مقابلے میں آثار صحابہ حجت نہیں۔

جواب (۲): زیورات میں زکوٰۃ نہیں جبکہ سونے چاندی کے ماسوا دھاتوں سے بنے ہوں اور اس کے ہم بھی قائل ہیں۔

دلیل ثانی: ثیاب پر قیاس کرتے ہیں۔

جواب: یہ قیاس معارض نص ہے۔ باقی امام ترمذی رحمہ اللہ نے جو پہلی حدیث ذکر کی ہے یعنی "أمرأة زینب" اس حدیث کا زکوٰۃ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو صدقہ کی ترغیب دی ہے، اپنے خاوند سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھ کر آؤ کیا میں اپنے خاوند کو صدقہ دے سکتی ہوں تو خاوند نے کہا کہ خود پوچھ کر آؤ تو خود گئی تو دیکھا کہ دوسری انصاری عورتیں بھی گئی ہوئی تھیں، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو وکیل بنا کر مسئلہ پوچھنے کا کہا اور کہا کہ یہ نہ بتانا کون ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا نام بتلا دے تو کہا کہ زینب ہیں، فرمایا کون سی زینب تو فرمایا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے کہو تمہیں دوہرا اجر ملے گا اور خاوند کو نفلی صدقہ ہی دیا جا سکتا ہے۔ اس حدیث میں چونکہ اجمال ہے اس لیے یہ احناف کی دلیل نہیں بن سکتی۔ باقی اس کی سند میں ابو معاویہ نے عمرو بن الحارث کے بعد ابن اخیہ کو مستقل راوی بنایا ہے جبکہ یہ ابن اخی مستقل راوی نہیں بلکہ عمرو بن الحارث ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الخَضْرَاوَاتِ سبزی اور ترکاری کی زکوٰۃ

عَنْ مُعَاذٍ أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُهُ عَنِ الخَضْرَاوَاتِ وَهِيَ البُقُولُ فَقَالَ لَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ.

ترجمہ: حضرت معاذ سے روایت ہے کہ انہوں نے لکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پوچھا حال خضروات کا یعنی ساگ پات (ترکاریوں) کی زکوٰۃ کا سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں کچھ زکوٰۃ نہیں ہے۔

تشریح: مسئلہ اختلافی: سبزیوں میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

قول اوّل: امام صاحب فرماتے ہیں کہ سبزیوں میں بھی عشر واجب ہے۔

قول ثانی: جمہور کے نزدیک واجب نہیں۔

امام صاحب کی دلیل اوّل:

"نصوصِ عامہ، وأتوا حقہ یوم حصادہ" اور ظاہر ہے کہ کٹائی کے دن سبزیوں کا ادا کیا جاسکتا ہے باقی دانوں وغیرہ میں تو صفائی کے بعد دیا جاتا ہے اور سبزیوں پر تو یہ آیت بطریق اولیٰ صادق آرہی ہے۔

دلیل ثانی: "ممّا اخرجنا لکم من الارض" اور "فخرج" بلاواسطہ سبزیاں ہیں اور غلے وغیرہ تو مخرج بالواسطہ ہیں۔ لہٰذا سبزیاں بھی اس کے تحت داخل ہیں۔

دلیل ثالث: "فیما سقت السماء والعیون" اب ظاہر ہے کہ اس کا مصداق سبزیاں بھی ہیں اور ماسواء بھی ہیں۔

جمہور کی دلیل: حدیث معاذ رضی اللہ عنہ، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سبزیوں کے عشر کے متعلق سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لیس فیھا شیٔ"

جواب (۱): یہاں نفی مطلق عشر کی نہیں بلکہ اس عشر کی ہے جو بیت المال کو ادا کیا جائے اور سبزیاں سریع الفساد ہیں، بیت المال تک نہیں پہنچ سکتیں۔ ممکن ہے خراب ہوجائیں، اس لیے فرمایا کہ ان میں ایسا عشر نہیں جو بیت المال میں دیا جائے۔

جواب (۲): یہ حدیث سنداً ضعیف ہے، بعض حضرات مسنداً بیان کرتے ہیں اور بعض مرسلاً بیان کرتے ہیں، بہر تقدیر اس میں حسن نامی راوی حسن بن عمارہ ہیں اور وہ ضعیف ہیں، عند اہل الحدیث شعبہ نے بھی اس کی تضعیف کی ہے اور ابن مبارک نے بھی اس کو متروک قرار دیا ہے۔

جواب (۳): احناف تاویل یہ کرتے تھے کہ "لیس فیھا شیء الخ" کا مطلب یہ ہے کہ عامل کا حق نہیں کہ وہ ان سے زکوٰۃ لے بلکہ لوگ خود ادا کریں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّدَقَةِ فِيمَا يُسْقَى بِالأَنْهَارِ وَغَيْرِهَا نہری زمین کی کھیتی پر زکوٰۃ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالعُيُونُ العُشْرُ وَفِيمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ العُشْرِ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو پانی دے آسمان یعنی مینہ کے پانی سے پیدا ہو (یعنی بارانی زمین) یا پانی دیں نہریں۔ اس میں دسواں حصہ زکوٰۃ ہے اور جس میں پانی دیا جائے کھینچ کر یعنی اونٹ سے یا بیل سے تو اس میں بیسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔

عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سَنَّ فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا العُشْرَ وَفِيمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفَ العُشْرِ.

ترجمہ حضرت سالم سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ مقرر کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کہ پانی دے اسے آسمان یا نہریں یا وہ زمین عشری دسواں حصہ اور جس میں پانی دیا جائے کھینچ کر یا ڈول وغیرہ سے اس میں آدھا عشر یعنی بیسواں حصہ۔

تشریح وہ زمین جو نہروں اور بارشوں کے پانی سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جو زمین نضح کے پانی سے سیراب ہو اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے۔ معارف السنن میں یہاں شاہ صاحب کے حوالے سے ایک قاعدہ نقل کیا ہے کہ اسلام نے صدقے کی بنیاد اس پر رکھی ہے کہ جہاں مشقت زیادہ ہو وہاں صدقے کی مقدار کم رکھی ہے اور جہاں مشقت کم ہو وہاں صدقے کی مقدار زیادہ رکھی ہے۔ جیسا کہ آگے آئے گا کہ زمین میں دفینہ مل جائے تو اس میں خمس آئے گا کیونکہ اس میں مشقت نہیں ہوتی۔ اسی طرح وہ زمینیں جو آسمانی پانی یا چشمے وغیرہ سے سیراب کی جائیں تو اس میں مشقت کم ہے اس لیے اس میں عشر ہے لیکن آدمی خود پانی نکال کر سیراب کرتا ہو تو مشقت زیادہ ہے۔ اس لیے نصف عشر مقرر کیا۔ اسی طرح تجارت میں سو (۱۰۰) روپے میں اڑھائی روپے مقرر کیے۔ غرض اسلام نے جو صدقہ رکھا ہے اس کی بنیاد اس پر ہے کہ جہاں مشقت زیادہ ہو تو صدقہ کم ہوگا۔ اگر مشقت نہ ہو تو صدقہ زیادہ رکھا۔

"قولہ و کان عشریًا" عشری وہ زمین ہے جس میں پہلے سے نمی موجود ہو دریا کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اور کاشت کیلئے از سر نو پانی لگانے کی ضرورت نہیں یا دریا کے کنارے نہ ہو، پھر بھی اس کو پانی لگانے کی ضرورت نہ پڑے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ مَالِ الْيَتِيمِ مالِ یتیم کی زکوٰۃ کا بیان

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ أَلَا مَنْ وَلِيَ يَتِيمًا لَهُ مَالٌ فَلْيَتَّجِرْ فِيهِ وَلَا يَتْرُكْهُ حَتَّى تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ.

ترجمہ حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ عمرو کے دادا سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا آدمیوں پر سو فرمایا آگاہ ہو جو متولی ہو کسی یتیم کا کہ اس کا مال بھی ہو تو تجارت کرتا رہے یتیم کے مال میں اور یوں ہی چھوڑ نہ دے کہ کھالے اس کو زکوٰۃ یعنی زکوٰۃ دیتے دیتے کچھ باقی نہ رہے۔

تشریح یتیم سے مراد یہاں عرفی یتیم نہیں بلکہ مراد نابالغ ہے۔ حدیث میں چونکہ یتیم کا لفظ تھا اس لیے کہا یعنی عنوان میں یتیم کا لفظ لے آئے برکت حاصل کرنے کے لیے۔

مسئلہ اختلافی: یتیم کے مال سے زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

قولِ اوّل: احناف کہتے ہیں زکوٰۃ واجب نہیں۔ "وقالت طائفة من اهل العلم ليس في مال اليتيم زكوٰة"

قولِ ثانی: شوافع، مالکیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں زکوٰۃ واجب ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا "منهم عمر وعلي وعائشه وابن عمر وبه يقول مالك والشافعي واحمد واسحاق"

احناف کی دلیل اوّل:

"رُفع القلم عن الثلاث، عن النائم حتّی یستیقظ وعن الصّبی حتّی یحتلم وعن المجنون حتّی یفیق" یہ مکلف ہی نہیں، زکوٰۃ کیسے واجب ہوگی؟

دلیل ثانی: اثر ابن مسعود رضی اللہ عنہ، امام محمد نے کتاب الآثار میں نقل کیا ہے "لیس فی مال الیتیم زکوٰۃ" اگرچہ قول صحابی ہے لیکن غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے حکماً مرفوع ہے۔

دلیل ثالث: دیگر عبادات پر قیاس کا مقتضی یہی ہے کہ زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ جس طرح دیگر عبادات فرض نہیں، یہ بھی نہیں ہونی چاہیے۔

شوافع وحنابلہ کی دلیل:

حدیث عمرو بن شعیب "عن ابیہ عن جدّہ" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مال والے یتیم کا والی ہو تو وہ اس میں تجارت کرے، اس کو چھوڑے نہ یہاں تک کہ اس کو صدقہ ختم کردے۔ اس میں صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے۔

جواب (۱): یہاں صدقہ زکوٰۃ کے معنی میں نہیں بلکہ نفقہ کے معنی میں ہے اس پر قرینہ "حتّی تأکلہ" اس لیے کہ اگر ۱۰۰۰ ہزار دراہم میں زکوٰۃ ادا کرے، پھر جب دوسو رہ گئے، پھر زکوٰۃ ادا کی تو ایک سو پچانوے باقی رہ گئے۔ اس پر زکوٰۃ نہیں، پھر کیسے "حتّی تاکلہ الصّدقۃ" منطبق ہوگا اور اس پر "حتّی تأکلہ الصدقۃ" صادق ہی نہیں آتا۔ اگر نفقہ مراد لیں تو پھر اس پر صحیح منطبق ہوگا، اس لیے کہ خرچ کرتے کرتے ختم ہو جائے گا۔

جواب (۲): اگر اصرار کرتے ہو کہ زکوٰۃ ہی مراد ہے تو پھر محمد بن الصباح راوی کے موجود ہونے کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ باقی حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی تفصیل ماقبل میں، "باب ما جاء فی کراھیۃ البیع والشراء وانشاء الضّالۃ" میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ العَجمَاءَ جَرحُهَا جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ الخُمسُ

حیوان کے زخمی کرنے پر کوئی دیت نہیں، دفن شدہ خزانے پر پانچواں حصہ ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ العَجمَاءُ جَرحُهَا جُبَارٌ وَالمَعدِنُ جُبَارٌ وَالبِئرُ جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ الخُمسُ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانور کے مارنے کا بدلہ نہیں ہے اور کنواں کھودنے میں کوئی مر جائے تو اس کا بدلہ نہیں اور کافروں کے گڑھے خزانوں میں پانچواں حصہ ہے۔

تشریح عجماء کا لغوی معنی ہے بے زبان چوپائے کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی بے زبان ہوتا ہے۔

مسئلہ اختلافی: اگر چوپایا کسی کی جان یا مال کا نقصان کردے تو مضمون ہوگا یا نہیں؟ اس میں تفصیل ہے کہ چوپائے کے ساتھ سائق یا قائد یا راکب میں سے کوئی ہوگا یا نہیں، اگر کوئی ساتھ ہو پھر دابہ نقصان کردے تو دیکھیں گے اس کی غفلت کو دخل ہے یا نہیں، اگر دخل نہ ہو تو مضمون نہیں ورنہ مضمون ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی نہ ہو، اب اگر نقصان کیا تو اتلاف مضمون ہے یا نہیں؟

قولِ اوّل: احناف فرماتے ہیں کہ مطلق مضمون نہ ہوگا، عام ازیں لیلاً ہو یا نہاراً ہو۔

قولِ ثانی: شوافع فرماتے ہیں اگر دن میں ہو تو مضمون نہ ہوگا اور اگر رات میں ہو تو مضمون ہوگا۔

احناف کی دلیل: حدیث الباب "العجماء جرحها جبار الخ" اس کو جرح ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے لیکن فتحہ کے ساتھ اولیٰ ہے یعنی زخمی کردینا یہ تمثیل کے طور پر ہے ورنہ مراد یہ ہے کہ نقصان پہنچانا، یہ حدیث مطلق ہے دن رات کو شامل ہے۔

شوافع کی دلیل: حدیث براء بن عازب جس کو صاحب مشکوٰۃ نے ابوداؤد کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت براء کی اونٹنی دوسرے کے باغ میں گھس گئی اور نقصان کیا۔ مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو فرمایا کہ دن کے وقت باغوں کے مالکوں پر حفاظت لازم ہے تاوان نہ ہوگا اور رات کو جانوروں کے مالکوں پر حفاظت لازم ہے۔ لہٰذا اگر رات کو دابہ کھل جائے تو دابہ کے مالک کی غفلت کو دخل ہے۔

جواب (۱): یہ حدیث براء حدیث معلول ہے اور معلول حدیث سے استدلال بھی علیل ہوگا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تسلیم کیا ہے کہ اس میں ایسی علت ہے کہ یہ قابل استدلال نہیں۔

جواب (۲): احناف کا مستدل قاعدہ کلیہ ہے اور وہ تو ایک واقعہ جزئیہ ہے۔

"قولہ والبئر جبار" کنویں میں گرنے کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ارضِ مباحہ میں کنواں کھدوایا، کوئی مزدور مرگیا تو جانیہ پر دیت نہیں اور ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کان کھدوا رہا، اس میں گر کر کوئی مرجائے تو دم ہدر ہے۔

"قولہ وفی الرکاز الخمس" اس کا مطلب یہ ہے کہ رکاز میں چار حصے واجد کے ہیں اور پانچواں بیت المال کا ہے۔

"رکاز مالِ مستخرج من الارض" تین قسم پر ہے۔

(۱) کنز جس کو اولادِ آدم نے دفن کیا ہو، پھر یہ دو حال سے خالی نہیں اس پر علامت جاہلیت ہوگی یا علامت اسلام ہوگی، اگر اسلام کی علامت ہو تو یہ لقطہ سمجھا جائے گا، اور اگر علامت جاہلیت کی ہو تو پھر کنز کے احکام مرتب ہوں گے۔

(۲) معدن جس کو یعنی وہ مال مستخرج جس کو اللہ نے پیدا کیا ہو مدفون نہ ہو مخلوق ہو۔

(۳) رکاز اس کے مصداق میں اختلاف ہے۔

قولِ اوّل: احناف فرماتے ہیں کہ اس کا مصداق دونوں ہیں کنز بھی اور معدن بھی۔

قولِ ثانی: آئمہ ثلاثہ فرماتے ہیں اس کا مصداق صرف کنز ہے، پھر اس اختلاف کی وجہ سے معدن کے حکم میں اختلاف

ہوگیا۔ احناف کے ہاں معدن کا حکم بھی کنز والا ہوگا۔ آئمہ ثلاثہ کے ہاں چونکہ رکاز کے تحت صرف کنز داخل ہے اس لیے وہ کہتے ہیں کہ معدن میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ باقی پھر اس میں نصاب ضروری ہے یا نہیں؟ حولانِ حول ضروری ہے یا نہیں۔

احناف کی دلیل: حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ "الذی اخرجه امام محمد فی مؤطاه" فرمایا من الحدیث المعروف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "وفی الرّکاز الخمس، قیل ما الرّکاز" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "المال الذی خلقه الله تعالٰی یوم خلق السموات والارض" اور ظاہر ہے کہ یہ مخلوق من اللہ ہی ہے اس کو تو معدن کہتے ہیں، باقی امام محمدؒ نے اگرچہ سند کو ذکر نہیں کیا لیکن یہ فرمایا "من الحدیث المعروف" اور ان کی عادت یہ ہے کہ اسی حدیث کو ذکر کرتے ہیں جو معروف اور ثابت ہو۔

دلیل ثانی: حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، اس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنز کے بارے میں فرمایا "فمن وَجدفی کنزیہ غیر مسکونة فیرو فی الرّکاز الخمس" یہاں رکاز کا عطف ہے کنز پر، اگر رکاز کا مصداق صرف کنز کو کہیں تو تقابل صحیح نہ ہوگا لامحالہ کہنا پڑے گا کہ یہاں کنز کا مصداق معدن ہے تاکہ تقابل باقی رہے۔

دلیل ثالث: اثر عمر رضی اللہ عنہ تابعین سے منقول ہے "انه جعل المعادن بمنزلة الرّکاز" اس سے معلوم ہوا کہ رکاز معدن کو بھی شامل ہے، دار قطنی۔

دلیل رابع: اثر حضرت علی رضی اللہ عنہ "انه جعل المعدن رکازا واوجب فیه الخمس" اگرچہ یہ موقوفہ ہیں لیکن غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے حکماً مرفوع ہیں۔

دلیل خامس: اہل لغت کا قول بھی اسی کی تائید کرتا ہے اس لیے کہ رکاز فعال کے وزن پر ہے نصر سے ہے یعنی زمین میں گاڑا، مطلب یہ ہے کہ رکاز مرکوز کے معنی میں ہوگا، گاڑا ہوا، عام ازیں گاڑنے والے خالق ہوں یا مخلوق ہوں۔ چنانچہ صاحب قاموس نے یہی معنی کیا ہے۔ نیز ابن اسیر بھی فرماتے ہیں "والمعدن والرّکاز هما واحد" باقی یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جس کی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے امام اعظم رحمہ اللہ پر اعتراض کیے۔

شوافع کی دلیل: حدیث الباب، اس میں فرمایا "والمعدن جبار وفی الرّکاز الخمس"

وجہ اوّل: اس میں رکاز کا عطف ہے معدن پر اور یہ متغایر ہونا چاہیے ورنہ "عطف الشیء علی نفسه" لازم آئے گا۔

دوسری وجہ: استدلال کی یہ ہے کہ یہاں رکاز کو معدن کے مقابلے میں ذکر کیا ہے اور قاعدہ ہے متقابلین میں سے احد المتقابلین تقابل آخر کے تحت اندر نہیں ہوتا۔ نیز اگر معدن میں یہ بتلانا ہوتا کہ اس میں بھی خمس ہے تو پھر عبارت یوں ہوتی "المعدن جبار وفیه الخمس"

وجہ اوّل کا جواب: تغایر موجود ہے اس لیے کہ معطوف علیہ کی جانب معدن بمعنی ظرف گھڑنے کے ہے اور رکاز معطوف کی جانب معدن بمعنی مظروف کے سونا چاندی۔

وجہ ثانی کا جواب: بیشک ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تقابل ایک دوسرے کے تحت اندراج سے مانع ہوتا ہے لیکن جب کہ

ان کے تحت مذکور شدہ کا حکم ایک ہو اور جب حکم مختلف ہو تو اندراج صحیح ہوتا ہے، یہاں معطوف علیہ کی جانب دم کا معاف ہونا ہے اور معطوف کی جانب خمس کا حکم ہے وجوبی۔

وجہ ثالث کا جواب: اگر یوں فرماتے "والمعدن جبار وفیہ الخمس" اس سے غلطی پیدا ہوتی کہ شاید خمس کا واجب ہونا معدن کے ساتھ ہے حالانکہ خمس کنز میں ضروری ہے اس لیے ایسا لفظ ذکر کیا جو عام ہو۔

معدن میں زکوٰۃ کی دلیل: حدیث ربیعہ بن عبدالرحمن کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال بن حارث مزنی کو معادنی قبیلہ کی کانیں بطور جاگیر عطاء فرمائیں اور آگے راوی کہتے ہیں "فتلک المعادن لاتوخذ منہا إلا الزکوٰۃ الی الیوم"

جواب: یہاں زکوٰۃ بمعنی خمس کے ہے۔

سوال: کیا فصحاء کی کلام میں زکوٰۃ پر خمس کا اطلاق ہوتا ہے؟

جواب (۱): موطا امام مالک میں باب زکوٰۃ الرکاز میں رکاز سے مراد کنز ہے اور کنز میں خمس واجب ہوتا ہے اس کو تعبیر کردیا زکوٰۃ سے۔

جواب (۲): "فتلک المعادن الخ" یہ مدرج من الراوی ہے، حدیث مرفوع نہیں۔

جواب (۳): معادن قبیلہ سے زکوٰۃ وصول کرنا بعد والے حکام کا اپنا اجتہاد ہے حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکوٰۃ وصول کی ہو اور قیاس کا مقتضی بھی یہ ہے کہ معدن میں خمس ہونا چاہیے اس لیے کہ یہ زمین اصل میں کفار سے حاصل کی اور کفار سے حاصل کیے ہوئے مال میں خمس ہوتا ہے۔ "واعلموا انما غنمتم من شيءٍ فان للہ خمسهٗ الخ"

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخَرْصِ غلے وغیرہ میں اندازہ کرنا

أَخْبَرَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ مَسْعُودِ بْنِ نِيَارٍ يَقُولُ جَاءَ سَهْلُ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ إِلَى مَجْلِسِنَا فَحَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ إِذَا خَرَصْتُمْ فَخُذُوا وَدَعُوا الثُّلُثَ فَإِنْ لَمْ تَدَعُوا الثُّلُثَ فَدَعُوا الرُّبُعَ.

ترجمہ حضرت خبیب بن عبداللہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے عبدالرحمن بن مسعود کو کہتے تھے آئے سہل بن ابی حثمہ ہماری مجلس میں سو بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب کاٹو تم پھلوں اور میووں کو تو لو یعنی عشر وغیرہ جو حق زکوٰۃ ہے اور چھوڑ دو ثلث حصہ یعنی ثلث حصہ کی عشر وغیرہ نہ لو پھر اگر ثلث (تیسرا حصہ) نہ چھوڑو تو چوتھائی چھوڑ دو یعنی کہ مسافر محتاج آنے جانے والا کھائے۔

عَنْ عَتَّابِ بْنِ أَسِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبْعَثُ عَلَى النَّاسِ مَنْ يَخْرُصُ عَلَيْهِمْ كُرُومَهُمْ وَثِمَارَهُمْ وَبِهَذَا الإِسْنَادِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي زَكَاةِ الْكُرُومِ إِنَّهَا

تُخْرَصُ كَمَا يُخْرَصُ النَّخْلُ ثُمَّ تُؤَدِّي زَكَاتُهُ زَبِيبًا كَمَا تُؤَدِّي زَكَاةُ النَّخْلِ تَمْرًا.

ترجمہ حضرت عتاب بن اسید سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھیجتے تھے کسی کو کہ اندازہ کر آئے اور کوت (اندازہ) آئے لوگوں کے انگوروں کو اور پھلوں کو اور اسی اسناد سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انگوروں کی زکوٰۃ کے بیان میں کہ وہ بھی کوتا جائے جیسا کوتا (اندازہ کیا) جاتا ہے کھجور۔ پھر زکوٰۃ میں دیا جائے انگور خشک جیسا زکوٰۃ میں تر کھجور کی جگہ دی جاتی ہے سوکھی کھجور۔

تشریح ......پہلی بات: خرص کا لغوی معنی ہے اندازہ کرنا اور کتاب الزکوٰۃ کی اصطلاح میں خرص یہ ہے کہ حکومت کسی آدمی کو بھیج کر فصل تیار ہونے سے قبل زرع اور ثمر کا اندازہ لگوالے تا کہ عشر کی آمدن کا اندازہ ہو جائے اور چھپانے کا بھی سدباب ہو جائے۔ اس پر تو اجماع ہے کہ رب الارض اور مزارع کے درمیان خرص جائز نہیں اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ رب البساتین اور مساقین کے درمیان خرص جائز نہیں اس لیے کہ عقد مساقاۃ ہو یا عقد مزارع اس میں پیداوار مشترک ہوتی ہے اور اموال مشترکہ کی جو تقسیم ہے وہ عقود معاوضہ کے قبیل سے ہے اور عقود معاوضہ میں جس طرح عین ربوا ممنوع ہے اسی طرح احتمال ربوا بھی ممنوع ہے اور اس پر اجماع ہے کہ بیت المال اور مالک کے درمیان خرص جائز ہے، بیت المال اور مالک کے درمیان خرص کے جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب باغات میں پھل پکنے کے قریب ہوں تو حکومت معتمد علیہ آدمی کو جو بصیرت رکھتا ہو ایسے آدمی کو بھیجے تا کہ وہ اندازہ لگالے اور ارباب بساتین کو کہے کہ اندازہ لگالیا ہے اس کے مطابق عشر وصول کیا جائے گا، یہ بھی اجماعی مسئلہ ہے، اگرچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے احناف کا نام نہیں لیا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ احناف بالکل جواز کے قائل ہی نہیں ہیں۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ خرص حجت ملزمہ ہے یا نہیں؟

قول اول: احناف کے ہاں حجت ملزمہ نہیں ہے، بعد میں اگر اختلاف ہو گیا، مالک اور خارص کے درمیان کہ مالک کہتا ہے تیس من ہے اور خارص کہتا ہے چالیس من کا اندازہ لگایا تھا تو اب "ضابطہ البینة علی المدعی و الیمین علی من انکر" اور مالک کا قول بھی معتبر ہوگا اور اکثر شوافع کا مذہب یہ ہے کہ یہ حجت ملزمہ ہے۔ یعنی خارص کے اندازے کے مطابق عشر ہوگا اور مالک کا قول معتبر نہ ہوگا۔

سوال: احناف پر ہے کہ جب یہ حجت ملزمہ نہیں ہے تو پھر اس کا فائدہ کیا ہوگا؟

جواب: اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ مالک خرچ کرنے میں اور محتاط ہو جائے گا تصرف زائد بھی نہ کرے گا اور خیانت بھی نہ کرے گا۔

شوافع کی دلیل: حدیث الباب ان احادیث سے خرص معلوم ہوتا ہے۔

جواب (۱): ان احادیث سے خرص کا جواز معلوم ہوتا ہے حجت ملزمہ ہونا معلوم نہیں ہوتا، اس تفصیل کے مطابق احادیث خرص کے معارض کی تطبیق ہو جاتی ہے، نہی والی حدیث، پہلی دونوں صورتوں پر محمول ہیں اباحت تیسری صورت پر محمول ہے۔

جواب (۲): احادیث نہی میں نہی حجت ملزمہ ہونے کے درجے میں ہے مطلق خرص مراد نہیں۔ "اذا خرصتم فخذوا و دعوا الثلث"

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ خرص تحقیقی بات تو نہیں اندازہ ہے لہٰذا کل پیداوار کا ایک ثلث یا ایک ربع چھوڑ کر باقی کا اندازہ لگایا تا کہ مالکوں کا نقصان نہ ہو۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب اندازہ لگانے کے بعد عشر کے وصول کرنے کا وقت آئے تو پھر وصولی کے وقت ایک ثلث مالکوں کے پاس رہنے دو، اگر اس پر طبیعت آمادہ نہ ہو، پھر کم از کم ربع چھوڑ دو تا کہ وہ خود بھی فقراء کو دے سکے ورنہ ان کو اپنے پاس سے دو۔

تیسرا مطلب: مالکیہ کہتے ہیں کہ نفقہ کی جو معونت ہے وہ نکالنے کے بعد اندازہ لگاؤ اور عموی طور پر اخراجات ثلث یا ربع ہوتے ہیں لیکن یہ صورت مالکیہ کے مذہب کے مطابق ہے۔

سوال: دوسری حدیث میں انگوروں پر کرم کا اطلاق کرنے سے منع کیا ہے اور یہاں پر ہے؟

جواب: وہ نہی تنزیہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي العَامِلِ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالحَقِّ انصاف کیساتھ زکوٰۃ لینے والے عامل کے متعلق

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ العَامِلُ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالحَقِّ كَالغَازِي فِي سَبِيلِ اللهِ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى بَيْتِهِ.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے زکوٰۃ کا لینے والا انصاف سے یعنی جو زیادتی نہ کرے اور زکوٰۃ میں عمدہ مال چھانٹ کر نہ لے تو وہ ایسا ہے جیسے لڑنے والا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جب تک نہ لوٹے اپنے گھر۔

تشریح: مسئلہ: "عامل علی الصدقة بالحق" کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی حکومت کی طرف سے صدقے پر عامل مقرر ہوا۔ اب اس کی چند صورتیں ہیں۔ (۱) وہ مال والوں کو تنگ کرتا ہے اور حکومت کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

(۲) حکومت کا نقصان کرتا ہے اور اصحاب المال کو فائدہ پہنچاتا ہے کہ حق کم لیتا ہے۔

(۳) نہ حکومت کا نقصان کرتا ہے اور نہ اصحاب اموال کا بلکہ جو حق بنتا ہے وہی لیتا ہے۔ اب اصحاب الاموال کو تنگ کرنے والا معتدی ہے اور حکومت کو نقصان پہنچانے والا بھی معتدی ہے، یہ دونوں صورتیں اعتداء کی ہیں۔

(۴) اصحاب الاموال سے کم حق وصول کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے بھی کچھ دو۔

(۵) یہ صورت سد الذرائع منع کی گئی ہے۔ مثلاً ایک آدمی نہ اصحاب الاموال کا نقصان کرتا ہے نہ حکومت کا۔ لیکن لوگ اس کو الگ ہدیہ دے دیتے ہیں۔ اگر چہ اس نے اور لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچایا مگر پھر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو منع کر دیا سد الذرائع کیونکہ یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس نے بطور رشوت لیا ہے یا اس کو بغیر رشوت کے کسی نے ہدیہ دیا ہے اس لیے آپ نے منع فرمایا جس طرح دوسری روایت میں ہے کہ عامل آیا اور کہا کہ یہ مال تمہارا ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔ آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا ”ھلا جلس فی بیت ابیہ و امہ فیری أیھدیٰ الیہ ام لا“
صحیح صورت تیسری ہے کہ جتنا مال حق والوں پر بنتا ہے وہی لے اور اپنے لیے کچھ نہ لے، ایسے عامل کو اتنا ثواب ملے گا جتنا غازی فی سبیل اللہ کو ملتا ہے کیونکہ غازی کا عمل سبب ہوتا ہے۔
اعلاء کلمۃ اللہ کا اور یہ آدمی بھی صدقہ جمع کرتا ہے۔ اس سے بیت المال مضبوط ہوتا ہے، فقراء کو اس میں سے ملے گا، جہاد کی تیاری ہوگی تو اس کا فعل بھی اعلاء کلمۃ اللہ کا سبب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُعْتَدِي فِي الصَّدَقَةِ زکوٰۃ لینے میں زیادتی کرنے والے سے متعلق

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُعْتَدِي فِي الصَّدَقَةِ كَمَانِعِهَا.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیادتی کرنے والا زکوٰۃ (لینے) میں ایسا ہے جیسا زکوٰۃ نہ دینے والا۔

تشریح صدقہ میں اعتداء کرنا ایسے ہے جیسے زکوٰۃ نہ دینے والا، اعتداء فی الصدقہ (۲) مقدار واجب سے زائد وصول کرنا (۳) خیانت کرنا (۴) بڑھیا جانور لینا۔ یہ چیزیں سبب بن جاتی ہیں، ارباب اموال کو زکوٰۃ نہ دینے کا اس کا گناہ وہی ہے جو منع زکوٰۃ کا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رِضَا الْمُصَدِّقِ زکوٰۃ لینے والے کو راضی کرنا

عَنْ جَرِيرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَاكُمُ الْمُصَدِّقُ فَلَا يُفَارِقَنَّكُمْ إِلَّا عَنْ رِضًا.

ترجمہ حضرت جریر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آئے تمہارے پاس زکوٰۃ (لینے) والا تو اس کو جدا نہ کرو اپنے سے جب تک وہ تم سے خوش دل نہ ہو۔

تشریح جو معاملہ جانبین سے ہو وہاں جانبین کو ہدایت دی جاتی ہے تاکہ معاملات میں اعتدال رہے۔ اس لیے پہلے عامل کو حکم کیا مقدارِ واجب سے زائد زکوٰۃ وصول نہ کرے اور نہ عمدہ مال زکوٰۃ میں لے، اب ارباب اموال کو حکم ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے کو راضی رکھا جائے جس طرح دوسری حدیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا، اگرچہ وہ ہم پر ظلم کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں اگرچہ وہ تم پر ظلم کریں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ عامل ظلم کرلے، پھر بھی زکوٰۃ دو۔

بیہقی وغیرہ نے حدیث ذکر کی ہے کہ جس میں ہے اگر عامل ظلم کرے تو اس کو زکوٰۃ نہ دو۔ اسی وجہ سے بیہقی اور نووی فرماتے ہیں کہ اگر وہ ظلم کرے اور حق زیادہ مانگے تو اس کو نہ دے۔ جمہور احناف کا بھی یہی مسلک ہے کہ شریعت کے دائرے کے اندر اگر ہو تو اس کو خوش رکھے۔ لیکن اگر وہ بہت زیادہ تجاوز کرتا ہے تو اس کو خوش کرنا ضروری نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الصَّدَقَةَ تُؤْخَذُ مِنَ الأَغْنِيَاءِ فَتُرَدُّ فِي الفُقَرَاءِ

زکوٰۃ لی جائے امیروں سے اور دی جائے فقیروں کو

عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَدِمَ عَلَيْنَا مُصَدِّقُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ الصَّدَقَةَ مِنْ أَغْنِيَائِنَا فَجَعَلَهَا فِي فُقَرَائِنَا وَكُنْتُ غُلَامًا يَتِيمًا فَأَعْطَانِي مِنْهَا قَلُوصًا.

ترجمہ حضرت عون بن ابی جحیفہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا ان کے باپ نے کہ آیا ہمارے پاس زکوٰۃ لینے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سو تحصیلا زکوٰۃ کو ہمارے امیروں سے اور دیا ہمارے فقیروں کو اور میں ایک یتیم لڑکا تھا سو مجھ کو بھی ایک اونٹنی دی اس میں سے۔

تشریح......مسئلہ اختلافی: ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر والے فقراء کو دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے ہاں اگر ضرورت ہو تو بلا کراہت نقل زکوٰۃ جائز ہے اور اگر ضرورت نہ ہو تو پھر کراہت ہے۔

قول ثانی: شوافع و مالکیہ کہتے ہیں بلا ضرورت سرے سے جائز ہی نہیں۔

احناف کی دلیل اوّل:

"انما الصدقات للفقر آء" یہاں فقراء میں تعمیم ہے اپنے شہر کے ہوں یا دوسرے شہر کے ہوں۔

دلیل ثانی: احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ میں دور دور سے اموال زکوٰۃ لائے جاتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع نہیں فرمایا۔

شوافع کی دلیل اوّل:

حدیث الباب ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عامل نے ہم سے زکوٰۃ وصول کی، پھر ہمارے فقراء کو دے دی، آگے ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ میں یتیم تھا، ایک اونٹنی مجھ کو بھی دی۔

جواب (۱): یہ محمول ہے اولویت پر۔

جواب (۲): وہاں فقراء زیادہ ضعیف ہوں گے اس لیے عامل نے یوں کیا۔

دلیل ثانی: حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں خراسان شہر کی زکوٰۃ شام کی طرف منتقل ہوئی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو حکم دیا کہ اس زکوٰۃ کو واپس لیجائیں۔ معلوم ہوا کہ بلا ضرورت جائز ہی نہیں۔

جواب: ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کمال ادب تھا، دیگر شہر کے لوگوں کو طمع اور لالچ سے محفوظ رکھنا تھا، یہ مطلب نہیں کہ وہ نقل زکوٰۃ کو جائز ہی نہیں سمجھتے تھے۔

بَابُ مَنْ تَحِلُّ لَهُ الزَّكَاةُ جس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے

عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهُ مَا يُغْنِيهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَسْأَلَتُهُ فِي وَجْهِهِ خُمُوشٌ أَوْ خُدُوشٌ أَوْ كُدُوحٌ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ ، وَمَا يُغْنِيهِ قَالَ خَمْسُونَ دِرْهَمًا أَوْ قِيمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سوال کرے آدمیوں سے اور اس کے پاس اتنا مال ہو کہ کفایت کرتا ہو تو قیامت کے دن آئے گا اور اس کے سوال کے سبب سے اس کا منہ چھلا ہو گا راوی کو شک ہے کہ حضرت نے خموش فرمایا یا خدوش یا کدوح اور معنی تینوں کے قریب قریب ہیں، پھر عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کتنا مال کفایت کرتا ہے یعنی اس کے ہوتے ہوئے سوال جائز نہیں تو فرمایا پچاس درہم یا اتنی قیمت کا سونا۔

تشریح ......پہلی بات: اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ "أو" شک راوی کی بناء پر ہو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی لفظ ذکر کیا، دوسرا احتمال یہ ہے کہ "أو" تنویع کے لیے ہو، اس صورت میں معنی کیا ہوگا۔

قول اوّل: متقارب المعنی ہیں، چہرے کے زخموں کو کہا جاتا ہے۔

قول ثانی: معنی میں تفاوت ہے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ خموش وہ زخم ہے جو ناخن کے ذریعے بنایا گیا ہو اور خدوش وہ زخم ہے جو لکڑی کے ذریعے کیا گیا ہو اور کدوح وہ زخم ہے جو دانتوں کے ساتھ کیا گیا ہو، بہرکیف مطلب یہ ہے کہ بلاضرورت سوال کرنے والے کے چہرے پر وہ سوال زخم بن جائے گا، مختلف زخم ہوں گے اور یہ اختلاف اختلاف سائلین کی وجہ سے ہے۔

دوسری بات: وہ کون سا غنی ہے جو موجب حرمت سوال ہے؟

اس کی تفصیل یہ ہے کہ غنی تین اقسام پر ہے۔

اوّل: جس کے پاس نصاب نامی کے بقدر مال موجود ہو اور ایک ہی جنس کا ہو۔ جیسے سونا، بکریاں وغیرہ۔

دوم: جس کے پاس مال تو بقدر نصاب موجود ہو لیکن نامی نہ ہو۔

سوم: جس کے پاس نصاب کے بقدر مال نہ ہو اور نہ ہی مال نامی موجود ہو۔

اوّل پر زکوٰۃ واجب ہے اور اس کے لیے زکوٰۃ لینا حرام ہے اور ثانی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے البتہ اس کے لیے زکوٰۃ لینا حرام ہے اور دونوں پر صدقہ فطر و اضحیہ واجب ہیں اور تیسرے پر نہ زکوٰۃ نہ صدقہ فطر اور نہ اضحیہ اور اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے، البتہ اس کے لیے سوال حرام ہے، اگر وہ قوت یوم ولیلہ کا مالک ہو۔ فقہاء کا ثالث میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام احمد سے دو روایتیں آئی ہیں۔ پہلی روایت یہ ہے کہ اگر مال پچاس درہم ہو یا بقدر کنایہ مال کا مالک ہو تو

اس کو زکوٰۃ لینا درست نہیں ہے۔ ''وبہ قال الثوری والنخعی وابن مبارک''

دوسرا قول: جس کے پاس بقدر کفایہ مال موجود ہو۔ پچاس درہم کا اعتبار نہیں تو اس پر صدقہ حرام ہے۔ اگر چہ وہ نصاب کا مالک نہ ہو۔ بشرطیکہ وہ محتاج نہ ہو، یعنی بقدر کفایہ مال موجود ہو اور اگر وہ محتاج ہو تو اس کے لیے صدقہ لینا جائز ہے۔ اگر چہ وہ مالک نصاب ہو حلال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس بقدر کفایہ مال نہیں ہے کیونکہ ہر شخص کی قدر کفایہ الگ الگ ہے۔ بعض کے لیے نصاب سے زائد بھی کافی نہیں ہوتا اور بعض کے لیے تھوڑا مال بھی کافی ہوتا ہے۔ (مغنی جلد ۲ ص: ۵۲۳)

وبہ قال مالک والشافعی کہ قوت یوم ولیلہ قدر کفایت ہے، اس شخص کے لیے جو صاحب اہل نہ ہو اور جو صاحب اہل وعیال ہو اس کے لیے قدر کفایت پچاس درہم ہیں۔ (احیاء العلوم ج: ۱ صفحہ ۱۶۱)

احادیث مختلف ہیں۔ بعض میں قوت یوم ولیلہ کا ذکر ہے کما فی ابی داوٗد فی حدیث سہل، بعض میں پچاس درہم کما فی الترمذی بعض میں ہے جو قادر علی الکسب ہو۔ دارمی میں ہے چالیس درہم، یہ بیان تھا قسم ثالث کا جس پر زکوٰۃ وصدقہ فطر واجب نہیں ہے اور اس کے لیے ان کا لینا اور سوال جائز ہے۔

دوسری روایتوں میں ایک اوقیہ موجب حرمت سوال ذکر کیا گیا ہے اور تیسری حدیث میں قدر ''مایُغَشِّیہ ویُغَدِّیہ'' یعنی جس کے پاس صبح وشام کا خرچہ موجود ہو وہ موجب حرمت سوال ہے۔

احادیث میں تطبیق (۱): ابتداءً اس میں سہولت تھی پچاس درہم کی مالیت کو موجب حرمت سوال قرار دیا اور پھر تھوڑی سی تضیق ہوئی چالیس درہم کو موجب حرمت سوال قرار دیا اور پھر اور تضیق ہوئی قدر ''ما یغشیہ وتغدیہ'' کو موجب حرمت سوال قرار دیا، اس پر استقرار ہو گیا۔

تطبیق (۲): روایات مختلف محمول ہیں، مختلف قسم کے اشخاص پر ایک وہ شخص جو کثیر العیال ہے اور ایک وہ شخص جو قلیل العیال ہے اور ایک وہ شخص جو بالکل عدیم العیال ہے پہلے کے لیے۔ پہلی روایت دوسرے کے لیے، دوسری روایت اور تیسرے کے لیے تیسری، الراجح ھو الاول۔

فقال لہ عبداللہ بن عثمان:۔ جب سفیان نے عبداللہ بن عثمان کے سامنے یہ حدیث بیان کی جو شعبہ کے شاگرد ہیں تو شعبہ کے شاگرد عبداللہ بن عثمان نے سفیان کو کہا کہ کاش حکیم بن جبیر کے ماسوا اس کو بیان کرتا، یہ اس وقت ہے جب ''لَوْ تمنّی'' کے لیے ہو اور اگر ''لَوْ'' شرطیہ ہو تو پھر معنی ہو گا کہ حکیم کے ماسواء کا بیان کرنا لکان احسن، سفیان نے کہا کہ ماالحکیم کہ حکیم کو کیا ہوا کہ شعبہ حکیم سے روایت نہیں لے رہے، اس پر عبداللہ بن عثمان نے کہا کہ ہاں شعبہ نہیں لے رہے، لہٰذا ان کا روایت نہ لینا یہ اشارہ ہے کہ حکیم بن جبیر ثقہ نہیں، پھر سفیان نے کہا کہ حکیم کا متابع موجود ہے وہ ہیں زبید، یہ بھی شاگرد ہیں، محمد بن عبدالرحمن کے اور جب کسی راوی کا متابع موجود ہو تو حدیث صالح للاستدلال ہوتی ہے۔ جواب: ممکن ہے شعبہ کے ہاں یہ زبید متابع قابل اعتماد نہ ہو، لہٰذا ''وجودہٗ وعدمہ سوائٌ''

بَابُ مَا جَاءَ مَنْ لَا تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ جس کو زکوٰۃ لینا درست نہیں

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زکوٰۃ لینا حلال نہیں امیر کو اور نہ قوی تندرست کو۔

عَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ السَّلُولِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ وَاقِفٌ بِعَرَفَةَ أَتَاهُ أَعْرَابِيٌّ فَأَخَذَ بِطَرَفِ رِدَائِهِ فَسَأَلَهُ إِيَّاهُ فَأَعْطَاهُ وَذَهَبَ فَعِنْدَ ذَلِكَ حَرُمَتِ الْمَسْأَلَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ إِلَّا لِذِي فَقْرٍ مُدْقِعٍ أَوْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ وَمَنْ سَأَلَ النَّاسَ لِيُثْرِيَ بِهِ مَالَهُ كَانَ خُمُوشًا فِي وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَرَضْفًا يَأْكُلُهُ مِنْ جَهَنَّمَ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُقِلَّ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْثِرْ.

ترجمہ حضرت حبشی بن جنادہ سلولی سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے عرفات میں اور آیا ایک اعرابی پکڑ لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کا کونہ پھر سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور چلا گیا وہ اسی وقت سوال حرام ہوا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک سوال جائز نہیں امیر کو اور نہ قوی تندرست کو مگر فقیر خاکسار کو یا سخت حاجت والے کو اور جو سوال کرے آدمیوں سے اس لیے کہ بڑھائے اپنا مال ہوگا منہ اس کا چھلا ہوا قیامت کے دن اور وہ گوشت ہے بھنا ہوا جہنم سے کہ کھاتا ہے اس کو پھر چاہے کم لے اور چاہے زیادہ لے۔

تشریح ایک شخص کمانے پر قادر ہو اور صحیح الاعضاء ہو لیکن اس کے باوجود اس کے پاس کچھ بھی نہیں، ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ لینی جائز ہے جبکہ حدیث میں ہے "لاتحل له الصدقة"

جواب (۱): امام ترمذی نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ یہ حدیث محمول ہے سوال پر، اب معنی یہ ہوگا کہ صحیح الاعضاء کے لیے سوال کرنا حلال نہیں اور جب غنی کے ساتھ لاتحل ہوگا تو پھر اپنے ظاہر پر ہے۔

جواب (۲): حلت میں تعمیم ہے عام ازیں حلال بمقابلہ حرام کے ہو یا کراہت تنزیہی کے مقابلے ہو، معطوف علیہ کی جانب حرام کے مقابلے میں ہے اور معطوف کی جانب کراہت تنزیہی کے مقابلہ میں ہے اس کا قرینہ اگلی حدیث ہے، مدقع: وہ فقر جو مٹی سے ملا دے۔

بَابُ مَنْ تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ مِنَ الْغَارِمِينَ وَغَيْرِهِمْ مقروض وغیرہ کا زکوٰۃ لینا جائز ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ أُصِيبَ رَجُلٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثِمَارٍ ابْتَاعَهَا

فَكَثُرَ دَيْنُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوا عَلَيْهِ فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَبْلُغْ ذَلِكَ وَفَاءَ دَيْنِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِغُرَمَائِهِ خُذُوا مَا وَجَدْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ إِلَّا ذَلِكَ

ترجمہ: حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نقصان آیا (کاروبار میں) ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پھلوں میں جو خریدے تھے اور بہت قرض دار ہوگیا وہ۔ سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ دو اس کو پھر صدقہ دیا لوگوں نے سو نہ پورا ہوا اس کا قرض فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرض خواہوں سے لے لو جو پاؤ تم اور تمہارا حق نہیں اس کے سوا۔

تشریح: "حدثنا قتيبة، فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلّم الخ"

سوال: یہ حدیث قرآن کی آیت "وان كان ذو عسرة فنظرة الى ميسرة" کے خلاف ہے کیونکہ عُسر کی وجہ سے مؤخر تو ہوتا ہے لیکن ساقط نہیں ہوتا جبکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی ماندہ ساقط ہوگیا؟

جواب (۱): یہ حدیث مؤوّل ہے یعنی فی الحال تمہارے لیے اتنا ہی ہے باقی کا تیسر کے بعد مطالبہ کیا جائے گا۔

جواب (۲): یہ حدیث محمول مصالحت پر یعنی دائن مدیون کے درمیان مصالحت ہوجائے، دائن قرضہ ساقط کردے۔ باقی حدیث سے ترجمۃ الباب بھی ثابت ہوگیا ہے کہ ایک آدمی پر قرض تھا اس کے لیے زکوٰۃ کا لینا جائز قرار دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّدَقَةِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَمَوَالِيهِ

زکوٰۃ کا مال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اہل بیت اور غلاموں کو لینا جائز نہیں

حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِشَيْءٍ سَأَلَ أَصَدَقَةٌ هِيَ أَمْ هَدِيَّةٌ فَإِنْ قَالُوا صَدَقَةٌ لَمْ يَأْكُلْ وَإِنْ قَالُوا هَدِيَّةٌ أَكَلَ.

ترجمہ: حضرت بہز بن حکیم سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ بہز کے دادا سے کہا ان کے دادا نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب آتی کوئی چیز پوچھتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہ یہ صدقہ ہے یا ہدیہ ہے؟ پھر اگر کہتے کہ صدقہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کھاتے اور اگر کہتے یہ ہدیہ ہے تو کھالیتے۔

عَنْ أَبِي رَافِعٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا مِنْ بَنِي مَخْزُومٍ عَلَى الصَّدَقَةِ فَقَالَ لِأَبِي رَافِعٍ اصْحَبْنِي كَيْمَا تُصِيبَ مِنْهَا فَقَالَ لَا حَتَّى آتِيَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْأَلَهُ فَانْطَلَقَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لَنَا وَإِنَّ مَوَالِيَ الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ

ترجمہ: حضرت ابی رافع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ایک مرد کو بنی مخزوم سے زکوٰۃ لینے کے

لیے تواس نے کہا ابورافع سے تم ساتھ چلو میرے کہ حصہ دوں میں تم کو بھی اس میں سے سو کہا ابورافع نے نہیں جب تک نہ جاؤں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور پوچھ لوں ان سے اور گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور پوچھا اور فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ نہیں حلال ہے ہم کو اور مولیٰ یعنی غلام قوم کے انہیں میں داخل ہیں۔

تشریح ہدیہ اور صدقہ میں فرق

صدقہ میں ابتداءً ہی سے اجر ثواب مقصود ہوتا ہے اور ہدیہ میں ابتداءً "مهدى لهٗ" کا اعزاز مقصود ہوتا ہے۔ اگر چہ انتہاءً اس میں بھی اجر و ثواب ملتا ہے۔ ابورافع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اس لیے فرمایا کہ تم بھی ہم میں سے ہو، اس لیے تمہارے لیے زکوٰۃ کے مال سے لینا جائز نہیں اور اسی طرح بنو ہاشم کا کوئی غلام ہو تو یا بنو ہاشم میں سے ہو، اگر اس کو عامل قرار دے دیا جائے تو اس کو زکوٰۃ کے مال سے معاوضہ نہ دیا جائے، البتہ غنی کو دیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ (۱): اس پر اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مطلقاً صدقہ لینا جائز نہیں واجب ہو یا نفل۔

مسئلہ (۲): آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں۔

مسئلہ (۳): صدقات نافلہ آپ کی آل کے لیے جائز ہیں یا نہیں؟

اکثر احناف اور اکثر شوافع کا صحیح قول اور حنابلہ کا قول یہ ہے کہ صدقات نافلہ لینا جائز ہیں۔ قاضی صاحب اور ابن ہمام اور امام طحاوی کا میلان اس طرف ہے کہ صدقات نافلہ بھی لینا جائز نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ نصوص میں عموم ہے جیسے حدیث الباب "ان الصدقة لاتحلّ لنا" امام طحاوی رحمہ اللہ کا قول نقل کرنے میں اختلاف ہوا ہے لیکن صحیح قول یہی ہے۔

سوال: اہل بیت کی ضرورت کیسے پوری ہوگی؟

جواب: ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اربابِ اموال کو چاہیے نہایت ادب و احترام کے ساتھ ان کو ہدایہ پیش کیے جائیں۔

مسئلہ (۴): باب الزکوٰۃ میں آل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مصداق کیا ہے؟

قولِ اوّل: احناف کے نزدیک صرف بنو ہاشم مصداق ہیں، بنو عبدالمطلب داخل نہیں، ان کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔

قولِ ثانی: شوافع کے نزدیک بنو ہاشم کے ساتھ بنو عبدالمطلب بھی داخل ہیں۔

احناف کی دلیل: "انما الصدقات للفقرآء" اس کا مقتضی یہ ہے کہ ہر فقیر کے لیے زکوٰۃ حلال ہو لیکن بنو ہاشم کے لیے نہیں کیوں کہ ان کے بارے میں نص موجود ہے۔ جیسا کہ احادیث الباب میں بھی ہے "لاتحلّ لنا" نیز بنو ہاشم کو جو قرابت والے فضائل حاصل ہیں، وہ بنو مطلب کو نہیں، لہٰذا "للفقرآء" سے بنو ہاشم کی تو تخصیص ہوگی اور بنو عبدالمطلب فقراء کی تعمیم میں داخل رہیں گے۔

شوافع کی دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "سهم ذوى القربى" میں سے جیسے بنو ہاشم کو اسی طرح بنو عبدالمطلب کو بھی دیا اور یہ صدقات ہی کا عوض تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق سوال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو عبدالمطلب کو بنو ہاشم کے مساوی قرار دیا اور فرمایا "هما واحد" اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کا حکم ایک ہے۔

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنو عبدالمطلب کو سہم ذوی القربیٰ میں سے دینا یہ صدقات کے عوض سے نہیں تھا بلکہ تناصر کی وجہ سے تھا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنو ہاشم نے مدد کی، ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنو عبدالمطلب نے بھی نصرت کی۔

مسئلہ (۵): بنو ہاشم کا مصداق کیا ہے؟ صرف بطونِ خمسہ۔ آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل، آل حارث بن عبدالمطلب، ان میں سے عباس اور حارث رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں اور باقی چچازاد بھائی ہیں، بنولہب اگرچہ بنو ہاشم میں داخل ہیں لیکن باب الزکوٰۃ میں ان کے تحت داخل نہیں، یہی وجہ ہے کہ بنولہب کے فقراء کے لیے مال زکوٰۃ لینا جائز ہے، ان کو کوئی فضیلت حاصل نہیں۔

بنو ہاشم کے مصداق میں تفصیل

عبدمناف کے چار بیٹے تھے ہاشم، مطلب، نوفل وعبدشمس، پھر ہاشم کے چار بیٹے تھے نسب سب کا منقطع ہوا سوائے عبدالمطلب بن ہاشم کے۔ پھر عبدالمطلب کے بارہ بیٹے تھے، ان میں ایک عبداللہ تھے۔ حمزہ، عباس، حارث، ابوطالب وغیرہ۔ زکوٰۃ ان سب کی اولاد کو دی جاسکتی ہے جبکہ وہ مسلمان فقراء ہوں اور اولاد عباس واولاد حارث وثلاثہ اولاد ابی طالب علی وجعفر وعقیل رضی اللہ عنہم ابنائے ابی طالب معلوم ہوا کہ مطلق بنی ہاشم کا ذکر بھی صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ حمزہ وابولہب کی اولاد اگر فقراء ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ کہتے ہیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نسل باقی ہے البتہ ابولہب کی نسل بعض جگہ موجود ہے۔ اسی طرح اولاد طالب بن ابی طالب بھی زکوٰۃ لے سکتی ہے۔ اگر فقراء ہوں۔ (فتح الباری، ص: ۲۸۰، طحاوی، ج: ۱، ص: ۳۰۱، عینی ج: ۴، ص: ۳۳، فتح القدیر، ج: ۲، ص: ۲۴، فتح الملہم، جلد: ۳، ص: ۱۰۰، عینی، جلد: ۳، صفحہ ۴)

مسئلہ (٦): ازواج مطہرات یقیناً اہل بیت میں سے ہیں لیکن باب الزکوٰۃ میں ان کا حکم اہل بیت والا نہیں، ان کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّدَقَةِ عَلَى ذِي الْقَرَابَةِ عزیز واقارب کو زکوٰۃ دینا

عَنِ الرَّبَابِ عَنْ عَمِّهَا سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى تَمْرٍ فَإِنَّهُ بَرَكَةٌ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ تَمْرًا فَالْمَاءُ فَإِنَّهُ طَهُورٌ وَقَالَ الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلَى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ۔

ترجمہ حضرت سلمان بن عامر سے روایت ہے سلمان پہنچاتے ہیں اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی روزہ کھولے تو کھولے کھجور پر اس لیے کہ اس میں برکت ہے، پھر اگر کھجور نہ پائے تو پانی پر کہ وہ پاک کرنے والا ہے اور فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ مسکین کو دینا فقط صدقہ ہے

یعنی ایک ہی ثواب ہے اور صدقہ ناطے والوں کو دینا دو ثواب رکھتا ہے ایک صدقے کا اور ایک صلہ رحم کا۔

تشریح:...... پہلی بات: سند پر کلام یہ ہے کہ حفصہ بنت سیرین اور سلیمان بن عامر کے درمیان علم کا واسطہ ہے یا نہیں؟ تو بعض ذکر کرتے ہیں اور بعض ذکر نہیں کرتے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے واسطہ ہونے کو ترجیح دی ہے۔

دوسری بات: مسئلہ، رشتے داروں کو صدقہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر قرابت اُصول وفروع والی ہو تو بالاجماع صدقہ دینا جائز نہیں، البتہ قرابت اولاد کے ماسوا خاوند، بیوی یا بیوی خاوند کو صدقہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ تو اس پر تو اجماع ہے کہ خاوند بیوی کو صدقہ نہیں دے سکتا۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ بیوی دے سکتی ہے یا نہیں؟ امام صاحب کے ہاں نہیں دے سکتی۔ شوافع وصاحبین کے ہاں بیوی صدقہ دے سکتی ہے۔

امام صاحب کی دلیل: خاوند کا بیوی کو زکوٰۃ نہ دینے کی علت منافعوں کا مشترک ہونا اور ملکیت علی وجہ الکمال کا نہ پایا جانا اور بعینہ یہی علت بیوی میں بھی پائی جاتی ہے۔ لہٰذا یہاں پر بھی ملکیت علی وجہ الکمال نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا زوجہ کے لیے زوج کو زکوٰۃ دینا جائز نہ ہوگا۔

شوافع کی دلیل: حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت الباب اور ابوداؤد میں تفصیلاً مذکور ہے وہ صدقہ میں تعیم کرتے ہیں خواہ نافلہ ہو یا واجبہ؟

جواب: اس کا مصداق صرف اور صرف نافلہ ہے اس پر قرینہ بخاری کی روایت ہے "انما صدقتک علی زوجک وعلی ولدک" اور اس پر تو اجماع ہے کہ اپنی اولاد کو صدقہ واجبہ دینا جائز نہیں۔ لہٰذا صدقات نافلہ مراد ہوں گے۔ لہٰذا زوج پر بھی صدقہ نافلہ مراد ہوگا۔ نیز احتیاط کا مقتضی بھی یہی ہے کہ خاوند کو زکوٰۃ نہ دی جائے اس لیے کہ اس صورت میں براءۃ ذمہ یقینی نہ ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ فِي الْمَالِ حَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حق ہوتا ہے

عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ سَأَلْتُ أَوْ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الزَّكَاةِ فَقَالَ إِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ، ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ الَّتِي فِي الْبَقَرَةِ {لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ} [البقرة: 177] الْآيَةَ.

ترجمہ: حضرت فاطمہ بنت قیس سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا یا کسی اور نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کو سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مال میں اور بھی حق ہیں سوائے زکوٰۃ کے یعنی زکوٰۃ سے کچھ زیادہ بھی دینا چاہیے پھر پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت سورۂ بقرہ کی "لَيْسَ الْبِرَّ" سے آخر تک۔

عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ فِي الْمَالِ حَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ.

ترجمہ حضرت عامر سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں فاطمہ بنت قیس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مال میں اور بھی حق ہے سوائے زکوٰۃ کے۔

تشریح "ان فی المال حقًا سوی الزکوٰۃ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے ماسوا حق ہیں جبکہ ایک اور حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ جب تونے زکوٰۃ ادا کردی تو مال کے متعلق تمام حقوق ادا کردیئے، تو فرمایا کہ مال کے حقوق مال ہونے کی حیثیت سے بند ہیں زکوٰۃ میں اور مال کے حقوق عوارض ہونے کی حیثیت سے بند نہیں زکوٰۃ میں، اس لیے کہ آیت "لیس البرّ الخ" میں "اٰتی المال" کا عطف ہو رہا ہے الی الزکوٰۃ پر اور عطف تقاضا کرتا ہے مغایرت کا اس سے معلوم ہوا کہ اٰتی المال کے تحت حقوق زکوٰۃ کے ماسواء بھی حقوق ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّدَقَةِ زکوٰۃ ادا کرنے کی فضیلت

عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَصَدَّقَ أَحَدٌ بِصَدَقَةٍ مِنْ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللهُ إِلَّا الطَّيِّبَ إِلَّا أَخَذَهَا الرَّحْمٰنُ بِيَمِينِهِ وَإِنْ كَانَتْ تَمْرَةً تَرْبُو فِي كَفِّ الرَّحْمٰنِ حَتّٰى تَكُونَ أَعْظَمَ مِنَ الْجَبَلِ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فُلُوَّهُ أَوْ فَصِيلَهُ.

ترجمہ حضرت سعید بن یسار سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں صدقہ دیا کسی نے کسی طرح کا صدقہ حلال مال سے اور نہیں قبول کرتا اللہ تعالیٰ مگر حلال کو مگر لیتا ہے رحمن اس صدقے کو اپنے سیدھے ہاتھ میں اگرچہ ایک کھجور بھی ہو پھر بڑھتا ہے وہ ہتھیلی میں رحمن کے یہاں تک کہ ہو جاتا ہے پہاڑ سے بھی بڑا جیسا کوئی پرورش کرتا ہے اپنے گھوڑے کے بچے یا گائے کے بچھڑے کی۔

قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ يَقْبَلُ الصَّدَقَةَ وَيَأْخُذُهَا بِيَمِينِهِ فَيُرَبِّيهَا لِأَحَدِكُمْ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ مُهْرَهُ حَتّٰى إِنَّ اللُّقْمَةَ لَتَصِيرُ مِثْلَ أُحُدٍ وَتَصْدِيقُ ذٰلِكَ فِي كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ {هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ} [التوبة: 104] وَ {يَمْحَقُ اللهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ} [البقرة: 276].

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ قبول کرتا ہے صدقہ اور لیتا ہے اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں پھر بڑھاتا ہے اور پالتا ہے اس کو اس صدقہ دینے والے کے لیے جیسا پالتا ہے کوئی تم میں کا اپنے گھوڑے کے بچے کو یہاں تک کہ ایک لقمہ بڑھ کر ہو جاتا ہے کوہ احد کے برابر اور اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے کہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ "وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ" اور معنی اس کے یہ ہیں: بے شک اللہ ہی قبول کرتا ہے توبہ اپنے غلاموں سے اور لیتا ہے صدقات کو اور مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الصَّوْمِ أَفْضَلُ بَعْدَ رَمَضَانَ فَقَالَ شَعْبَانُ لِتَعْظِيمِ رَمَضَانَ قِيلَ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ صَدَقَةٌ فِي رَمَضَانَ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پوچھا گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کون سا روزہ افضل ہے بعد رمضان کے؟ فرمایا روزے شعبان کے رمضان کی تعظیم کے لیے پھر پوچھا کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا صدقہ دینا رمضان میں۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيتَةَ السُّوءِ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک صدقہ بجھا دیتا ہے پروردگار کے غضب کو اور دُور کر دیتا ہے بری حالت میں مرنے کو۔

تشریح امام ترمذی رحمہ اللہ نے صدقہ کی فضیلت کے متعلق خلاف عادت چار روایتیں ذکر کی ہیں، اس سے مقصود ترغیب دینا ہے کہ صدقہ لینے پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ صدقہ خود بھی کرنا چاہیے۔

حدیث (۱): "لایقبل اللہ الا الطیب" یہ جملہ معترضہ ہے۔

حدیث (۲): "ای الصوم افضل افضل بعد رمضان قال شعبان لتعظیم رمضان"

سوال: اس حدیث کا تعارض ہے اس حدیث کے ساتھ جس میں ہے کہ رمضان کے روزوں کے بعد محرم کے روزے افضل ہیں؟

جواب (۱): علی الاطلاق تو محرم ہی کے افضل ہیں اور یہاں پر جو فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ شعبان کے روزے افضل ہیں ایک خاص جہت کے اعتبار سے کہ اس میں تمرین اور مشق ہو جائے رمضان کے لیے۔

جواب (۲): "الصحیح ھو الصحیح" محرم والی حدیث مسلم میں وہ راجح ہے۔

حدیث (۳): "میتۃ السوء" سوء خاتمہ یہ ہے کہ موت کے وقت کفریہ کلمات زبان سے نکل جائیں۔

حدیث (۴): "وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ الخ" یہاں دو آیتوں میں راوی سے خلط ہو گیا۔ ایک ہے "وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ" اس کے بعد ہے "ویعفو عن السیآت" یہ سورۃ شوریٰ کی آیت ہے اور "الم یعلموا ان اللہ ھو یقبل التوبۃ عن عبادہ ویأخذ الصدقات" یہ توبہ کی آیت ہے، راوی نے ایک حصہ سورۃ شوریٰ والی آیت کا ذکر دیا اور دوسرا حصہ سورۃ توبہ والی آیت کا دیدیا اور خلط کر دیا دو آیتوں کو ایک آیت شمار کر دیا۔

سوال (۱): ان حدیثوں میں ہے اللہ صدقہ کو دائیں ہاتھ سے لیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ کا اثبات ہے؟

جواب: امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان جیسی تمام احادیث جن میں وجہ کا ید کا اثبات ہے یا نزول کا ذکر ہے یہ تمام

من قبیل المتشابہات ہیں، ان کے متعلق متقدمین کی رائے تسلیم تفویض مع التنزیہ ہے۔ تسلیم یہ ہے کہ مان لیا جائے اور تفویض یہ ہے کہ کیفیت کو اللہ کے حوالے کردیا جائے۔ نیز، یہ عقیدہ رکھا جائے کہ مخلوق جیسی صفات نہیں اور متاخرین کی رائے یہ ہے کہ مناسب تاویل کرلی جائے جیسے وجہ بمعنی ذات لیکن متاخرین کی رائے یہ ہے کہ اصل وہی ہے جو متقدمین بیان کرتے ہیں لیکن چونکہ عوام (ان کے لاعلمی ہونے کی وجہ سے) کے ایمان کو بچانے کے لیے ید کی تاویل قوت وقدرت کے ساتھ کردی۔

سوال: امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جہمیہ صفات کے منکر ہیں ان پر رد کرنے کے لیے امام بخاری نے مستقبل باب باندھا ہے، یہاں اجمالاً کہتے ہیں کہ یہ صفات کا انکار کرتے ہیں اور وہ تاویل کرتے ہیں کہ ید سے مراد قوت ہے، ترمذی کے شارح ابن العربی فرماتے ہیں کہ یہ تسامح ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ کا ورنہ تاویل کرنے والے اہلسنت والجماعت ہیں۔ جہمیہ تاویل نہیں کرتے لیکن بعض محققین نے کہا ہے کہ بیشک اہلسنت تاویل کرتے ہیں اور جہمیہ بھی یہی تاویل کرتے ہیں لیکن اس تاویل سے مقصود ان کا صفات کا انکار کرنا ہے جبکہ اہلسنت والجماعت تاویل کرتے ہیں صفات کا اثبات کرنے کے لیے اور عوام الناس کے ایمان کو بچانے کے لیے۔

جہمیہ کی دلیل: وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر باری تعالیٰ کی صفات کو تسلیم کیا جائے تو تشبیہ لازم آئے گی، مخلوق کی صفات کے ساتھ مثلاً اللہ کے لیے سمع، بصر، وجہ، مانیں تو یہ مخلوق کے لیے بھی ہیں۔ تو حادث کی صفات کے ساتھ تشبیہ لازم آئی اور ظاہر ہے کہ یہ نقص ہے اس لیے وہ صفات باری کا انکار کرتے ہیں۔ اسحاق بن ابراہیم نے جواب دیا کہ تشبیہ یہ ہوتی ہے کہ دو چیزوں کا تیسری چیز میں اشتراک ہو، جیسے زید کالاسد ان دونوں کا اشتراک ہے شجاعت میں اور یہاں تشبیہ تب ہو جب مخلوق کی صفات کا لحاظ ہو اور یوں کہا جائے "ید کید، لہ بصر، کبصر، لہ، سمع کسمع" حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یوں کہا جاتا ہے "لہ ید" یعنی اللہ کے لیے ید ہے "لہ بصر" یعنی اللہ کیلئے بصر ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ ان میں تشبیہ نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَقِّ السَّائِلِ سائل کے حق سے متعلق

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ بُجَيْدٍ عَنْ جَدَّتِهِ أُمِّ بُجَيْدٍ وَكَانَتْ مِمَّنْ بَايَعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ الْمِسْكِينَ لَيَقُومُ عَلَى بَابِي فَمَا أَجِدُ لَهُ شَيْئًا أُعْطِيهِ إِيَّاهُ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ لَمْ تَجِدِي لَهُ شَيْئًا تُعْطِيهِ إِيَّاهُ إِلَّا ظِلْفًا مُحْرَقًا فَادْفَعِيهِ إِلَيْهِ فِي يَدِهِ

ترجمہ حضرت عبدالرحمن بن بجید سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنی دادی سے جو ماں ہیں بجید کی اور وہ ان میں تھیں جنہوں نے بیعت کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. سے کہ فقیر آن کھڑا ہوتا ہے میرے دروازے پر اور میں کچھ نہیں پاتی کہ اس کو دوں۔ سو فرمایا ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کچھ نہ پاؤ تم اس کے دینے کو مگر ایک کھر جلا ہوا، سو وہی رکھ دو اس کے ہاتھ میں۔

تشریح اگر کوئی سائل دروازے پر آئے لیکن دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو حقیر سے حقیر چیز کو دے دیا جائے اور یہ تب ہے

جب سائل ایسا ہو کہ اس کے لیے شرعاً سوال کرنا حلال ہو، اگر قرائن سے معلوم ہو جائے کہ پیشہ ور ہے تو محققین کی رائے یہ ہے کہ نہ دیا جائے کیونکہ قرآن میں آتا ہے "ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" ورنہ تو اعانت علی المعصیت لازم آئے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِعْطَاءِ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ جن کا دِل جیتنا منظور ہو ان کو دینا

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ أَعْطَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ وَإِنَّهُ لَأَبْغَضُ الْخَلْقِ إِلَيَّ فَمَا زَالَ يُعْطِينِي حَتَّى إِنَّهُ لَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَيَّ.

ترجمہ حضرت صفوان بن اُمیہ سے روایت ہے کہ دیا مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن یعنی مالِ زکوٰۃ میں سے کچھ اور وہ ساری خلق سے برے تھے میرے نزدیک پھر ہمیشہ مجھے دیتے رہے یہاں تک کہ ہو گئے وہ ساری خلق سے زیادہ محبوب میرے پاس۔

تشریح مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ کے مصارف ثمانیہ میں سے شمار کیا جاتا ہے اور آج یہ قسم منقطع ہے لغلبۃ الاسلام امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ گروہ اب باقی نہیں ہے وبہ قال مالک، لیکن عند الشافعی یہ گروہ اب بھی باقی ہے وھو روایۃ عن احمد کتب فقہ میں ہے کہ مؤلفۃ القلوب چھ قسم پر ہیں۔

قسم اوّل: یہ وہ کفار ہیں جن سے خیر کی توقع ہو۔

قسم ثانی: وہ کفار جن کے شر کا خوف ہو، باقی چار اقسام مسلمانوں کی ہیں، بقیہ چار اقسام ہیں۔

الاوّل: "قوم لهم شرف فيعطون لترغيب وزراءهم على الاسلام" وہ ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کو زکوٰۃ دی جائے تا کہ اس کا ایمان مضبوط ہو جائے۔

الثانی: "قوم فی اسلامه ضعف فيعطون لتقوية الاسلامه" ضعیف الاسلام لوگوں کو زکوٰۃ دی جائے تا کہ ان کا اسلام مضبوط ہو جائے۔

الثالث: "قوم يليهم الكفار فيعطون ليقاتل الكفار" اس قوم کو زکوٰۃ دی جائے جو عساکر المسلمین ہو تا کہ وہ قتال کر سکے۔

الرابع: "قوم يليهم اهل الصدقات فيعطون تساعدون فی تحصل الصدقات" اس مسلمان کو زکوٰۃ دی جائے جو زکوٰۃ کی وصولی میں مسلمانوں کی مدد کرتا ہو۔ یہ چھ قسمیں ہوئیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آخری دو قسموں کو ضرور زکوٰۃ دی جائے اور پہلی چار قسموں میں جن میں دو قسم کفار کی ہیں ان کے متعلق دو قول ہیں۔ اصح اعطاء ہے، امام احمد فرماتے ہیں سب کو دیا جائے۔ روح المعانی ج:۱۰، ص:۱۲۳ پر ہے وقول الزہری والحسن۔

مذہب حنفی میں بڑا اشکال ہے کہ یہ طائفہ منصوص فی القرآن ہے تو کس طرح ساقط ہوا، بقول اُمت جبکہ احادیث میں اس کے نسخ کا ذکر نہیں ہے۔ علماء احناف نے اس پر بڑی بحث کی ہے اور اس طائفے کے انقطاع کی وجوہ بیان کی ہیں۔

وجہ الاوّل: بعض نے کہا کہ "هذا من قبيل انتهاء الحكم لانتهاء فليس بهذا ... علت ... نسخ مثل انتهاء الصوم بانتهاء وقته وهو النهار" اور علت ضعف الاسلام ہے جس میں تالیف قلب کفار کی ضرورت ہے تو ان کو تالیفاً یہ مال ملتا تھا اب اسلام قوی وغالب ہوا ہے تو تالیف قلب کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ ثانی: یہ اس لیے ساقط ہوا کہ یہ منسوخ ہوا اور ناسخ انعقاد اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ خلافت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں اور بہت سے آئمہ کے نزدیک نسخ کتاب باجماع جائز ہے کیونکہ اجماع بھی حجت قطعی ہے۔ البتہ بعض کے نزدیک نسخ کتاب بالاجماع جائز نہیں ہے۔

وجہ ثالث: بعض کہتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے بایں آیت جس کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا "فمن شاء فليؤمن فمن شاء فليكفر" روایت ہے کہ خلافت صدیق میں عیینہ واقرع بن حابس نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے جاگیر مانگی۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جاگیر دے دی اور خط لکھا اور دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مؤلفۃ القلوب تھے، وہ یہ خط حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے۔ "فمزقه عمر رضی الله عنه قال هذا شيء يعطيكم رسول الله" کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری تالیف قلبی کے لیے مال دے دیا کرتے تھے، تمہاری مرضی ہے اسلام کو اختیار کرو یا نہ کرو اور فرمایا "الحق من ربكم فمن شاء فليؤمن" پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کی اور ان کو کچھ نہ دیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو۔ (روح المعانی، ج:۱۰، ص:۱۲۲، عینی، فتح الباری وغیرہ)

سوال: مؤلفۃ قلوب کی آیت مدنی ہے اور "من شاء فليؤمن ... الاية" مکی ہے۔ لہٰذا یہ آیت مؤلفۃ قلوب کے لیے ناسخ نہیں بن سکتی؟

جواب اوّل: یہ ہے کہ ہوسکتا ہے اس کا نسخ کسی اور دوسری آیت سے ہو "فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم" یا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد "تؤخذ من اغنيائهم وترد على فقرائهم"

جواب ثانی: بعض نے کہا کہ مؤلفۃ قلوب کا حکم منسوخ نہیں بلکہ معلول بعلت ہے اور علت ضعف الاسلام کا ہونا ہے، جب یہ ضعف ختم ہوا تو مصرف بھی ختم ہوگیا۔ عن سعید بن المسیب کے بعد "اَنَّ" ہے یا "عَنْ" ہے؟ سند میں تو "اَنَّ" صحیح ہے نہ کہ "عَنْ" کیونکہ عن اس سے شبہ ہوتا ہے کہ سعید بن مسیب کا صفوان بن اُمیہ سے سماع ثابت ہے حالانکہ سماع ثابت نہیں ہے۔

قرآن میں جو مصارف ثمانیہ ہیں ان میں سے ایک مؤلفۃ القلوب ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُتَصَدِّقِ يَرِثُ صَدَقَتَهُ جسے زکوٰۃ میں دیا ہوا مال وراثت میں ملے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي كُنْتُ تَصَدَّقْتُ عَلَى أُمِّي بِجَارِيَةٍ وَإِنَّهَا مَاتَتْ قَالَ وَجَبَ أَجْرُكِ

وَرَدَّهَا عَلَيْكِ الْمِيرَاثُ، قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهَا كَانَ عَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ أَفَأَصُومُ عَنْهَا قَالَ صُومِي عَنْهَا، قَالَتْ يَارَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهَا لَمْ تَحُجَّ قَطُّ أَفَأَحُجُّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حُجِّي عَنْهَا.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن بریدہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہاان کے باپ نے کہ میں بیٹھا تھارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہ آئی ایک عورت اور کہااس نے یارسول اللہ! میں نے زکوٰۃ میں دی تھی ایک لونڈی اپنی ماں کواور ماں مرگئی فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت ہو چکا تیرا ثواب اور پھیر دیا میراث نے اس کو تیری طرف یعنی اب تو اس کی مالک ہے پھر کہا اس عورت نے یا رسول اللہ! میری ماں پرروزے تھے ایک مہینے کے کیا میں رکھوں اس کی طرف سے؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے رکھ اس کی طرف سے پھر عرض کیااس نے یارسول اللہ! اس نے کبھی حج نہیں کیا تھا کیا میں حج کروں اس کی طرف سے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاہاں توحج کراس کی طرف سے۔

تشریح ......مسئلہ(۱): متصدق کوصدقہ کیا ہوا مال وراثت میں مل جائے تو متصدق کے لیے لینا جائز ہے یا نہیں؟ جمہور فقہاء کے نزدیک جائز ہے ملکیت کے بدل جانے کی وجہ سے اور حدیث الباب بھی اسی پر دال ہے۔ بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اس کو دوبارہ صدیقہ کردے۔

مسئلہ(۲): عبادات میں نیابت جائز ہے یانہیں؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عبادت تین قسم کی ہیں۔

(۱) عبادت مالیہ محضہ اس میں نیابت جائز ہے کہ کوئی اس چیز کے کرنے پر قادر ہو یا نہ ہو جیسے زکوٰۃ آپ ادا کرسکتے ہیں مگر پھر بھی نائب مقرر کریں تو جائز ہے۔

(۲) مالی عبادت اور بدنی عبادت جیسے حج اس میں نیابت عجز کی صورت جائز ہے بدون عجز نیابت جائز نہیں۔

(۳) عبادت بدنیہ محضہ جیسے نماز، روزہ وغیرہ اس میں نیابت جائز ہے یانہیں؟

قول اوّل: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور مشہور قول میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ عبادت بدنیہ میں نیابت جائز نہیں۔

دوسرا قول: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ عبادات بدنیہ محضہ میں بھی نیابت جائز ہے۔البتہ صوم میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: جمہور کے نزدیک صوم میں بھی مطلقانیابت جائز نہیں۔عام ازیں صوم نذری ہو یا غیر نذری ہو۔

قول ثانی: حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ صوم نذری میں نیابت جائز ہے۔

احناف کی دلیل: اثر ابن عباس، اثر حضرت عائشہ، اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما "لا يصوم احد عن احد ولا يصلي احد من احد" اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما مؤطا امام مالک میں ہے اور اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما سنن کبریٰ میں اور اثر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تخریج طحاوی میں ہے۔یہ اثر اگرچہ موقوفہ ہیں لیکن غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ حکماً مرفوع ہیں۔

حنابلہ کی دلیل: حدیث الباب ہے اس میں لفظ ہے ”صومی عنہا“ اگرچہ یہاں صوم فرض ہے لیکن صوم نذری بھی اسی کے حکم میں ہے۔

جواب (۱): ”صومی عنہا“ مجاز پر محمول ہے، ”افعل فعلاً یقوم مقام الصوم وهو الفعلیه“

جواب (۲): صوم سے مراد صوم نیابت نہیں بلکہ صوم اصابت مراد ہے کہ روزہ رکھ لو اور اجر و ثواب کی نیت والدہ کی کرلو۔

جواب (۳): اگر اس کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے تو پھر یہ اس عورت کی خصوصیت ہے، اس پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْعَوْدِ فِي الصَّدَقَةِ صدقہ کرنے کے بعد اسے واپس لوٹانا مکروہ ہے

عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ رَآهَا تُبَاعُ فَأَرَادَ أَنْ يَشْتَرِيَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ.

ترجمہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کسی کو دیا تھا ایک گھوڑا اللہ کی راہ میں یعنی جہاد میں پھر دیکھا اس کو بکتا ہوا پس اس کو خریدنا چاہا سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ پھیر اپنے صدقے کی چیز کو۔

تشریح مسئلہ اختلافی: صدقہ کی ہوئی چیز کو خرید سکتا ہے یا نہیں؟

جمہور کے نزدیک جائز تو ہے لیکن بہتر نہیں ہے کیونکہ متصدق علیہ یہ سمجھے گا کہ مجھے تو یہ مفت ملی تھی، لہٰذا اس سے معمولی ثمنوں کا مطالبہ کروحیاء کی وجہ سے۔ بالفاظ دیگر یہ حقیقتاً عود نہیں بلکہ صورۃً عود ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صورت عود سے منع کردیا۔

سوال: حدیث میں تو ”لاتعد“ فرمایا یعنی منع ہے؟

جواب: نہی تنزیہی ہے کیونکہ آگے خود کہا کہ اکثر اہل علم کا مذہب یہی ہے یعنی خلاف اولیٰ ہے جتنی مقدار ثمنوں میں کمی ہوئی اتنی مقدار عوض پایا گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّدَقَةِ عَنِ الْمَيِّتِ میت کی طرف سے صدقہ دینا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ أَفَيَنْفَعُهَا إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ، قَالَ فَإِنَّ لِي مَخْرَفًا فَأُشْهِدُكَ أَنِّي قَدْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرد نے کہا یا رسول اللہ! میری ماں مرگئی ہے کیا فائدہ ہوگا اگر اس کو میں صدقہ دوں اس کی طرف سے تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ ہاں سو عرض کیا اس نے میرا ایک باغ ہے سو میں گواہ کرتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ میں نے صدقہ کردیا اس کی طرف سے۔

تشریح اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ میت کے لیے ایصال برحق ہے یعنی زندوں کے عمل سے مردوں کو

فائدہ پہنچتا ہے البتہ معتزلہ کہتے ہیں کہ میت کے لیے ایصال ثواب ثابت نہیں ہے۔

دلیل: "وان لیس للانسان الاّ ماسعٰی"

جواب: مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آیت میں سعی سے مراد سعی ایمانی کا ذکر ہے کہ ایک شخص کا ایمان دوسرے کافر کے لیے فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ سعی عملی مراد نہیں ہے۔ البتہ اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ مالی عبادت کا ثواب بالاتفاق پہنچتا ہے لیکن عبادت بدنیہ کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ تو اہل سنت میں سے اکثر کی رائے یہ ہے کہ عبادات بدنیہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ شوافع کا قول یہ نقل کیا ہے کہ صرف عبادات مالیہ کا ثواب پہنچتا ہے نصوص احناف کے موافق ہیں جیسے جنازہ کی دُعا عبادات بدنیہ کے قبیل سے ہے اس کا بالاجماع اجر ملتا ہے تو دو رکعت کا ثواب بھی بالاجماع پہنچنا چاہیے۔

بَابُ ماجاءَ فِي نَفَقَةِ المَرْأَةِ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا بیوی کا خرچ کرنا خاوند کے گھر سے جائز ہے یا نہیں؟

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ البَاهِلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خُطْبَتِهِ عَامَ حَجَّةِ الوَدَاعِ يَقُولُ لَا تُنْفِقُ امْرَأَةٌ شَيْئًا مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا، قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ وَلَا الطَّعَامَ قَالَ ذَالِکَ أَفْضَلُ أَمْوَالِنَا.

ترجمہ: حضرت ابی امامہ باہلی سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے سال خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ نہ خرچ کرے کوئی عورت کسی چیز کو بغیر اجازت اپنے شوہر کے عرض کیا یا رسول اللہ! اور کھانا بھی کسی کو نہ دے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تو ہمارے سب مالوں سے بہتر ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا تَصَدَّقَتِ المَرْأَةُ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا كَانَ لَهَا بِهِ أَجْرٌ وَلِلزَّوْجِ مِثْلُ ذَلِكَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذَلِكَ وَلَا يَنْقُصُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ مِنْ أَجْرِ صَاحِبِهِ شَيْئًا لَهُ بِمَا كَسَبَ وَلَهَا بِمَا أَنْفَقَتْ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب خیرات کرے عورت اپنے شوہر کے گھر سے تو ہوتا ہے اس کو بھی اجر اور اس کے خاوند کو بھی اس کے برابر اجر اور ایک کے اجر سے دوسرے کا اجر گھٹتا نہیں، شوہر کو کمائی کا اجر ہے اور عورت کو خرچ کرنے کا اجر۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَعْطَتِ المَرْأَةُ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا بِطِيبِ نَفْسٍ غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا مِثْلُ أَجْرِهِ لَهَا مَا نَوَتْ حَسَنًا وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذَلِك.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب خیرات دیتی

ہے کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے دِل کی خوشی سے نہ فساد کی نیت سے تو ثواب ہے مرد کے ثواب کے برابر اس کو اپنی نیک نیتی کا اور خازن (خزانچی) کو مانند اس کے۔

تشریح اس پر تو اتفاق ہے کہ عورت کا خاوند کے مال سے بالا جازۃ صدقہ کرنا جائز ہے خواہ اجازت صریحہ ہو یا اجازت حکمیہ ہو اجازت صریحہ تو واضح ہے اور اجازت حکمیہ یہ ہے کہ خاوند ناراض نہ ہو اور جن نصوص میں صدقہ زوجہ مال الزواج میں اجازت کا ذکر نہیں وہاں بھی یہ قید معتبر ہے کسی مسئلہ میں قید کے واجب ہونے سے یہ واجب نہیں کہ ہر حدیث میں قید معتبر ہو۔

سوال: جیسے عورت کے لیے خاوند کی اجازت ضروری ہے اس کا برعکس بھی یہی ہے کہ زوجہ کی اجازت کے بغیر خاوند کیلئے خرچ کرنا جائز نہ ہو، پھر کیا وجہ ہے کہ زوجہ کی اجازت کا ذکر تو موجود ہے اور زوج کو نہی نہیں ہے؟

جواب: زوج کو نہی کرنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ زواج کی غیرت اس سے مانع ہے کہ وہ عورت کو دینے کے بجائے اس کے مال سے لے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَدَقَةِ الفِطْرِ صدقۂ فطر کے متعلق

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الخُدْرِيِّ قَالَ كُنَّا نُخْرِجُ زَكَاةَ الفِطْرِ إِذْ كَانَ فِينَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيبٍ أَوْ صَاعًا مِنْ أَقِطٍ، فَلَمْ نَزَلْ نُخْرِجُهُ حَتَّى قَدِمَ مُعَاوِيَةُ المَدِينَةَ فَتَكَلَّمَ فَكَانَ فِيمَا كَلَّمَ بِهِ النَّاسَ إِنِّي لَأَرَى مُدَّيْنِ مِنْ سَمْرَاءِ الشَّامِ تَعْدِلُ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ قَالَ: فَأَخَذَ النَّاسُ بِذَلِكَ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ فَلَا أَزَالُ أُخْرِجُهُ كَمَا كُنْتُ أُخْرِجُهُ.

ترجمہ حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا ہم صدقۂ فطر دیا کرتے تھے جب ہم میں تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع غلے سے یا ایک صاع جَو سے یا ایک صاع کھجور سے یا ایک صاع انگور خشک سے یا ایک صاع اقط سے پھر ہم ایسے ہی صدقہ فطر دیتے تھے یہاں تک کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے مدینے میں اور وعظ بیان کیا۔ پس تھا اس میں جو بیان کیا تھا آدمیوں سے کہ کہا انہوں نے میں گمان کرتا ہوں کہ دو مد گیہوں شام کے برابر ہیں قیمت میں ایک صاع تمر کے۔ کہا راوی نے پھر لوگوں نے اسی کو اختیار کیا یعنی دو مد گیہوں دینے لگے۔ کہا ابو سعید نے میں ہمیشہ وہی دیتا ہوں جو پہلے دیتا تھا۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِيًا فِي فِجَاجِ مَكَّةَ أَلَا إِنَّ صَدَقَةَ الفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ أَوْ سِوَاهُ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ.

ترجمہ حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ایک منادی کو مکے کی راہوں میں کہ پکار دے آگاہ ہو صدقہ فطر واجب ہے ہر مسلمان پر مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، چھوٹا ہو یا بڑا دو مد میں گیہوں سے یا سوائے اس کے ایک صاع ہر قسم کے غلہ سے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَةَ الفِطْرِ عَلَى الذَّكَرِ وَالأُنْثَى وَالحُرِّ وَالمَمْلُوكِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ, قَالَ فَعَدَلَ النَّاسُ إِلَى نِصْفِ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مقرر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر مرد عورت اور آزاد و غلام پر ایک صاع جَو سے کہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پھر کر دیا لوگوں نے اسے آدھا صاع گیہوں کا۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ زَكَاةَ الفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ عَلَى كُلِّ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى مِنَ المُسْلِمِينَ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا صدقہ فطر کو رمضان کے ایک صاع کھجور سے یا ایک صاع جَو سے ہر آزاد پر یا غلام پر مرد ہو یا عورت مسلمانوں سے۔

تشریح صدقۃ الفطر......چونکہ یہ مالی عبادت ہے اس لیے زکوٰۃ کے ساتھ ذکر کیا۔

مسئلہ (۱): صدقۃ الفطر کی حیثیت کیا ہے؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک واجب ہے۔

قول ثانی: شوافع کے ہاں فرض ہے۔

قول ثالث: مالکیہ کے ہاں سنت مؤکدہ ہے۔

احناف کی دلیل: وہ احادیث متعلقہ "بصدقة الفطر" جن میں "ادوا زکوة الفطر" کے الفاظ ہیں۔ چنانچہ ابوداؤد میں ایسی روایات موجود ہیں جن میں صدقۃ الفطر کا حکم بصیغہ امر دیا گیا ہے اور وجوب امر کے لیے ہوتا ہے جبکہ قرینہ صارفہ عن الوجوب نہ ہو۔

شوافع کی دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما "الذی اخرجه صحیحین . . . فرض رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلّم زکوة الفطر"

جواب (۱): فرض اصطلاحی مراد نہیں ہے بلکہ فرض بمعنی ہے مقرر فرمایا اور یہ وجوب کو شامل ہے۔

جواب (۲): یہ خبر واحد ہے اس سے فرضیت قطعی ثابت نہیں ہو سکتی، باقی یہ کوئی وزنی اختلاف نہیں، احناف جو کہتے ہیں کہ واجب ہے، مطلب یہ ہے کہ فرض عملی ہے اور شوافع بھی فرض عملی قرار دیتے ہیں صرف تعبیر کا اختلاف ہے۔

سوال: حدیث اعرابی میں ہے کہ اعرابی نے سوال کیا کہ کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی چیز فرض ہے تو آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے فرمایا "قال لاالا آن تطوع" یہ سوال احناف وشوافع دونوں پر ہے؟

جواب: حدیث اعرابی میں اُس صدقہ کا بیان ہے جس کا سبب مال ہو اور فرضِ قطعی کا بیان ہے اور وہ منحصر ہے زکوٰۃ میں، اور صدقۃ الفطر کا سبب "رأس بمونۃ" ہے۔

مسئلہ (۲): صدقۃ الفطر واجب کب ہوتا ہے؟

قولِ اوّل: احناف کے نزدیک یکم شوال کی صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد واجب ہوتا ہے۔

قولِ ثانی: جمہور کے نزدیک رمضان کے اخیری دن کے سورج کے غروب ہونے کے بعد عام ازیں، انتیس کا ہو یا تیس کا۔

ثمرہ اختلاف: جو آدمی یکم شوال کی رات وفات پا جائے اس کا صدقہ فطر ضروری ہوگا یا نہیں؟ احناف کے نزدیک ضروری نہیں کیونکہ وجوب کا وقت نہیں پایا گیا اور جمہور کے نزدیک ضروری ہے کیونکہ وجوب کا وقت پالیا۔ باقی اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ اس میں جو صدقہ کی اضافت فطر کی طرف ہے اس سے کون سا فطر مراد ہے تو احناف کہتے ہیں کہ ایسا فطر مراد ہے جو رمضان اور غیر رمضان کے درمیان ممیز ہو اور رمضان اور غیر رمضان میں تمیز یکم شوال کی صبح صادق طلوع ہونے کے بعد ہوگی اور جمہور کے نزدیک فطر سے مراد فطر معتاد ہے۔ الراجح ھو الاوّل کیوں کہ فطر معتاد تو روزانہ پایا جاتا ہے۔

مسئلہ (۳): صدقۃ الفطر کے وجوب کے لیے نصاب بھی ضروری ہے یا نہیں؟

قولِ اوّل: احناف کے نزدیک نصاب کا ہونا شرط ہے۔ عام ازیں حولی ہو یا نہیں بخلاف زکوٰۃ کے نصاب کے اس میں حولانِ حول ضروری ہے۔

قولِ ثانی: جمہور وشوافع کے نزدیک صدقۃ الفطر ہر اس شخص پر فرض ہے جو ایک دن رات کے خرچہ سے زائد کا مالک ہو اور ظاہر ہے اس میں کوئی نصاب تو نہیں پایا جاتا۔

احناف کی دلیل اوّل: وہ احادیث متعلقہ بصدقۃ الفطر جن میں صدقہ فطر کو زکوٰۃ سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے اس باب کی حدیث "ابو سعید کنا نخرج زکوۃ الفطر" اور زکوٰۃ کا لفظ نصاب کا مقتضی ہے۔

دلیل ثانی: "لا صدقۃ الا ظھر غنی مالداری" شرعاً صاحب نصاب کی معتبر ہوتی ہے۔

شوافع کی دلیل: حدیث عبداللہ بن ثعلبہ "الذی اخرجہ ابو داؤد، فاما غنیکم فزکیۃ اللہ تعالیٰ" یعنی اغنیاء کے مال کو اللہ فطر کی وجہ سے پاک کریں گے۔ "واما فقیر کم فاعطاہ اللہ اکثر مما اعطاہ" یہاں فقیرکم دال ہے اس بات پر کہ صدقہ فطر فقیر پر بھی واجب ہے۔

جواب (۱): اس حدیث میں فقیر سے فقیر اضافی مراد ہے یعنی بڑے درجہ کے اغنیاء کے مقابلے میں ادنیٰ غنی فقیر ہی ہے حقیقی فقیر مراد نہیں ہے۔

جواب (۲): یہ حدیث سنداً ان نصوص کے معارض نہیں بن سکتی جو نصاب کے ضروری ہونے پر دال ہیں۔

چنانچہ اس میں نعمان بن راشد کو متکلم فیہ قرار دیا گیا ہے۔

مسئلہ (۴): کن کن کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا ضروری ہے؟......بعنوان آخر مولیٰ پر عبد کافر کا صدقہ فطر ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک صدقہ فطر عبد کافر کا اداء کرنا ضروری ہے۔

قول ثانی: شوافع جمہور کے نزدیک مولیٰ پر صرف عبد مسلم ہی کا صدقہ فطر ادا کرنا ضروری ہے اور واجب ہے۔

دلائل ابی حنیفہ رحمہ اللہ، دلیل اوّل:

صحیح مسلم میں ہے صفحہ ۳۱۶ "قال علیه السلام لیس فی العبد صدقة الفطر" یہاں پر لفظ عبد مطلق ہے جو عبد کافر کو بھی شامل ہے۔ امام بخاری بھی مذہب حنفی کی طرف مائل ہیں۔

دلیل ثانی: مسلم شریف میں ہے "عن ابن عمر قال فرض رسول اللہ زکٰوۃ الفطر صائما من تمر او صاعا من شعیر علی کل عبد" یہاں پر بھی لفظ عبد مطلق ہے کافر کو بھی شامل ہے۔

دلیل ثالث: صحیح مسلم میں ہے "عن ابی سعید الخدری قال کنا نخرج او کان فینا رسول اللہ زکٰوۃ الفطر عن کل صغیر و کبیر حر او مملوک صاعا من طعام او صاعا من تمر" (عینی، ج: ۴، ص: ۴۶۵، فتح الملہم، ج: ۳، ص: ۱۳)

شوافع وجمہور حضرات کی دلیل اوّل:

روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے "مرفوعا وفیه علی کل حر او عبد ذکر او انثی من المسلمین رواہ مسلم و ترمذی" اس میں حر و عبد و ذکر و انثیٰ کی تقیید بالمسلمین کی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ عبد کافر کی طرف سے ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔

جواب (۱): صدقۃ الفطر کے وجوب کا سبب جیسے عبد مسلم کا ہونا ہے ایسے ہی سبب عبد کافر کا ہونا ہے اور شئی واحد کے متعدد اسباب کا ہونا یہ کوئی مضر نہیں ہے۔ لہٰذا جو حدیث مطلق عبد کے بارے میں ان کو اپنے اطلاق پر رکھ کر عمل کیا جائے گا اور جو احادیث من المسلمین سے مقید ہیں ان کو تقیید پر رکھ کر عمل کیا جائے گا۔

جواب (۲): من المسلمین کا تعلق مخرج عنہم سے نہیں بلکہ مخرجین کے ساتھ ہے یعنی اس مولیٰ پر صدقہ واجب ہوگا جو مسلمان ہو آگے عبد میں تعمیم ہے خواہ مسلم ہو یا کافر ہو کم از کم اس کا احتمال تو موجود ہی ہے اور مجیب کے لیے احتمال پیدا کر دینا ہی کافی ہے۔

جواب (۳): من المسلمین کو نقل کرنا یہ تفرد ہے امام مالک کا لیکن یہ جواب پسندیدہ نہیں کیونکہ مالک رحمہ اللہ بھی تو ثقہ ہیں تو یہ زیادہ ثقہ مقبولۃ ہے۔ نیز یہ ان کا تفرد بھی نہیں ہے بلکہ متابع موجود ہیں، عمر بن نافع وہ بھی من المسلمین کو نقل کرتے ہیں۔

جواب (۴): یہ قید بیان واقعہ کے لیے ہے کوئی احتراز مقصود نہیں ہے اس پر وزنی قرینہ یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ وہ اپنے عبد کافر کی طرف سے صدقہ فطر ادا کیا کرتے تھے اور اپنا عمل روایت کے خلاف ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔

مسئلہ (۵): کتنی مقدار صدقہ فطر واجب ہوگا تو اس پر تو اتفاق ہے کہ اگر گندم کے ماسوا ہو، دیگر انواع اطعمہ سے ادا کیا جائے تو پورا صاع ادا کرنا واجب ہے۔ البتہ اگر گندم سے ادا کیا جائے تو پھر کیا مقدار ہے؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک نصف صاع ادا کرے گا۔

قول ثانی: جمہور کے نزدیک گندم میں بھی پورا صاع ہوگا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہاں اس پانچویں مسئلہ کو ذکر کیا ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: حدیث عمرو بن شعیب "عن ابیه عن جدہ، الذی اخرجه الترمذی فی الباب، مدان من قمح و سواہ صاع"

دلیل ثانی: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما "بطریق ایوب عن نافع، فعدل النّاس الٰی نصف صاع من برّ" ان اشیاء کے ایک صاع کو گندم کے نصف کے برابر قرار دیا۔

دلیل ثالث: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما "اخرجه ابو داؤد، او نصف صاعٍ من قمحٍ"

دلیل رابع: حدیث عبداللہ بن ثعلبہ، تائید کے درجے میں ہے۔ "صاع من برّ او قمحٍ عن کل اثنین" گندم کا ایک صاع یہ کفایت کرے گا دو آدمیوں کی طرف سے یعنی فی کس نصف صاع آئے گا۔

دلیل خامس: مرسل سعید بن مسیب "الذی اخرجه ابو داؤد فی مراسیله ... فرض رسول اللہ صلی اللہ علیه و آله وسلّم زکٰوۃ الفطر مدّین من حنطة" ایک صاع میں چار مد ہوتے ہیں اور دو مد نصف ہے۔ اس حدیث کی سند کے متعلق کہا گیا ہے کالشمس اور مراسیل سعید ابن مسیب بالاجماع ہو حجت ہیں۔

دلیل سادس: فتویٰ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ "الذی اخرجه الترمذی، انی لاریٰ مدین من سمراء (گندم) الشام تعدل صاع من تمرٍ قال فاخذ النّاس بذالک" لیکن اس پر چند سوالات ہیں۔

سوال (۱): ابوسعید نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟

جواب (۱): عمل ابوسعید مخالفت کی وجہ سے نہیں بلکہ ابوسعید فرماتے ہیں کہ جس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہم دیگر اشیاء میں سے ہر چیز کا ایک ایک صاع ادا کرتے تھے یہ مطلب نہیں کہ گندم میں بھی ایک صاع ادا کرتا اور مخالفت تب ہو کہ جب گندم میں بھی ایک صاع ادا کرتے۔

جواب (۲): اگر مان لیں کہ ابوسعید حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے کے بعد بھی پورا صاع ادا کرتے تھے تو نصف علی سبیل الوجوب اور مازاد علی نصف الصاع بطور تطوع ادا کرتے تھے۔

جواب (۳): حضرت ابوسعید نے اس کے خلاف کوئی نص پیش نہیں کی، اگر کوئی نص ہوتی تو امیر معاویہ کے زمانہ میں پیش کرتے، یہ بھی مستقل دلیل ہے کہ نص موجود نہ تھیں۔

سوال (۲): ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا نصف صاع پر عمل ہوا، حضرت معاویہ رضی

اللہ عنہ کی رائے کی وجہ سے اور ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نصف صاع من حنطۃ پر عمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی وجہ سے، فرمایا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے حنطہ کے نصف صاع کو صاع من تمر صاع شعیر کے برابر قرار دیا۔ "فعمل الناس بعد"

جواب: کوئی تعارض نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے پہلے گندم کا مدینہ میں آنا قلیل تھا، گویا کہ کالعدم تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کثرت سے آنے لگی، انہوں نے اپنے اجتہاد سے نصوص کی روشنی میں گندم کے نصف صاع کو صاع تمر کے مساوی قرار دیا، پھر بعد میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور ہوا، فتن پھیلے، اسی حال میں ان کی شہادت ہوئی، ان فتن کی وجہ سے یمن سے مدینہ کی طرف آنے والی گندم کا سلسلہ بند ہوگیا، پھر لوگ صاع من تمر وغیرہ ادا کرتے تھے، چلتے چلاتے جب حسن نے مصالحت کی حضرت معاویہ کے ساتھ پھر جب امن ہوا تو مدینہ کی طرف گندم آنے کا سلسلہ پھر شروع ہوا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے اور فرمایا کہ میری رائے پہلے کی طرح ہے کہ گندم کا نصف صاع صاعِ تمر کے برابر ہے، درمیان میں انقطاع ہوا، عوارض کی وجہ سے اس تفصیل سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے بھی یہی تھی کہ گندم کا نصف صاع صاع من تمر وغیرہ کے مساوی ہے تو یہ احناف کی مستقل دلیل بن جائے گی اور مسند عبدالرزاق میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عمل بھی یہی منقول ہے کہ گندم کا نصف صاع صدقہ فطر میں کافی ہو جائے گا، ایسے ہی حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے متعلق بھی حدیث کی کتابوں میں منقول ہے کہ اپنے اپنے زمانہ میں انہوں نے نصف صاع "من بُرّ" کو صاع تمر کے مساوی قرار دیا، گویا کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل احناف کے موافق ہے۔

آئمہ ثلاثہ کی دلیل: حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ "کنا نخرج زکٰوۃ الفطر اذا کان فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم صاعً من طعامٍ او صاعًا من شعیرٍ الخ"

طریق استدلال

اس حدیث کے ابتدائی جملے میں طعام کا مصداق گندم ہے کیونکہ باقی چیزوں پر عطف ہو رہا ہے اور عطف تقاضا کرتا ہے تغایر کا اب معنی ہوگا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں گندم ایک صاع ادا کرتے تھے۔

جواب: آپ کا استدلال کمزور ہے اس میں الطعام کا مصداق حنطۃ ہے ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ مابعد والی اصناف اربعہ میں پہلے اجمال ہے بعد میں تفصیل ہے اس پر دو قرینہ (۱) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا وہ قول جو بخاری میں ہے "وکانا طعامنا یومئذٍ الشعیر و الزبیب و الاقط و التمر" اس طعام کی یہی تفصیل فرمائی۔

قرینہ (۲): لفظ طعام کا اطلاق گندم کے ماسواء پر ہوتا ہے یا نہیں تو فصحاء کی کلام بلکہ احادیث میں اطلاق ہوا ہے۔ چنانچہ حدیث مصراۃ صفحہ نمبر ۱۵۰ پر ہے "ردمعھا طعامًا لا سمراء" اب یہاں پر طعام کا اطلاق گندم کے ماسواء پر ہے۔

سوال: براۃ ذمہ کا یقینی ہونا تو پورے صاع میں ہے؟

جواب: یہاں دلائل اس قدر موجود ہیں کہ جو دال ہیں اس بات پر کہ نصف صاع کے ادا کرنے سے بھی برأۃ ذمہ یقینی ہو جائے گی اور جہاں احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہیں وہاں اس قسم کے دلائل نہیں ہوتے۔ یہاں امام ترمذی رحمہ اللہ عبد کا فر کا صدقہ اور مسئلہ نمبر ۵ کو زیر بحث لائے ہیں۔

مسئلہ (۶): کون سے صاع کے ساتھ صدقہ فطر ادا کیا جائے گا؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک "صاعِ کوفی صاعِ عمری" سے ادا کیا جائے گا۔

قول ثانی: جمہور کے نزدیک صاعِ حجازی کے ساتھ۔

مسئلہ (۷): صدقہ فطر کے وجوب میں حکمت کیا ہے؟

جواب: رمضان میں واقع ہونے والی کمی کوتاہی کا تدارک اور فقراء کا نفع ہے تاکہ وہ بھی خوشی منا سکیں، یہ حکمت ہے علت نہیں ہے اور یہ بعض افراد کی طرف سے پایا جانا کافی ہے ہر فرد کے اندر پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ ان مسائل سبعہ کا مختصر اجمالی عنوان "هل تجب، حتى تجب، على تجب، عمن تجب، كم تجب، باى صاع تجب، لم تجب"...... قدوری کی شرح الجوہرۃ النیرہ میں اسی طرح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْدِيمِهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ صدقہ فطر نمازِ عید سے قبل دینا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ بِإِخْرَاجِ الزَّكَاةِ قَبْلَ الْغُدُوِّ لِلصَّلَاةِ يَوْمَ الْفِطْرِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم کرتے تھے صدقہ فطر دینے کا نماز کو چلنے سے پہلے عید فطر کے دن۔

تشریح: عید الفطر کا صدقۃ الفطر نماز سے پہلے اداء کرنا افضل ہے لیکن بایں ہمہ اگر اداء کرنا رہ گیا تو ذمہ باقی رہے گا۔

مسئلہ (۸): مستحب یہ ہے کہ یہ صدقہ ادا کیا جائے قبل صلوٰۃ العید باقی ادا قبل یوم الفطر میں بحث ہے۔

یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ (۱) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک سال بلکہ دو سال پہلے بھی صدقہ فطر ادا کرنا جائز ہے۔

(۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے تین قول ہیں۔

(۱) ایک سال پہلے ادا کر سکتا ہے۔ (۲) رمضان کا چاند نظر آ گیا تو صدقہ فطر دے سکتا ہے۔

(۳) صدقہ فطر کی ادائیگی رمضان کے پہلے روزے کے طلوع فجر کے بعد جائز ہے طلوع فجر سے پہلے جائز نہیں۔

(۴) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک دو دن تقدیم مستحب ہے اس سے زیادہ جائز نہیں۔ (شرح مہذب جلد: ۶ صفحہ ۱۲۸ باقی تعجیل زکوٰۃ جائز ہے عند ابی حنیفہ وشافعی واحمد واسحاق اور غیر جائز ہے عند سفیان ثوری اور مکروہ عند مالک ولیث، عینی جلد: ۴، صفحہ ۳۹۶، فتح الباری، ج: ۳، صفحہ ۲۶۶)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْجِيلِ الزَّكَاةِ وقت سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا

عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ العَبَّاسَ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تَعْجِيلِ صَدَقَتِهِ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ فَرَخَّصَ لَهُ فِي ذَٰلِكَ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پوچھا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ دے دینے کو قبل وقت آنے کے پس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی اجازت دی۔

عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعُمَرَ إِنَّا قَدْ أَخَذْنَا زَكَاةَ الْعَبَّاسِ عَامَ الْأَوَّلِ لِلْعَامِ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم لے چکے ہیں زکوٰۃ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس سال کی سال گزشتہ میں۔

تشریح......مسئلہ یہ ہے کہ حولانِ حول کے گزرنے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

قول اوّل: جمہور کے نزدیک حولانِ حول سے پہلے بھی زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے۔

قول ثانی: مالکیہ کے نزدیک لا یجوز۔

جمہور کی دلیل: حدیث الباب ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حولانِ حول سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنے کا سوال کیا تو فرخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دوسری حدیث کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اور خالد بن ولید ابن جمیل کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عباس رضی اللہ عنہ پیشگی زکوٰۃ دے دی ہے تو دونوں کا قدر مشترک یہ ہے کہ حولانِ حول سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے۔

مالکیہ کی دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما موطا امام مالک میں ہے کہ "لا زکوۃ فی مال حتی یحول علیہ الحول"

جواب (۱): اس حدیث کا مصداق یہ ہے کہ وجوب تب ہوگا جب حولانِ حول ہو اور نصاب کے بعد نفس وجوب ہو جائے گا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت نقل کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پیشگی زکوٰۃ دی جبکہ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مہلت مانگی تھی۔

جواب (۲): بعض اوقات اس طرح ہوا اور بعض اوقات اُس طرح ہوا یعنی دونوں واقعے پیش آئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمَسْأَلَةِ اس بیان میں کہ سوال منع ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَأَنْ يَغْدُوَ أَحَدُكُمْ فَيَحْتَطِبَ عَلَى ظَهْرِهِ فَيَتَصَدَّقَ مِنْهُ فَيَسْتَغْنِيَ بِهِ عَنِ النَّاسِ، خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ رَجُلًا أَعْطَاهُ أَوْ مَنَعَهُ ذَٰلِكَ

فَإِنَّ الْيَدَ الْعُلْيَا أَفْضَلُ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے اگر سویرے جائے کوئی اور لکڑیوں کا گٹھا لے آئے اپنی پیٹھ پر یعنی جنگل سے اور صدقہ دے اس کی قیمت سے اور بے پرواہ رہے لوگوں سے یعنی اس میں کھائے پئے کسی سے سوال نہ کرے تو بہتر ہے اس کو کہ سوال کرے کسی سے اور وہ شخص دے اسے یا دنہ دے اس لیے کہ اونچا ہاتھ یعنی دینے والے کا بہتر ہے نیچے ہاتھ یعنی مانگنے والے کے اور پہلے خرچ کر اُن پر جن کو تو روٹی کپڑا دیتا ہے۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَسْأَلَةَ كَدٌّ يَكُدُّ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهُ إِلَّا أَنْ يَسْأَلَ الرَّجُلُ سُلْطَانًا أَوْ فِي أَمْرٍ لَا بُدَّ مِنْهُ.

ترجمہ حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق سوال کرنا ایک خرابی ہے کہ خراب کرتا ہے اس سے آدمی اپنی آبرو کو یا ایک زخم ہے کہ زخمی کرتا ہے اس سے آدمی اپنے مُنہ کو مگر یہ کہ سوال کرے آدمی کسی حاکم سے یا کسی اَمرِ ضروری میں۔

تشریح پہلی بات: مانگنے کا کیا حکم ہے اور اس کی شرائط جواز کیا ہیں؟

فقہاء کہتے ہیں کہ بلاضرورت سوال کرنا حرام ہے اور اگر ضرورت ہو تو تین شرائط کے ساتھ جائز ہے۔(۱) ایسے طریقے سے نہ مانگے کہ اس کی ذلت ظاہر ہو۔(۲) التجاء نہ کرے۔(۳) مسئول عنہ کو بار بار مانگ کر تکلیف نہ پہنچائے۔

دوسری بات: کتنی مقدار گھر میں موجود ہو تو مانگنا جائز ہے؟ کیا اس کی کوئی شرعی حد مقرر ہے؟

صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ جس کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہو، اس کے لیے سوال کرنا جائز نہیں۔ چاہے ایک دن کا کھانا پینا بالفعل موجود ہو یا بالقوۃ ہو، یعنی تندرست آدمی ہے کما کر ایک دن کا کھانا بنا سکتا ہے۔ اس لیے اگر کسی مدرسہ میں ایک دن کا کھانا موجود ہو تو مہتمم صاحب کے لیے مانگنا جائز نہیں۔

تیسری بات: الید العلیا خیر من الید السفلی کی تشریح

معارف السنن میں اس کی تفسیر میں سات اقوال نقل کیے ہیں۔

(۱) راجح یہ ہے کہ ید علیاء سے ید منفقہ مراد ہے اور ید سفلیٰ سے ید سائلہ مراد ہے۔

(۲) بعض نے کہا ہے کہ ید علیاء سے منفقہ اور ید سفلیٰ سے ید مانعہ مراد ہے۔

(۳) بعض نے کہا ہے کہ ید علیاء سے وہ مراد ہے جو زیادہ خرچ کرے اور ید سفلیٰ سے وہ ید مراد ہے جو کم خرچ کرتا ہے۔

(۴) بعض نے کہا ہے کہ ید علیاء سے ید منفقہ مراد ہے اور سفلیٰ سے ید آخذہ مراد ہے یا اس کا عکس۔

(۵) ید علیاء سے مراد ید اللہ ہے اور ید سفلیٰ سے مراد ید سائل ہے۔

"قولہ وابدأبمن تعول" خرچ کرنے کی ابتداء اپنے اہل وعیال واقرباء سے کرنی چاہیے کیوں کہ اس میں دوہرا اجر ہے۔ ایک اجرانفاق اوردوسرا صلہ رحمی "کما قال علیہ الصلٰوۃ والسلام لہا اجران اجر القرابۃ و اجر الصدقۃ"

"قولہ ان المسالۃ کدٌ" مشقت ہے، سوال، زخم ہے بے رونقی ہے جس کے ذریعے انسان اپنے چہرے کو زخمی کرتا ہے بے رونق کرتا ہے۔

أَبْوَابُ الصَّوْمِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

روزوں سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث کے ابواب

پہلی بات: صوم کو حج پر مقدم کیا کیونکہ صوم بسیط ہے اور حج مرکب ہے؟

قرآن پاک کی بعض آیات میں بھی زکوٰۃ کے بعد صوم کا ذکر ہے۔ مثلاً "والخاشعین والخاشعات والمتصدّقین والمتصدّقات والصائمین والصائمات" تو بہت مناسب ہے کہ ابواب الزکوٰۃ کے بعد ابواب الصوم کو ذکر کیا جائے۔

دوسری بات: صوم کا لغوی معنی مطلقاً امساک ہے۔ اصطلاح شرع میں صوم اس کو کہتے کہ طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک نیت کے ساتھ مفطرات ثلاث سے اجتناب کرنا۔

تیسری بات: صوم کی فرضیت پر کتاب اجماع سنت معقول دال ہیں کتاب اللہ میں کئی آیات اس پر دال ہیں۔ "قال اللہ یایھا الذین أمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم۔ واما السنۃ فاحادیث کثیرۃ" نیز اس کی فرضیت پر اجماع ہے۔

باقی صوم کی فرضیت کب ہوئی؟ تو راجح یہ ہے کہ ۲ ہجری شعبان میں تحویل قبلہ کے دو ماہ بعد ہوئی یعنی ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد۔ البتہ اس میں یہ اختلافی مسئلہ ہے کہ صوم رمضان کی فرضیت سے پہلے کوئی روزہ فرض تھا یا نہیں؟

احناف کا مؤقف یہ ہے کہ اس سے پہلے صوم عاشورہ فرض تھا پھر اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور استحباب باقی رہا اور بعض روایتوں میں ہے کہ صوم رمضان سے پہلے ایام بیض ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵ کے روزے فرض تھے، رمضان کی فرضیت سے وہ منسوخ ہوگئے، ان کی فرضیت پر اُمت کا اجماع ہے۔

سوال: لیکن بعض ملحدین نے اشکال کیا کہ قرآن کریم میں ایاماً معدودات ایام جمع قلت ہے اور جمع قلت کا اطلاق تین سے لے کر دس تک ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دس روزے ہی کافی ہیں؟

جواب: ایاماً معدودات میں اجمال ہیں اور اگلی آیت "فمن شھد منکم الشّھر فلیصمہ" یہ تفصیل ہے۔ نیز آپ حضرات کا یہ قاعدہ کہ جمع قلت کا اطلاق دس تک ہوتا ہے جب ایک لفظ کی جمع قلت بھی استعمال ہوتی ہو اور جمع کثرت بھی وہاں جمع قلت کا اطلاق دس تک ہوتا ہے اور یوم کی جمع صرف ایام ہی ہے اور اس کی کوئی جمع نہیں۔ لہٰذا یہ قاعدہ یہاں

جاری نہ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ قرآن میں ہزاروں جگہ ایام کا استعمال ہے۔ مثلاً "فذکر بایام اللہ" اور ہزاروں واقعات پر ایام کا اطلاق ہے ایسے ہی "تلک الایام نداولها" ایسے ہی "کلوا واشربوا هنیئا بما اسلفتم فی الایام الخالیه" یہ اسی وجہ سے ہے کہ یہ قاعدہ یہاں جاری نہیں ہوتا۔

چوتھی بات: صوم کی فرضیت کی حکمت مندرجہ ذیل ہے۔ (۱): شکر واجب وفرض ہے اور صوم وسیلہ الی شکر ہے۔ (۲): یہ وسیلہ الی التقویٰ ہے۔ "ولذا قال اللہ لعلکم تتقون" (۳): یہ سبب قہر نفس ہے۔ (۴): اس میں ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ (۵) اس میں بدنی معدے وغیرہ کے فوائد ہیں (۶) اس سے غلبہ علی الشیطان ہوتا ہے وغیرہ۔ بہر حال سارے سال کھانے سے معدے پر بوجھ پڑتا ہے جس سے معدہ ضعیف ہوتا ہے۔ صوم رمضان سے اس کا علاج ہوجاتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے

لم اری فی عیوب الناس عیبا کادخل الطعام علی الطعام

اس کا علاج رمضان سے ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ شَهْرِ رَمَضَانَ رمضان کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِدَتِ الشَّيَاطِينُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَفُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَيُنَادِي مُنَادٍ يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ہوتی ہے پہلی رات رمضان کے مہینے کی جکڑے جاتے ہیں شیاطین اور سرکش جن یعنی زنجیروں میں اور بند کیے جاتے ہیں دروازے دوزخ کے اور کھلا نہیں رہتا ان میں سے کوئی دروازہ اور کھولے جاتے ہیں دروازے جنت کے سو بند نہیں رہتا کوئی دروازہ اور پکارتا ہے پکارنے والا اے خیر کے طالب آگے بڑھ اور اے شر کے طالب ٹھہر جا اور اللہ کے آزاد کیے ہوئے بندے ہیں یعنی جو آزاد ہوتے ہیں آگ سے اور یہ معاملہ ہر رات میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَقَامَهُ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے روزے رکھے رمضان کے اور راتوں کو نماز پڑھی ایمان کے ساتھ اور ثواب کے لیے بخشے جائیں گے اگلے گناہ اور جس نے نماز پڑھی شب قدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کے لیے بخشے جائیں گے اس کے اگلے گناہ۔

تشریح ......رمضان کی وجہ تسمیہ (۱) رمضان رمض سے مشتق ہے اس کا معنی ہے شدید گرمی جس سال اس مہینہ کا یہ نام رکھا گیا وہ شدید گرمی اور تپش کا مہینہ تھا۔ (۲) رمضان رمض سے مشتق ہے اس کا معنی ہے جلانا اور ختم کرنا اور رمضان بھی گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔

(۳) رمضان اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور عظمت شان کے لیے اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اس کا معنی ہے "شہر اللہ"

"قولہ صفدت الشیاطین و مردۃ الجن"

سوال: جب شیاطین رمضان میں قید کر دیئے جاتے ہیں تو پھر گناہوں کا وقوع کیوں ہوتا ہے؟

جواب (۱): سرکش شیاطین قید ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ مردۃ الجن اس پر دال ہے اور گناہوں کا وقوع وصدور چھوٹے شیاطین کی وجہ سے ہوتا ہے۔

جواب (۲): قید تو سب شیطانوں کی ہوتی ہے لیکن گناہوں کا صدور شیاطین کی سابقہ تاثیر کی وجہ سے ہوتا ہے جیسے لوہے کو آگ میں گرم کیا جائے تو باہر نکالنے کے بعد بھی اثر باقی رہتا ہے، بالکل ایسے ہی شیاطین کی گیارہ ماہ کی صحبت کا اثر باقی رہتا ہے۔

جواب (۳): بیشک شیاطین جن کی قید ہوتی ہے لیکن شیاطین الانس آزاد ہوتے ہیں، گناہوں کا صدور انہیں کے اختلاط کی وجہ سے ہوتا ہے۔ "من الجنۃ و الناس"

جواب (۴): گناہوں کا صدور صرف شیاطین کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ نفس امارہ کی وجہ سے بھی ہوتا ہے ورنہ تو سوال ہوگا کہ ابلیس سے کیوں گناہ کا صدور ہوا۔

جواب (۵): تصفید، یہ کنائی معنی مراد ہے قید ہوتی ہے یعنی اضلال کی کارروائیوں میں کمی ہو جاتی ہے، اس کا مشاہدہ ہے کہ رمضان میں غیر رمضان کی بنسبت گناہوں میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

سوال: اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ رمضان سے پہلے جہنم کے دروازے کھلے ہوتے ہیں حالانکہ قرآن کریم میں آتا ہے "حتی اذا جاؤھا فتحت ابوابھا"

جواب (۱): تغلیق کنایہ ہے اس بات سے کہ عذاب کو دور کر دیا جاتا ہے، بندوں سے ہٹا دیا جاتا ہے اور کافر جو مدفون ہوں گے رمضان میں ان کے معذب فی القبر ہونے کے لیے کسی باب صغیر کا کھول دینا ہی کافی ہے۔

جواب (۲): نیز آیت کریمہ سے ابواب کے متعلق ہونے پر دوام معلوم نہیں ہوتا بلکہ کھلتے بند ہوتے رہتے ہیں۔

سوال: غلق ابواب جہنم اور فتح ابواب الجنۃ کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: فائدہ یہ ہے کہ انسان کو اعمال "مفضیہ الی الجنۃ" کی توفیق اور اعمالِ مفضیہ الی النار سے بچنے کی توفیق مل جاتی ہے۔

سوال: "ینادی منادیا" یہ نداء تو ہمیں سنائی نہیں دیتی، اے خیر کے طلب کرنے والے متوجہ ہو؟

جواب: مخبر صادق کا خبر دینا قائم مقام سنائی دینے کے ہے۔ "ایمانا و احتسابا" کی قید سے معلوم ہوا کہ نہ تو کافر کو کوئی فائدہ ہوگا اور نہ ہی ریا کار کو۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا تَقَدَّمُوا الشَّهْرَ بِصَوْمٍ رمضان کے استقبال کی نیت سے روزے نہ رکھو

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقَدَّمُوا الشَّهْرَ بِيَوْمٍ وَلَا بِيَوْمَيْنِ إِلَّا أَنْ يُوَافِقَ ذٰلِكَ صَوْمًا كَانَ يَصُومُهُ أَحَدُكُمْ صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَعُدُّوا ثَلَاثِينَ ثُمَّ أَفْطِرُوا.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ رکھو روزہ ایک دن یا دو دن پیشتر رمضان سے بہ نیت استقبال مگر یہ کہ موافق ہو جائیں وہ دن یعنی آخر شعبان کے کسی روزے کے کہ ہمیشہ رکھتا تھا یعنی مثلاً پنج شنبہ اور جمعہ کو روزہ رکھتا تھا اور آخر شعبان میں وہی دن واقع ہوا تو کچھ مضائقہ نہیں اور روزہ رکھو چاند رمضان کا دیکھ کر اور افطار کرو شوال کا چاند دیکھ کر سو اگر بدلی ہو جائے تو پورے تیس گن لو پھر روزہ موقوف کرو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقَدَّمُوا شَهْرَ رَمَضَانَ بِصِيَامٍ قَبْلَهُ بِيَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ رَجُلٌ كَانَ يَصُومُ صَوْمًا فَلْيَصُمْهُ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ استقبال کرو رمضان کا ایک یا دو دن پہلے روزے رکھ کر مگر یہ کہ ہووے (پہلے سے) کوئی شخص کہ روزہ رکھتا ہے ایک دن مقرر میں اور وہ دن ہو آخر شعبان تو روزہ رکھ لے۔

تشریح: رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھا جائے، باقی رمضان سے پہلے روزہ رکھنے میں حکمت کیا ہے؟ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے استقبالِ رمضان کی طرف یعنی استقبالِ رمضان کی نیت سے روزہ رکھا جائے ورنہ سداً للباب المعتاد منع کیا جائے گا کہ فرض نہ سمجھ لیا جائے اور دوسری علت نہی کی یہ ہے فرضوں کے ساتھ نفلوں کا اختلاط نہ ہو۔

سوال: مابعد میں حدیث آئے گی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبان کے آخری دنوں میں روزہ رکھنا مباح تو مباح ایک دو دن پہلے ہوں گے جبکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ رکھنا منع ہے؟

جواب: اگر صوم غیر معتاد ہو تو پھر نہی ہے اور اگر معتاد ہو تو پھر اباحت ہے یعنی ایک شخص کی عادت ہے کہ جمعرات کو روزہ رکھتا ہے، اتفاق سے شعبان کا آخری دن جمعرات کو آ گیا تو اس کے لیے اباحت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ صَوْمِ يَوْمِ الشَّكِّ شک کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے

عَنْ صِلَةَ بْنِ زُفَرَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ فَأُتِيَ بِشَاةٍ مَصْلِيَّةٍ فَقَالَ كُلُوا فَتَنَحَّى بَعْضُ الْقَوْمِ فَقَالَ إِنِّي صَائِمٌ فَقَالَ عَمَّارٌ مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِي يَشُكُّ فِيهِ النَّاسُ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ حضرت صلہ بن زفر سے روایت ہے کہ ہم تھے عمار بن یاسر کے پاس تو لائے گئے ایک بکری بھنی ہوئی سو کہا عمار نے کھاؤ سو کنارے ہو گئے بعضے لوگ اور کہا کہ ہم روزہ دار ہیں تو کہا عمار نے جس نے روزہ رکھا شک کے دن میں یعنی انتیسویں تاریخ شعبان کی اگر چاند بسبب بدلی کے نہ دکھائی دیا تو بعد اس کے یوم الشک ہے تو جس نے روزہ رکھا اس دن بیشک نافرمانی کی اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ابوالقاسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ہے۔

تشریح دو مسئلے ہیں۔(۱)"یوم الشک" کا مصداق کیا ہے۔(۲) یوم الشک میں روزہ رکھنے کا حکم کیا ہے۔

مسئلہ اولیٰ: یوم الشک کا مصداق راجح قول کے مطابق ۲۹/انتیس شعبان کو غروب آفتاب کے بعد مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے جس کی وجہ سے شعبان کے تیسویں دن کا بھی احتمال ہو اور یہ بھی احتمال ہو کہ رمضان کی پہلی تاریخ ہے اور اگر مطلع صاف ہو، لوگوں نے چاند کو نہ دیکھا ہو غفلت کی وجہ سے یا دیکھا اور قاضی نے شہادت رد کر دی تو ہر دونوں صورتوں میں اگلے دن یوم الشک نہیں کہلائے گا۔

مسئلہ ثانیہ: یوم الشک میں روزہ کا حکم؟

معارف السنن میں ہے کہ جمہور صحابہ، آئمہ اربعہ، تابعین فقہاء و محدثین اس کی کراہت پر متفق ہیں۔ بعض فقہاء نے تفصیل بیان کی ہے کہ یوم الشک کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) ایک صورت یہ ہے کہ کوئی یوم الشک کو رمضان کے فرض روزے کی نیت سے روزہ رکھے یہ مکروہ ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ نفل کی نیت کرے، پھر دیکھیں گے کہ اس سے پہلے روزہ رکھنے کی عادت تھی یا نہیں۔ اگر اس خاص دن روزہ رکھنا اس کی عادت ہو تو اس میں کراہت نہ ہوگی۔

(۳) شک کے ساتھ نیت کرے، کہ اگر آج رمضان ہوا تو میرا روزہ فرض ہے اور اگر تیس شعبان ہے تو میرا نفلی روزہ ہے۔ باب کی حدیث سے یہی صورت مراد ہے۔ یہ بالاجماع ممنوع اور مکروہ صورت ہے۔

اس مسئلہ میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: جمہور کا قول یہ ہے کہ یوم الشک میں بنیت رمضان روزہ رکھنا جائز نہیں ہے اور بنیت نفل بنیت قضاء اور بنیت کفارہ اور بنیت نذر سب صورتوں میں روزہ رکھنا جائز ہے۔

قول ثانی: شوافع کے ہاں بنیت رمضان اور بنیت نفل یوم الشک روزہ جائز نہیں اور باقی تینوں صورتوں کے ساتھ جائز ہے۔ الغرض محل نزاع یہ ہے کہ بنیت نفل روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ تو جمہور کے نزدیک جائز ہے، شوافع حضرات کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ صوم رمضان بالاجماع ناجائز ہے باقی بنیت نفل کے علاوہ بالاجماع جائز۔

شوافع کی دلیل: حدیث الباب ہے حدیث عمار بن یاسر، کہ ہم عمار بن یاسر کی مجلس میں تھے کہ ایک بھنی ہوئی بکری لائی گئی، عمار نے ساتھیوں کو کہا کہ کھاؤ، بعض لوگوں نے کنارہ کشی کی اور بعض لوگوں نے کہا "انی صائم" تو حضرت عمار نے

فرمایا کہ جس نے یوم الشک میں روزہ رکھا، اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی۔ اب شوافع حضرات کہتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے اطلاق کی وجہ سے صوم نفل کو بھی شامل ہے۔

جواب (۱): یہ حدیث بالا جماع عام مخصوص منہ البعض ہے۔ صوم رمضان قضاءِ رمضان کفارہ بالا جماع مخصوص ہیں۔ لہٰذا ہم احناف کو حق حاصل ہے کہ بنیت نفل کو بھی خاص کرلیں۔ لہٰذا اس حدیث کا مدلول ومصداق صرف بنیت صوم رمضان ہے کہ صوم رمضان رکھنا جائز نہیں۔

جواب (۲): اگر اطلاق وعموم کو تسلیم کرلیا جائے یعنی صوم نفل کے ثبوت کو بھی مان لیں تو پھر یہ اجتہاد ہے، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا جو کہ ہمارے خلاف حجت نہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ یوم الشک کو روزہ رکھتے تھے۔ باقی روزہ رکھنا افضل ہے یا نہیں؟ تو صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ عوام کے لیے افضل ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور خواص کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ روزہ رکھیں اور خواص سے مراد وہ لوگ ہیں جو نفل کی نیت کو پختہ کرسکیں تردد نہ رہے۔ اگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ رمضان کا دن تھا تو اس دن کی قضاء لازم ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِحْصَاءِ هِلَالِ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ رمضان کیلئے ہلال شعبان کا خیال رکھنا چاہیے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْصُوا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیال رکھو اور گنتے رہو غرہ شعبان کو رمضان کے واسطے۔

تشریح شعبان کے چاند کا حساب کیا جائے تو رمضان کے چاند کا بھی حساب صحیح رہے گا، اس لیے شعبان کے چاند کی محافظت ضروری ہے۔ باقی مہینے کے ثبوت کے کئی طریقے ہیں۔

(۱) رؤیت ہلال کی گواہی ثابت ہو۔ (۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ گزرے ہوئے مہینہ کے تیس دن پورے ہوجائیں۔ اب شعبان کے مہینہ کو جب گنیں گے تو شعبان کا مہینہ گواہی سے ثابت ہوا ہو تو شعبان کے تیس دن پورے ہوجائیں گے تو اگلے دن شہادت ملے یا نہ ملے، رمضان کی پہلی تاریخ ہوگی۔ باب کی حدیث میں دوسرا طریقہ بیان کیا جارہا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الصَّوْمَ لِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ وَالْإِفْطَارَ لَهُ روزہ رکھنا اور چھوڑنا چاند دیکھنے پر موقوف ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصُومُوا قَبْلَ رَمَضَانَ صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ فَإِنْ حَالَتْ دُونَهُ غَيَايَةٌ فَأَكْمِلُوا ثَلَاثِينَ يَوْمًا.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ رکھو رمضان کے

پہلے بلکہ روزہ رکھو چاند دیکھ کر پھر اگر حائل ہو جائے چاند پر بدلی تو پورے کرو تیس دن یعنی شعبان کے یا رمضان کے۔

تشریح چاند کے ثبوت کا ایک طریقہ رؤیت ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رمضان سے روزہ نہ رکھو یعنی سب رمضان کے روزے رکھو چاند دیکھنے کے بعد۔

سوال: حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کی رؤیت ضروری ہے؟

جواب: ایسے بعض کی رؤیت جن کی رؤیت سے قاعدہ شرعی کے مطابق چاند کا ثبوت ہو جائے ان کی رؤیت سب کی رؤیت سمجھی جائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الشَّهْرَ يَكُونُ تِسْعًا وَعِشْرِينَ مہینہ کبھی انتیس کا بھی ہوتا ہے

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ مَا صُمْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعًا وَعِشْرِينَ أَكْثَرَ مِمَّا صُمْنَا ثَلَاثِينَ

ترجمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے روزے رکھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتیس (کم) اکثر تیس رکھے یعنی انتیس کا اتفاق کم ہوا۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ قَالَ آلَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نِسَائِهِ شَهْرًا فَأَقَامَ فِي مَشْرُبَةٍ تِسْعًا وَعِشْرِينَ يَوْمًا قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّكَ آلَيْتَ شَهْرًا فَقَالَ الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی اپنی بیبیوں سے نہ ملنے کی ایک مہینے تک سو بیٹھ رہے ایک حجرو کے میں انتیس دن تک اور بعد انتیس دن کے نکلے تو عرض کیا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قسم کھائی ہے ایک مہینہ کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہینہ اُنتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔

تشریح اس باب کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ۲۹/انتیس کے چاند زیادہ تھے بخلاف انگریزی مہینوں کے وہ اکتیس اور اٹھائیس کے بھی ہوتے ہیں۔ "ما صمت مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" ماصمت میں ما مصدریہ ہے۔ "الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" اس ایلاء سے ایلاء لغوی مراد ہے اس لیے کہ ایلاء شرعی واصطلاحی وہ چار ماہ کا ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّوْمِ بِالشَّهَادَةِ چاند کی گواہی پر روزہ رکھنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ الْهِلَالَ قَالَ أَتَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ يَا بِلَالُ أَذِّنْ فِي النَّاسِ أَنْ يَصُومُوا غَدًا

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آیا ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور عرض کیا کہ میں نے چاند دیکھا سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تو گواہی دیتا ہے اس کی کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور کیا گواہی دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغام لانے والے ہیں اللہ کے؟ کہا اس اعرابی نے ہاں! فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے بلال رضی اللہ عنہ! پکار آدمیوں میں کہ کل روزہ رکھیں۔

تشریح :......قول اوّل: جمہور حضرت کے ہاں اگر رمضان کا چاند ہو اور مطلع صاف نہ ہو تو پھر رمضان کے چاند کے ثبوت کے لیے ایک عادل آدمی کی گواہی کافی ہے۔

قول ثانی: امام مالک اور اسحٰق بن راہویہ کے نزدیک دو عادل آدمیوں کی گواہی کا ہونا ضروری ہے۔ قاعدہ شہادت کے مطابق اور اگر مطلع بالکل صاف ہو تو ایسی صورت میں جم غفیر کا ہونا ضروری ہے۔ دراصل رؤیت ہلال جمہور کے نزدیک من قبیل الاخبار ہے، عدد ضروری نہیں اور نہ ہی شہادت جبکہ امام مالک کے نزدیک من قبیل الشہادت ہے لہٰذا ان کے نزدیک عدد بھی ضروری ہے اور شہادت بھی۔

جمہور کی دلیل: حدیث الباب حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ ایک اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور آ کر کہا کہ میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم شہادتین کی گواہی دیتے ہو تو اس نے کہا جی ہاں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گواہی قبول کر لی اور فرمایا کہ اے بلال! لوگوں میں اعلان کر دیں کہ اگلے دن روزہ رکھیں۔

امام مالک کی دلیل: حدیث عبدالرحمن بن زید "الذی اخرجه النسائی، فان غمّ علیکم فاتموا ثلاثین فان شهد شاهدان رجلان فصوموا"

جواب: اس حدیث کا مفہوم ہے کہ اگر ایک آدمی گواہی دے تو روزہ نہ رکھو اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کا منطوق یہ ہے کہ ایک آدمی گواہی دے تو روزہ رکھو۔ مفہوم اور منطوق میں تعارض ہے اور جب ان میں تعارض ہو جائے تو منطوق کو ترجیح ہوتی ہے، اور اگر شوال کا چاند ہو اور مطلع صاف نہ ہو تو بالاجماع دو آدمیوں کی گواہی ضروری ہے اور اگر مطلع صاف ہو تو جم غفیر ضروری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ شَهْرَا عِيدٍ لَا يَنْقُصَانِ عید کے دونوں مہینے ایک ساتھ نہیں گھٹتے

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرَا عِيدٍ لَا يَنْقُصَانِ رَمَضَانُ وَذُو الْحِجَّةِ.

ترجمہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں مہینے عید کے کبھی نہیں گھٹتے رمضان اور ذوالحجہ۔

تشریح ترجمۃ الباب بلفظ الحدیث، عید کے دو ماہ ہیں رمضان اور ذوالحجہ۔

سوال: ذوالحجہ کوعید کہنا تو صحیح ہے لیکن رمضان کو عید کہنا صحیح نہیں کیونکہ اس میں تو عید نہیں ہوتی؟

جواب: شوال میں عید کا سبب رمضان ہے اس سبب کی وجہ سے شہر عید قرار دیا۔ باقی اس میں کلام چلی ہے کہ جس میں نقصان کی نفی ہے اس میں نقصان کا کیا معنی ہے تو امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو قول نقل کیے ہیں۔

قول اوّل: امام احمد کا قول ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں نقصان عددی کی نفی ہے یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ دونوں مہینے انتیس (۲۹) کے ہوں، اگر ایک انتیس کا ہو تو دوسرا تیس ہوگا۔ یعنی رمضان اور ذوالحجہ کے مہینے نیز نفی مجموعہ سے ہے کل واحد سے نہیں۔

سوال: یہ تو مشاہدے کے خلاف ہے بلکہ بعض اوقات دونوں مہینے ۲۹ کے ہوتے ہیں اور ماہر فلکیات کہتے ہیں چار مہینے مسلسل ۲۹ کے ہوسکتے ہیں؟

جواب (۱): یہ قاعدہ اکثریہ ہے کلیہ نہیں ہے یعنی یہ نفی عمومی اور اغلبی اعتبار سے ہے کہ عموماً ایسا نہیں ہوتا کہ دونوں ماہ ۲۹ کے ہوں، اگر جزوی طور پر ایسا ہوجائے تو نادر ہوگا۔

قول ثانی: اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں اس میں نقصان معنوی کیفی کی نفی ہے یعنی اگر دونوں مہینے ۲۹، ۲۹ کے بھی ہو جائیں تو اجر کے لحاظ سے ۳۰ کا ہی اجر ملے گا، اس قول کے مطابق یہ قاعدہ کلیہ ہے اکثریہ نہیں ہے اور اس قول کے مطابق ہوسکتا ہے کہ دونوں ۲۹، ۲۹ کے ہوئے ہوں۔

قول ثالث: امام طحاوی کا قول ہے انہوں نے اسی کو اختیار کیا کہ مہینہ اگرچہ ۲۹ دن کا ہو لیکن اس پر احکام تیس دن والے جاری ہوں گے۔

قول رابع: ایک ہی سال میں دونوں ماہ ۲۹ کے نہیں ہوتے اکثر اور اغلب یہی ہے۔

قول خامس: "قال الخطابی معنه لا ینقص اجر ذو الحجة من الرمضان تفضل العمل فی العشرة"

قول سادس: "نقص حسی" واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا منفی نقصان باطنی ہے یعنی دونوں مہینے اگرچہ ظاہر میں ناقص ہوں، انتیس کے ہوں لیکن وہ عنداللہ کامل شمار ہوں گے اور پورے تیس یوم کا ثواب ملے گا کیوں کہ یہ دونوں عظیم البرکت ہیں۔ اس لیے یہ دونوں نقصان سے متصف نہیں ہوتے۔

قول سابع: اگر ان دونوں مہینوں میں ایام کے اعتبار سے کمی واقع بھی ہوگئی تو اس کی تلافی ان دونوں مہینوں کی عظمت شان کی وجہ سے ہوجائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ لِكُلِّ أَهْلِ بَلَدٍ رُؤْيَتُهُمْ ہر اہل شہر کیلئے انہی کی رؤیت ہلال معتبر ہے

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حَرْمَلَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ أَنَّ أُمَّ الْفَضْلِ بِنْتَ الْحَارِثِ بَعَثَتْهُ إِلَى مُعَاوِيَةَ بِالشَّامِ قَالَ فَقَدِمْتُ الشَّامَ فَقَضَيْتُ

حَاجَتَهَا وَاسْتُهِلَّ عَلَيَّ هِلَالُ رَمَضَانَ وَأَنَا بِالشَّامِ فَرَأَيْنَا الْهِلَالَ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فِي آخِرِ الشَّهْرِ فَسَأَلَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ ثُمَّ ذَكَرَ الْهِلَالَ فَقَالَ مَتَى رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ فَقُلْتُ رَأَيْنَاهُ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، فَقَالَ أَنْتَ رَأَيْتَهُ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ فَقُلْتُ رَآهُ النَّاسُ وَصَامُوا وَصَامَ مُعَاوِيَةُ قَالَ لَكِنْ رَأَيْنَاهُ لَيْلَةَ السَّبْتِ فَلَا نَزَالُ نَصُومُ حَتَّى نُكْمِلَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا أَوْ نَرَاهُ فَقُلْتُ أَلَا تَكْتَفِي بِرُؤْيَةِ مُعَاوِيَةَ وَصِيَامِهِ قَالَ لَا هٰكَذَا. أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ روایت کی ہم سے علی بن حجر نے ان سے اسماعیل بن جعفر نے ان سے محمد بن ابی حرملہ نے کہا محمد نے کہا خبر دی ہم کو کریب نے کہ اُم فضل نے جو بیٹی ہے حارث کی انہوں نے بھیجا کریب کو معاویہ کی طرف شام میں کہا کریب نے پھر پہنچا میں شام کو اور پورا کر دیا میں نے کام ان کا یعنی جس کے لیے بھیجا تھا اور آ گیا میرے اوپر چاند رمضان کا اور میں شام میں تھا سو دیکھا ہم نے چاند جمعے کی شب کو پھر آیا میں مدینے میں آخر رمضان میں اور پوچھا مجھ سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حال وہاں کا پھر ذکر کیا چاند کا اور کہا کب دیکھا تم نے چاند کو؟ کہا میں نے دیکھا جمعے کی شب کو تو فرمایا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کیا تم ہی نے دیکھا تھا جمعے کی شب کو؟ تو میں نے کہا سب لوگوں نے دیکھا اور روزے رکھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی روزہ رکھا تو کہا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ہم نے تو چاند دیکھا ہفتے کی شب کو پھر ہم روزہ رکھے جائیں گے جب تک پورے ہوں تیس روزے یا چاند دکھائی دے سو کہا میں نے کیا تم کفایت نہیں کرتے معاویہ رضی اللہ عنہ کے دیکھنے کو اور ان کے روزہ رکھنے کو؟ کہا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نہیں ایسا ہی حکم کیا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا دیکھنا ہم کو کفایت نہیں کرتا۔

تشریح ......پہلی بات: یہ اعتبار اختلاف مطالع کا مسئلہ ہے۔ دائما شرقی و غربی شہروں کا مطلع مختلف ہوتا ہے۔ یعنی ان میں طلوع و غروب کے اوقات مختلف ہوتے ہیں۔ شرقی شہر میں طلوع و غروب مقدم ہوتا ہے اور غربی شہر میں مؤخر ہوتا ہے اور یہ فرق ہر درجے کے لیے چار منٹ ہے، ایک درجہ کی مقدار زمین میں یعنی خط استوا میں تقریباً ستر میل ہے تو جن دو شہروں میں شرقاً و غرباً ستر میل فاصلہ ہو ان میں اختلاف مطالع کی مقدار چار منٹ ہے اور اگر فاصلہ ایک سو چالیس میل ہو تو آٹھ منٹ ہے یعنی شرقی شہر میں آٹھ منٹ طلوع و غروب مقدم ہوگا۔ "وھکذا لکل درجة اربعة دقائق" اور پندرہ درجوں پر ایک گھنٹہ فرق ہوگا۔ چنانچہ لاہور اور مکہ میں تقریباً سوا دو گھنٹہ سے کچھ زائد فرق ہے۔ مطالع شہروں کے مختلف ہیں۔

دوسری بات: مسئلہ اولیٰ: اختلاف مطالع معتبر ہے یا نہیں؟

اختلاف مطالع معتبر نہ ہونا یہ ہے کہ ایک شہر کے رہنے والوں کی رؤیت دوسروں کے حق میں رؤیت سمجھی جائے گی اور اختلاف مطالع کا معتبر ہونا یہ ہے کہ ایک شہر والوں کی رؤیت دوسرے شہر والوں کے حق میں رؤیت نہ سمجھی جائے گی۔ باقی اس پر

آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ اوقات صلوۃ و سحر و افطار اضحیہ کے بارے میں اختلاف مطالع معتبر ہے ہر شہر والوں کے حق میں، انہیں کا مطالع معتبر ہوگا اور حج کے بارے میں اتفاق ہے کہ اس میں صرف اہل مکہ کی رؤیت کا اعتبار ہوگا اور کسی کا نہیں۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ رؤیت ہلال رمضان کے اعتبار سے بھی اختلاف مطالع معتبر ہے یا نہیں؟ جمہور آئمہ کے ہاں اختلاف مطالع معتبر نہیں، ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر والوں کے حق رؤیت سمجھی جائے گی اور یہی قول احناف، حنابلہ، مالکیہ کا ہے۔

شوافع کا اصح قول: یہ ہے کہ بلادِ بعیدہ میں اختلاف مطالع معتبر ہے جبکہ بلادِ قریبہ میں اختلاف مطالع معتبر نہیں۔ باقی بلادِ بعیدہ اور بلادِ قریبہ میں، مابہ الامتیاز اس میں تین قول ہیں۔

(۱) مسافت قصر مابہ الامتیاز ہے، اگر دوسرے شہروں کے درمیان سفر شرعی متحقق ہو تو بعیدہ ورنہ قریبہ "ھو الراجح"

(۲) وہ بلاد جن کے مطالع متحد ہوں وہ بلادِ قریبہ ہوں گے اور جن کے مطالع مختلف ہوں وہ بلادِ بعیدہ ہوں گے جو بلادِ طول بلد پر واقع ہیں، ان کے مطالع مختلف ہیں اور جو بلادِ عرض بلد پر واقع ہیں ان کے مطالع متحد ہیں۔

(۳) ایک اقلیم کے بلادِ قریبہ اور دوسری اقلیم کے بلادِ بعیدہ ہیں۔ الراجح ھو الاوّل۔

جمہور کی دلیل اوّل: "فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ" لہٰذا بعض مسلمانوں کے حق میں شہر کا شہود سب مسلمانوں کے حق میں شہود سمجھا جائے گا۔

دلیل ثانی: "صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ" ایسے بعض مسلمانوں کی رؤیت مراد ہے جن کی رؤیت سے قاعدہ شرعی کے مطابق چاند کا ثبوت ہو جائے وہ سب مسلمانوں کی جانب سے چاند کا دیکھنا ہے۔

شوافع کی دلیل: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما حدیث الباب الخ، ہر شہر کی رؤیت کا اعتبار ہوتا ہے لہٰذا ہم اپنی رؤیت کا اعتبار کریں، اہل شام کی رؤیت کا اعتبار نہ کریں گے۔ اس دلیل کی مضبوطی کی وجہ سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے جمہور کے مذہب کی نشاندہی نہیں کی۔

جواب: یہ اجتہاد ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا۔

سوال: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دے رہے ہیں "ھکذا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" اور آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ اجتہاد ہے؟

جواب (۱): ممکن ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب بھی مالکیہ والا ہو کہ رمضان کے ہلال کے لیے دو آدمیوں کی گواہی ضروری ہے جبکہ یہاں پر تو ایک آدمی گواہی دے رہا ہے یہ استنباط ہے اس حدیث سے "ان شھد شاھدان رجلان فصوموا" یا پھر صوموا لرؤیتہ سے ہر آدمی کی اپنی رؤیت معتبر ہے، یہ صرف استنباط ہے کوئی صریح حدیث موجود نہیں۔

جواب (۲): کریب کی آمد دراصل جو حدیث میں ہے وہ رمضان کے آخیر میں ہوئی، اب ہلال رمضان کا مسئلہ نہ رہا بلکہ ہلال فطر کا مسئلہ ہے اور ہلال فطر کے لیے دو آدمیوں کی گواہی ضروری ہے ایک آدمی کی گواہی کافی نہیں جبکہ یہاں تو ایک تھے۔

جواب (۳): کریب اپنے چاند دیکھنے کی گواہی نہیں دے رہے بلکہ کہہ رہے ہیں "رأہ النّاس" یعنی لوگوں کی رؤیت کی خبر دے رہے ہیں اور دوسروں کی شہادت دینا رؤیت پر یہ تو قابل اعتبار نہیں کیونکہ یہ شہادت علی الشہادۃ ہے یہ جواب کمزور ہے کیونکہ مسلم اور ابوداؤد میں تصریح ہے کہ "رأیتُہ" میں نے خود دیکھا۔

فائدہ: البدائع والصنائع میں علامہ فخر الدین زیلعی اور کنز الدقائق میں اور انور شاہ صاحب احناف میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ متاخرین حنفیہ کو بھی فی الجملہ بلادِ قریبہ اور بلادِ بعیدہ کا اعتبار کرنا پڑے گا، اس لیے کہ اگر مقامات بعیدہ میں بھی اعتبار نہ کیا جائے تو لازم آئے گا، بعض مقامات پر ۲۸ کا رمضان ہو اور یہ تو قطعیت کے خلاف ہے۔ مثلاً بلادِ قسطنطنیہ میں بلادِ ہند سے دو (۲) دن پہلے اور ہند میں دو دن بعد چاند نظر آتا ہے، اب اگر رمضان کے دوران قسطنطنیہ کا ایک آدمی بلادِ ہندوستان میں آیا اور کہا کہ ہم نے دو دن پہلے چاند دیکھا ہے، اب اگر وہ معتبر ہو تو لازم آئے گا ہند میں ۲۸ پر روزے کا پورا ہو جانا یہ تو حدیث کے خلاف ہے اور اسی طرح بلادِ ہند کا آدمی قسطنطنیہ چلا جائے اور کہے کہ ہم نے چاند دو دن بعد دیکھا ہے، اب اگر اس کے قول کا اعتبار کیا جائے تو مہینہ کا بتیس دن کا ہونا لازم آئے گا حالانکہ یہ حدیث کے خلاف ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُسْتَحَبُّ عَلَيْهِ الإِفْطَارُ

کس چیز سے روزہ افطار کرنا مستحب ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدَ تَمْرًا فَلْيُفْطِرْ عَلَيْهِ وَمَنْ لَا فَلْيُفْطِرْ عَلَى مَاءٍ فَإِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کھجور پائے تو اسی سے روزہ کھولے اور نہیں تو پانی سے کہ پانی پاک کرنے والا ہے۔

عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ الضَّبِّيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى تَمْرٍ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى مَاءٍ فَإِنَّهُ طَهُورٌ.

ترجمہ: حضرت سلمان بن عامر ضبی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب روزہ کھولے کوئی تو کھولے کھجور سے اگر نہ پائے تو پانی سے کہ وہ بھی پاک کرنے والا ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَى رُطَبَاتٍ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَتُمَيْرَاتٌ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تُمَيْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَاءٍ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افطار کرتے تھے نماز

کے پہلے کئی تر کھجوروں پر، پھر اگر نہ ہوتی تر کھجوریں تو خشک کھجوریں پھر اگر نہ ہوتیں وہ بھی تو پیتے کئی چلو پانی کے۔

تشریح ...... مستحب یہ ہے کہ اگر تازہ کھجوریں ہوں تو ان سے روزہ افطار کیا جائے اور اگر تازہ مہیا نہ ہوں تو پھر خشک کھجوروں سے افطار کیا جائے اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر پانی سے افطار کرنا چاہیے۔

قال ابوعیسیٰ: یہ حدیث مسندات انس بن مالک میں سے ہے یا مسندات سلمان بن عامر میں سے ہے۔ شعبہ کے تلامذہ کا اختلاف ہے بعض مسندات انس میں سے قرار دیتے ہیں اور اکثر سلمان بن عامر میں سے، امام ترمذی نے بھی انہیں کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔

اختلاف ثانی: جو حفاظ مسندات سلمان بن عامر میں سے قرار دیتے ہیں آیا وہ حفصہ بنت سیرین اور سلمان بن عامر کے درمیان رباب کا واسطہ ذکر کرتے ہیں یا نہیں تو بعض واسطہ ذکر کرتے ہیں اور بعض واسطہ ذکر نہیں کرتے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے واسطہ ہونے کو ترجیح دی ہے۔ پھر بعض راوی رباب کے بجائے ام الرائح بنت صلیع قرار دیتے ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ تعبیری خطاء ہے جو اُم الرائح ہیں وہی رباب ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنَّ الْفِطْرَ يَوْمَ تُفْطِرُونَ، وَالْأَضْحَى يَوْمَ تُضَحُّونَ

عید فطر اس دن ہوتی ہے جس دن سب افطار کریں اور عید الاضحیٰ اس دن ہوتی ہے جس دن سب قربانی کریں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصَّوْمُ يَوْمَ تَصُومُونَ وَالْفِطْرُ يَوْمَ تُفْطِرُونَ، وَالأَضْحَى يَوْمَ تُضَحُّونَ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ رمضان کا اسی دن ہے کہ جس دن تم سب روزہ رکھو اور عید فطر اسی دن ہے جس دن تم سب عید کرو اور عید اضحیٰ اسی دن ہے کہ جس دن تم سب عید الاضحیٰ کرو۔

تشریح خلاصہ یہ ہے کہ امور اجتہادیہ میں اپنی بساط کے مطابق کوشش کرنے کے بعد خطاء ظاہر ہو جائے تو پریشانی میں مبتلا نہ ہونا چاہیے۔ مثلاً وقوف عرفہ کے متعلق معلوم ہوا کہ دس کو ہو تو پریشان نہ ہو، اسی طرح اُضحیہ بجائے دس کے گیارہ کو ہو گئی تو اسی طرح رمضان اور عید الفطر میں آگے پیچھے ہو گئی، بعد میں دن معلوم ہوا تو پریشان نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ، وَأَدْبَرَ النَّهَارُ فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ

دن کے اختتام اور رات کے شروع ہونے سے پہلے روزہ افطار کیا جائے

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ وَأَدْبَرَ النَّهَارُ وَغَابَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ أَفْطَرْتَ.

ترجمہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سامنے آئے سیاہی رات کی مشرق سے اور پیٹھ موڑے دن اور غروب ہو جائے آفتاب تو تجھ کو روزہ کھولنا چاہیے۔

تشریح ......"قولہ فقد افطرت"اس کے دو معنی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ جب غروب شمس کی وجہ سے دن چلا جائے اور رات آجائے تو تم افطار کے وقت میں داخل ہو گئے ہو، اب روزہ افطار کر لینا چاہیے۔ جیسے عرب کا محاورہ ہے "انجد، واتھم، واصبح" کہ فلاں آدمی نے نجد اور تہامہ میں قیام کیا، فلاں آدمی صبح کے وقت میں داخل ہوا، ایسے ہی "افطرت" کا معنی ہے کہ تو افطار کے وقت میں داخل ہو گیا۔

(۲) دوسرا یہ کہ جب دن چلا جائے اور رات آجائے تو تجھے روزہ افطار کر لینا چاہیے کیونکہ تو حکماً افطار میں داخل ہو گیا۔ اگرچہ بالفعل افطار نہ کرے کیونکہ رات شرعاً روزہ کے لیے ظرف بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اس حدیث میں ان لوگوں کی تردید مقصود ہے جو غروب شمس کے بعد بھی وہم میں مبتلا ہو کر روزہ افطار کرنے میں تاخیر کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْجِيلِ الإِفْطَارِ افطار میں جلدی کرنا

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ

ترجمہ حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیشہ لوگ خیر سے رہیں گے جب تک جلد روزہ کھولا کریں گے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّ أَحَبَّ عِبَادِي إِلَيَّ أَعْجَلُهُمْ فِطْرًا.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ارشاد فرمایا اللہ عز وجل نے میرے سب بندوں میں پیارا میرا وہی بندہ ہے جو بہت جلد روزہ کھولتا ہے۔

عَنْ أَبِي عَطِيَّةَ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَمَسْرُوقٌ عَلَى عَائِشَةَ فَقُلْنَا يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ رَجُلَانِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدُهُمَا يُعَجِّلُ الإِفْطَارَ وَيُعَجِّلُ الصَّلَاةَ وَالآخَرُ يُؤَخِّرُ الإِفْطَارَ وَيُؤَخِّرُ الصَّلَاةَ، قَالَتْ أَيُّهُمَا يُعَجِّلُ الإِفْطَارَ وَيُعَجِّلُ الصَّلَاةَ قُلْنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ قَالَتْ هَكَذَا صَنَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالآخَرُ أَبُو مُوسَى.

ترجمہ حضرت ابن عطیہ سے روایت ہے کہا آیا میں اور مسروق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس سو کہا ہم نے اے مؤمنوں کی ماں دو مرد ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے یاروں سے ایک تو جلدی روزہ کھولتا ہے اور نماز بھی اوّل وقت پڑھتا ہے اور دوسرا تاخیر کرتا ہے افطار اور نماز میں۔ پوچھا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کون روزہ جلدی کھولتا

ہے اور اوّل وقت نماز پڑھتا ہے؟ کہا ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فرمایا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے اور دوسرے جو تاخیر کرتے ہیں وہ ابوموسیٰ ہیں۔

تشریح لوگ ہمیشہ خیر پر رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کرتے رہیں گے۔ بشرطیکہ افطار کا وقت یقینی ہو جائے۔ "حدثنا هناد" مطلب یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل عزیمت پر تھا اور ابوموسیٰ کا عمل رُخصت پر تھا یا ابن مسعود رضی اللہ عنہما مبالغہ فی التعجیل کرتے تھے اور ابوموسیٰ نفس تعجیل کرتے تھے تا کہ لوگوں کو جواز کا پتہ چل جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَأْخِيرِ السُّحُورِ سحری میں تاخیر کرنا مستحب ہے

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ تَسَحَّرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قُمْنَا إِلَى الصَّلَاةِ، قَالَ قُلْتُ كَمْ كَانَ قَدْرُ ذٰلِكَ قَالَ قَدْرُ خَمْسِينَ آيَةً.

ترجمہ حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے کہا سحری کھائی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پھر کھڑے ہو گئے صبح کی نماز پر۔ پوچھا راوی نے کہ کتنی دیر گزری کھانے اور نماز کے بیچ میں؟ کہا پچاس آیتوں کے برابر۔

تشریح آئمہ مجتہدین کے نزدیک بالا جماع سحور میں تاخیر مستحب ہے اور افطار میں تعجیل مستحب ہے مگر تعجیل سے بعد دخول وقت مراد ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ سحری آخری وقت میں کریں گے تو دن بھر قوت رہے گی اور افطار میں تعجیل اس لیے مستحب ہے کہ آدمی دخول وقت کے بعد ناحق بھوک و پیاس میں مبتلا نہ رہے۔

"قال نسحرنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ثم قمنا" اس سے سوال ہوا کہ شاید سحری کے فوراً بعد نماز شروع ہو گئی۔ اس شبہ کو زائل کرنے کے لیے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا کہ ان کے درمیان کتنا فاصلہ ہوتا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيَانِ الْفَجْرِ صبح صادق کی تحقیق

عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي طَلْقُ بْنُ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا يَهِيدَنَّكُمُ السَّاطِعُ الْمُصْعِدُ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَعْتَرِضَ لَكُمُ الْأَحْمَرُ.

ترجمہ حضرت قیس بن طلق بن علی سے روایت ہے کہ روایت کی مجھ سے میرے باپ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھاتے پیتے رہو شب رمضان میں اور نہ اُٹھائے تم کو کھانے پر سے چمکتی اور چڑھتی ہوئی صبح یعنی جو مثل نیزے کے سیدھی سفیدی زمین مشرق سے اوپر چڑھتی ہے وہ صبح کاذب ہے اس کو دیکھ کر کھانا نہ چھوڑو اور کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سامنے آئے تمہارے چوڑی روشنی صبح کی جس میں سرخی ہوتی ہے۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْنَعَنَّكُمْ مِنْ سُحُورِكُمْ أَذَانُ

بِلَالٍ وَلَا الفَجرُ المُستَطِيلُ وَلٰكِنِ الفَجرُ المُستَطِيرُ فِي الأُفُقِ.

ترجمہ حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سحری کھانے سے نہ روکے تم کو بلال کی اذان اور نہ لمبی فجر یعنی صبح کاذب لیکن باز رکھے تم کو کھانے سے کناروں میں پھیلتی ہوئی فجر۔

تشریح جمہور کے نزدیک صائم کے لیے صبح صادق ہوتے ہی کھانا پینا حرام ہوجاتا ہے۔ عندالجمہور

سوال: حدیث الباب طلق بن علی سے معلوم ہوتا ہے کہ کھاتے پیتے رہو یعنی کھانے پینے سے تمہیں صبح کاذب نہ روکے اور کھاتے پیتے رہو، یہاں تک کہ فجر احمر ظاہر ہوجائے اور سرخی تو سورج طلوع ہونے کے قریب ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ طلوع صبح صادق کے بعد بھی کھانا پینا جائز ہے؟

جواب (۱): حدیث مؤوّل ہے "حتی یعترض لکم الاحمر" یعنی ظاہر ہوجائے تمہارے سامنے ایسی فجر جس کی سرخی ظاہر ہوتی ہے اور یہ فجر صبح صادق ہے، صبح کاذب کے بعد سفیدی کا ظہور اور صبح صادق کے بعد سرخی نمودار ہوتی ہے۔

جواب (۲): یہ منسوخ ہے دیگر احادیث قریبہ الی التواتر کی وجہ سے جو دال ہے کہ صائم کے لیے صبح صادق ہوتے ہی کھانا پینا حرام ہوجاتا ہے۔

دلیل اوّل: "حتی یتبیّن لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر"

دلیل ثانی: احادیث صحیحہ کثیرہ قریبہ الی التواتر جو دال ہیں صبح صادق ہوتے ہی کھانا پینا حرام ہوجاتا ہے۔ بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ روشنی پھیلنے تک کھانے پینے کی گنجائش ہے لیکن اس مذہب کو عوام الناس کے سامنے نہ بیان کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ فِي الغِيبَةِ لِلصَّائِمِ روزہ دار کے لیے غیبت کرنے پر وعید

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ بِأَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ.

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو روزے میں ہو اور جھوٹی واہی تباہی باتیں اور اس پر عمل نہ چھوڑے تو اللہ کو کچھ پرواہ نہیں اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی۔

تشریح: ...... مسئلہ اختلافی، غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

قول اوّل: جمہور کے نزدیک غیبت سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

قول ثانی: امام اوزاعی رحمہ اللہ کے نزدیک مفسد صوم ہے۔ جمہور کے نزدیک اگرچہ ٹوٹتا نہیں ہے لیکن کبیرہ گناہ ہے، روزہ کی روح مرجاتی ہے۔

جمہور کی دلیل:

حدیث الباب، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کا عمل مقبول نہیں ہوگا۔

سوال: عنوان میں غیبت کا ذکر ہے اور حدیث میں قول الزور کا بظاہر حدیث کی باب سے مطابقت نہیں ہے؟

جواب (۱): قول الزور صائم کے لیے جائز نہیں تو غیبت تو بطریق اولیٰ جائز نہ ہوگی یعنی غیبت کو قیاس کرلیا قول الزور پر۔

جواب (۲): قول الزور سے مراد وہ قول ہے جو شرعاً ناپسندیدہ ہو اور غیبت بھی ناپسندیدہ ہے۔ لہٰذا یہ بھی قول الزور کے تحت داخل ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ السَّحُوْرِ سحری کھانے کی فضیلت

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السَّحُوْرِ بَرَكَةً.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سحر کھاؤ اس لیے کہ سحر کھانے میں برکت ہے۔

تشریح "قولہ السحور" سحری کھانے کی دو برکتیں ہیں۔ (۱) ظاہری اور معنوی برکت کہ دن آسانی سے گزر جائے گا بغیر پریشانی کے اور ایک معنوی برکت ہے کہ اس سے اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر امتیاز باقی رہے گا جبکہ افطار میں تعجیل بظاہر بے صبری اور وقار کے منافی ہے لیکن تعجیل کا حکم ہے کہ اس میں اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز اور شان کا ظہور ہے۔ ایک بزرگ بیمار ہوئے، بیماری بڑھتی گئی، دوسرے بزرگ عیادت کے لیے آئے تو فرمایا کہ آپ اپنے صبر کا اظہار کر رہے ہیں، آہ و زاری نہیں کرتے، اسی وجہ سے بیماری نہیں ہٹتی، اپنی عاجزی اور بندگی کا اظہار کریں، آہ و زاری کریں ایسا کیا تو بیماری ہٹ گئی۔

"قولہ السحور" میں دو قرأتیں ہیں بفتح السین ہو یعنی سحور پھر مطلب یہ ہے کہ سحری کا کھانا اور اگر بالضم ہو تو پھر مطلب یہ ہے کہ سحری کا کھانا کھانا، محدثین میں بالفتح مشہور ہے کیونکہ نفس کھانا میں کوئی فضیلت نہیں، نیت کے ساتھ اس کے کھانے میں فضیلت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ سفر میں روزہ رکھنے کی کراہت

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ فَصَامَ حَتَّى بَلَغَ كُرَاعَ الْغَمِيْمِ وَصَامَ النَّاسُ مَعَهُ فَقِيْلَ لَهُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ شَقَّ عَلَيْهِمُ الصِّيَامُ وَإِنَّ النَّاسَ يَنْظُرُوْنَ فِيْمَا فَعَلْتَ فَدَعَا بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَشَرِبَ وَالنَّاسُ يَنْظُرُوْنَ إِلَيْهِ، فَأَفْطَرَ بَعْضُهُمْ وَصَامَ بَعْضُهُمْ فَبَلَغَهُ أَنَّ نَاسًا صَامُوْا، فَقَالَ أُولٰئِكَ الْعُصَاةُ.

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلے مکہ کو جس سال مکہ فتح ہوا

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا یہاں تک کہ پہنچے کراع غمیم میں (کہ ایک مقام ہے مکہ اور مدینہ کے بیچ میں) اور روزے رکھے لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سو عرض کیا گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ گراں ہے لوگوں پر اور سب دیکھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر افطار کریں تو وہ افطار کریں۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منگوایا ایک پیالہ پانی کا عصر کے بعد اور پی لیا اور لوگ دیکھتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سو بعضوں نے روزہ کھول ڈالا اور بعضوں نے رکھا اور خبر پہنچی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ بعضے لوگ روزے سے ہیں تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نافرمان ہیں۔

تشریح ......پہلی بات، مسئلہ اختلافی:

سفر کے دوران روزے کی کیا حیثیت ہے؟

۱ قول اوّل: آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ مسافر کے لیے صوم میں تخییر ہے۔

قول ثانی: اہل ظواہر کہتے ہیں روزہ رکھنا سرے سے جائز ہی نہیں، اگر رکھ لیا تو حضر میں اعادہ ضروری ہے۔

جمہور کی دلیل: وہ احادیث متعلقہ بالصوم جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسافر کو تخییر دی ہے جیسے مابعد والے باب میں، پہلی حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا "ان شئت فصم و ان شئت فافطر"

اہل ظواہر کی دلیل اوّل: اسی باب کی حدیث حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے سال مکہ تشریف لے گئے اور روزے رکھتے رہے جب "کراع الغمیم" پر پہنچے تو لوگوں نے بھی روزہ رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ لوگوں پر گراں ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے منتظر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد پانی کا پیالہ منگوایا اور پی لیا، لوگوں نے دیکھا تو بعض نے افطار کر لیا اور بعض روزے کی حالت میں رہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی کہ کچھ لوگ روزے ہی کی حالت میں ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اولئک العصاۃ" اور عاصی تب ہوں گے جب روزہ رکھنا جائز نہ ہو۔

دلیل ثانی: "لیس من البر الصیام فی السفر" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرے سے نیکی کا انکار کیا کہ سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے؟

جواب (۱): "اولئک العصاۃ یا لیس من البر الصیام فی السفر" کا مصداق عصاۃ مخصوصہ ہے وہ شخص ہے جو روزے کی وجہ سے مشقت شدید میں مبتلا ہو جائے، جیسا کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارشاد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا کہ جب آپ کو خبر دی گئی کہ ایک آدمی سفر میں روزہ رکھنے کی وجہ سے گر گیا، ہٹو بچو کی آوازیں شروع ہوئیں تو معلوم ہوا کہ یہ محمول ہے مشقت شدیدہ پر اور ہم بھی اس کے قائل ہیں۔

جواب (۲): امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مصداق وہ شخص ہے کہ جو افطار کو مباح نہ سمجھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ سفر میں روزہ رکھنا بھی جائز ہے

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الأَسْلَمِيَّ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ وَكَانَ يَسْرُدُ الصَّوْمَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَإِنْ شِئْتَ فَأَفْطِرْ

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حمزہ بن عمرو اسلمی نے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ رکھنے کو سفر میں اور حمزہ پے در پے روزے رکھا کرتے تھے۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاہو تم روزے رکھو اور چاہو افطار کرو۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ قَالَ كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ فَمَا يَعِيبُ عَلَى الصَّائِمِ صَوْمَهُ وَلَا عَلَى المُفْطِرِ إِفْطَارَهُ.

ترجمہ: حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سفر کرتے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے مہینے میں سو برا نہ کہا تھا کوئی روزہ رکھنے والے کے روزے کو اور افطار کرنے والے کے افطار کو۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمِنَّا الصَّائِمُ وَمِنَّا المُفْطِرُ فَلَا يَجِدُ المُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ وَلَا الصَّائِمُ عَلَى المُفْطِرِ فَكَانُوا يَرَوْنَ أَنَّهُ مَنْ وَجَدَ قُوَّةً فَصَامَ فَحَسَنٌ وَمَنْ وَجَدَ ضَعْفًا فَأَفْطَرَ فَحَسَنٌ.

ترجمہ: حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا کہ ہم سفر کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سو ہم میں روزہ دار بھی تھے اور بے روزہ بھی سو غصہ نہ ہوتا بے روزہ روزہ دار پر اور نہ روزہ دار بے روزہ پر اور سب جانتے تھے کہ جس کو طاقت ہو وہ رکھے تو خوب ہے اور جس کو ضعف ہو اور روزہ نہ رکھے وہ بھی خوب ہے۔

تشریح: ......دوسری بات، مسئلہ اختلافی:

جمہور کے نزدیک مسافر کیلئے روزہ رکھنا بھی جائز نہ رکھنا بھی جائز، البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ افضل کیسے ہے؟

قول اوّل: احناف و مالکیہ و شوافع یہ حضرات فرماتے ہیں روزہ رکھنا افضل ہے بشرطیکہ مشقت شدیدہ نہ ہو۔

قول ثانی: حنابلہ کہتے ہیں کہ افطار افضل ہے۔

جمہور کی دلیل: ''أن تصوموا خیر لکم'' (۲) برأۃ ذمہ اوّل وہلہ میں حاصل ہو جاتی ہے۔ (۳) وقت کی فضیلت کا حاصل ہونا (۴) عام مسلمین کی موافقت بھی اسی میں ہے۔

حنابلہ کی دلیل: ''اولئک العصاۃ'' اور ''لیس من البرّ الصیام فی السفر''......جواب ھوالجواب۔

مسئلہ یہ ہے کہ مسافر اگر صبح صادق کے وقت روزہ کی نیت کرے تو دوران دن افطار جائز ہے یا نہیں؟...... احناف کے ہاں لایجوز، اور اسی طرح جس نے صبح صادق کے بعد سفر شروع کیا تو اس دن روزہ چھوڑنا جائز نہیں لیکن حدیث الباب سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ افطار کے بعد افطار کرلیا۔

جواب (۱): حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح سے ہی روزہ دار نہ تھے، لوگوں نے سمجھا تھا کہ روزہ دار ہیں اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ لیا تو لوگوں نے سمجھ لیا کہ شروع سے ہی روزہ دار نہ تھے۔

جواب (۲): یہ جو احناف کے ہاں مسئلہ تب ہے جب سفر جہاد کے ماسوا ہو، اگر سفر جہاد ہو تو افطار کرنا جائز ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ سفر سفر جہاد تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ لِلْمُحَارِبِ فِي الإِفْطَارِ لڑنے والوں کیلئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت

عَنْ مَعْمَرِ بْنِ أَبِي حَبِيبَةَ عَنِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ أَنَّهُ سَأَلَهُ عَنِ الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ فَحَدَّثَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَتَيْنِ فِي رَمَضَانَ يَوْمَ بَدْرٍ وَالْفَتْحِ، فَأَفْطَرْنَا فِيهِمَا.

ترجمہ: حضرت معمر بن ابی حبیبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا ابن مسیب سے روزہ رکھنے کو سفر میں سو بیان کیا کہ فرمایا عمر بن خطاب نے کہ جہاد کیا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان میں دو بار ایک بار جنگ بدر میں دوسرے فتح مکہ میں پھر روزہ نہیں رکھا ہم نے ان دونوں لڑائیوں میں۔

تشریح: محارب اگرچہ سفر میں نہ بھی ہو تو تب بھی اس کے لیے افطار جائز ہے اس لیے کہ محارب کے لیے افطار میں جو رُخصت ہے وہ محاربت کی وجہ سے ہے نہ کہ سفر کی وجہ سے۔ "غزوتین بدر و الفتح" غزوہ فتح مکہ میں افطار سفر کی وجہ سے ہوا اور غزوہ بدر میں محاربت کی وجہ سے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الإِفْطَارِ لِلْحُبْلَى وَالْمُرْضِعِ

حاملہ اور دودھ پلانے والی کو افطار جائز ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَجُلٍ مِنْ بَنِي عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبٍ قَالَ أَغَارَتْ عَلَيْنَا خَيْلُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدْتُهُ يَتَغَدَّى فَقَالَ ادْنُ فَكُلْ، فَقُلْتُ إِنِّي صَائِمٌ فَقَالَ ادْنُ أُحَدِّثْكَ عَنِ الصَّوْمِ أَوِ الصِّيَامِ إِنَّ اللهَ تَعَالَى وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ الصَّوْمَ وَشَطْرَ الصَّلَاةِ وَعَنِ الْحَامِلِ أَوِ الْمُرْضِعِ الصَّوْمَ أَوِ الصِّيَامَ، وَاللهِ لَقَدْ قَالَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِلَيْهِمَا أَوْ

إِحْدَاهُمَا فَيَا لَهْفَ نَفْسِي أَنْ لَا أَكُونَ طَعِمْتُ مِنْ طَعَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جوایک صحابی ہیں عبداللہ بن کعب کے قبیلہ سے اور یہ وہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں ہیں جو خادم ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور معروف ومشہور ہیں کہا انہوں نے ہماری قوم کو لوٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواروں نے پھر حاضر ہوا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سو پایا میں نے ان کو صبح کا کھانا کھاتے ہوئے سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزدیک آؤ میں روزے کا حال بیان کروں۔ راوی کو شبہ ہے کہ حضرت نے صوم فرمایا یا صیام معنی دونوں کے ایک ہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا ہے۔ آدمی نماز کو مسافر سے اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت سے روزے کو یہاں بھی راوی کو شک ہے کہ صوم فرمایا یا صیام فرمایا اور قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا ذکر کیا یعنی حاملہ اور مرضعہ کا یا ایک کا افسوس ہے میری جان پر میں نے کیوں نہ کھایا کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

تشریح پہلی بات: "عن انس بن مالک رجل من بنی عبداللہ بن کعب" اس میں "عبداللہ بن کعب" اس وجہ سے کہا کہ یہاں یہ مراد خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہیں بلکہ عبداللہ بن کعب ہیں۔

"قولہ اغارت علینا" یعنی ہماری قوم پر حملہ کیا۔ "ان اللّٰہ وضع عن المسافر شطر الصلوٰۃ" یہاں اس عبارت میں شطر الصلوٰۃ ہے اور بعض نسخوں میں شطر الصوم ہے اور یہی صحیح ہے اس لیے کہ حدیث کے عنوان سے اس میں مطابقت ہے کہ اللہ نے صیام کو ساقط کردیا یعنی وجوب ادا کو۔ "قولہ اثبت" یہ بتلانے کے لیے ہے کہ میں حملہ کرنے سے پہلے مسلمان ہو چکا ہوں۔

دوسری بات: اشکال

یہ واقعہ رمضان کا ہے یا غیر رمضان کا اگر رمضان کا ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے کھانا کھا رہے تھے اور اگر غیر رمضان کا ہے تو پھر "ان اللّٰہ وضع عن المسافر الصوم" یہ کیسے منطبق ہوگا کیونکہ یہ رمضان کے ساتھ خاص ہے۔

جواب: اگر رمضان کا واقعہ ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسافر ہوں گے دورانِ سفر کہیں ٹھہرے ہوں گے وہاں انس بن مالک آئے ہوں گے اور اگر غیر رمضان کا واقعہ ہے تو پھر جواب یہ ہوگا کہ ارے انس بن مالک حق تعالیٰ نے تو مسافر سے فرض روزے کو ساقط کردیا ہے تم مسافر ہو کر نفلی روزہ رکھے ہوئے ہو تمہارے لیے تو بطریق اولیٰ روزہ ساقط کردیا ہے۔

تیسری بات: اختلافی مسئلہ (۱)، حاملہ اور مرضعہ کیلئے افطار جائز ہے یا نہیں؟

تو اس بات پر تو اتفاق ہے کہ حاملہ اور مرضعہ کو روزہ رکھنے کی وجہ سے اپنی جان کا خطرہ ہو یا حمل اور رضیع کا کوئی خوف ہو یا بیماری بڑھنے کا اندیشہ ہو تو بالاجماع افطار جائز ہے اور عند الاحناف صرف قضاء لازم ہوگی فدیہ وغیرہ نہ ہوگا۔

مسئلہ اختلافی (۲): حاملہ اور مرضعہ کے روزہ رکھنے سے بچہ کو تکلیف کا خطرہ ہو تو اس صورت میں بھی بالاتفاق افطار جائز ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ فدیہ بھی لازم ہوگا یا نہیں؟

قولِ اوّل: احناف کے ہاں صرف قضاء لازم ہوگی۔
قولِ ثانی: آئمہ ثلاثہ کے ہاں قضاء اور فدیہ دونوں لازم ہوں گے۔
قولِ ثالث: اسحاق بن راہویہ کے ہاں اختیار ہوگا، اگر قضاء کرے تو پھر فدیہ نہیں ہے اور اگر فدیہ ادا کرے تو پھر قضاء نہیں ہے، اس کا مبنیٰ علیہ یہ ہے کہ حاملہ اور مرضعہ کی حیثیت کیا ہے۔ احناف کے نزدیک اس کی حیثیت مسافر اور مریض جیسی ہے جس طرح اس کے لیے افطار جائز ہے اور صرف قضاء ہوگی اور ایسے ہی مریض ہے کہ اس کے لیے بھی افطار جائز ہے اور صرف قضاء ہوگی، بالکل ایسی ہی حاملہ اور مرضعہ کی حیثیت مسافر اور مریض جیسی ہے۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ ذوجہتین ہے من وجہ مریض و مسافر کی حیثیت ہے اور من وجہ شیخ فانی کی حیثیت ہے چونکہ من وجہ مسافر ہے اس لیے قضاء ہوگی اور من وجہ شیخ فانی ہے اس لیے فدیہ لازم ہوگا۔
اسحٰق بن راہویہ کے نزدیک اختیار ہے چاہے مسافر والی حیثیت اختیار کرے یا شیخ فانی والی اور حدیث الباب احناف کے موافق ہے اس لیے کہ حاملہ اور مرضعہ کو مسافر کے ساتھ ذکر کیا، اس سے معلوم ہوا کہ حاملہ اور مرضعہ کی حیثیت مریض و مسافر والی ہے۔ لہٰذا صرف قضاء لازم ہوگی۔
آئمہ ثلاثہ کی دلیل: حدیث تو نہیں بلکہ آثار ہیں۔ اثر ابن عباس، اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما، ان حضرات نے حاملہ اور مرضعہ کے لیے دونوں چیزوں کا فتویٰ دیا، اس سے معلوم ہوا کہ مریض و مسافر والی بھی حیثیت ہے اور شیخ فانی والی بھی حیثیت ہے۔
جواب: حدیث مرفوعہ کے مقابلے میں آثار قابل حجت نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّوْمِ عَنِ الْمَيِّتِ میت کی طرف سے روزہ رکھنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنَّ أُخْتِي مَاتَتْ وَعَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ، قَالَ أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُخْتِكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ تَقْضِينَهُ، قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَحَقُّ اللهِ أَحَقُّ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت حاضر ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اور عرض کیا کہ میری بہن مرگئی ہے اور اس پر دو مہینے کے پے در پے روزے ہیں یعنی کفارہ کے۔ فرمایا آپ علیہ السلام نے بھلا دیکھ تو اگر تیری بہن پر قرض ہوتا تو تو ادا کرتی؟ عرض کیا اس نے ہاں! فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا حق پہلے ادا کرنا چاہیے۔

تشریح عباداتِ مالیہ محضہ میں مطلقاً نیابت جاری ہوتی ہے اور عباداتِ مرکبہ میں اگر عذر ہو تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے اور عباداتِ بدنیہ میں مثلاً صلوٰۃ وغیرہ میں تو بالاتفاق جائز نہیں ہے اور اگر صوم ہو تو پھر اختلاف ہے۔
قولِ اوّل: جمہور کے ہاں جس طرح نماز میں نیابت جائز نہیں اسی طرح صوم میں بھی نیابت جائز نہیں۔

قول ثانی: حنابلہ کے نزدیک صوم نذری میں نیابت جاری ہوتی ہے۔
جمہور کی دلیل اوّل: آنے والے باب میں حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے۔ "من مات و علیه صوم شهر فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکینا" اس میں فدیہ کا حکم ہے نہ کہ اس کی طرف سے روزہ رکھنے کا۔
لفظی اشکال: "مسکینا" نائب فاعل ہونے کی وجہ سے "مسکین" ہونا چاہیے تھا منصوب کیوں ہے اس کے مرفوع ہونے پر ابن ماجہ کی روایت میں مرفوع ہے۔
جواب: ممکن ہے یہاں ظرف کو مفعول اوّل قرار دیا ہو اور مسکینا مفعول ثانی ہو۔
سوال: امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موقوف ہے تو اس سے استدلال کیسے درست ہوا؟
جواب: اوّلاً تو مسلم نہیں اس لیے کہ علامہ عینی نے اس کو مرفوع مانا ہے اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر یہ حکماً مرفوع ہے غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے۔
دلیل ثانی: فتویٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما "لا یصلی احد عن احد و لا یصوم احد عن واحد" (مؤطا امام مالک)
دلیل ثالث: فتویٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما وہ بھی بعینہ یہی ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما (سنن نسائی کبریٰ) یہ اگرچہ آثار ہیں لیکن غیر مدرک بالقیاس ہونے کی حکماً مرفوع ہیں۔
حنابلہ کی دلیل: حدیث الباب "ان اختی ماتت و علیها صوم شهرین متتابعین" یہ صوم نذری ہے کیونکہ ان کی قضاء تتابع ضروری نہیں باقی صوم کفارہ پر محمول کرنا بھی انتہائی نادر ہے۔ پس لامحالہ یہ نذری روزے تھے اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس کے ذمے قرض ہوتا تو ادا کرتی، کہا کہ ہاں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا حق زیادہ لائق ہے کہ اس کو ادا کیا جائے۔ اب حنابلہ یہ کہتے ہیں کہ اس اداء کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کی طرف سے روزے رکھے جائیں۔
جواب (۱): حدیث کا مدلول اتنا ہے کہ اپنی بہن کی طرف سے حق اللہ ادا کرو، کوئی طریقہ ادائیگی نہیں بتایا گیا، یہ صرف اسی میں منحصر نہیں کہ اس میں اس کی طرف سے روزے رکھے جائیں، اس کی ایک صورت فدیہ بھی ہے اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ روزے رکھ کر اس کا ثواب اس کو بخش دو۔
جواب (۲): حدیث شدید مضطرب ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں۔ باقی کیسے مضطرب ہے تو وہ یہ ہے کہ ترمذی کی روایت میں "جاءت امراۃ" ہے جبکہ صحیحین کی روایت میں "جاء رجل" ہے۔ نیز ترمذی کی ایک روایت میں "ان اختی ماتت" ہے جبکہ دوسری روایت میں "انّ اُمی ماتت" ہے۔ نیز ترمذی کی روایت میں شہرین متتابعین ہے جبکہ صحیحین کی روایت میں صوم شہر ہے اور ایک روایت "خمسة عشر یوما" ہے۔ نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ صوم رمضان تھے یا صوم نذری تھے، اگرچہ حنابلہ اس کو صوم نذری پر محمول کرتے ہیں لیکن یہ احتمال بھی ضرور ہے کہ صوم رمضان ہو۔ الغرض ان اضطراب کے ہوتے ہوئے یہ قابل استدلال نہیں ہے۔

جواب (۳): اس حدیث کے راوی ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا فتویٰ اس کے خلاف ثابت ہے۔ "لا یصلی احدعن احدو لا یصوم احدعن احدٍ" لامحالہ یہ روایت یا تو منسوخ ہے یا پھر مؤوّل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مِنَ الْكَفَّارَةِ روزے کا کفارہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرٍ فَلْيُطْعَمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مر جائے اور اس پر روزے ہوں رمضان کے مہینے کے تو کھلائے ہر روزے کے عوض میں ایک مسکین کو یعنی اس کا وارث کھلائے۔

تشریح کفارہ کے متعلق ابحاث آگے آرہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّائِمِ يَذْرَعُهُ الْقَيْءُ روزے میں قے آنا

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا يُفْطِرْنَ الصَّائِمَ الْحِجَامَةُ وَالْقَيْءُ وَالِاحْتِلَامُ.

ترجمہ حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزوں سے روزہ نہیں جاتا روزہ دار کا، ایک حجامت، دوسرے قے، تیسرے احتلام۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ اسْتَقَاءَ عَمْدًا روزے میں عمداً قے کرنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ وَمَنْ اسْتَقَاءَ عَمْدًا فَلْيَقْضِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو خود بخود قے آجائے روزے میں تو اس کے اوپر قضاء واجب نہیں اور جس نے قصداً قے کی تو وہ روزہ کی قضا کرے۔

تشریح قئی دو قسم پر ہے۔ (۱) قی غیر عمدی (۲) قئی عمدی۔ قئی غیر عمدی جمہور کے نزدیک مفسد صوم نہیں اور قئی عمدی مفسد صوم ہے بشرطیکہ "مل الفم" بھی ہے اور تذکر صوم بھی ہو یہ شرط صرف قاضی ابو یوسف کے نزدیک ہے۔

جمہور کی دلیل: حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دوسرے باب "باب ما جاء فی استقاء عمدًا" میں کہ جس پر قئی غالب ہو جائے اس کے ذمے قضاء نہیں اور جس نے عمداً کی وہ اس کی قضاء کرے کیونکہ یہ مفسد صوم ہے۔

سوال: سنداً حدیث صحیح نہیں، امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ غیر محفوظ ہے، سنداً بھی ضعیف ہے؟
جواب: جمہور فقہاء کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہو یا نیکی کی وجہ سے سندی ضعف کا تدارک منجبر ہو جائے گا۔
سوال: حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً "قئی" مفسد صوم نہیں، یہی وجہ ہے کہ بعض اہل علم اور امام مالک کی رائے یہ ہے کہ مطلقاً قئی مفسد للصوم نہیں ہے اور حدیث ابو درداء سے معلوم ہوتا ہے مطلقاً قئی مفسد صوم ہے اور عطاء بن رباح کا بھی یہی مذہب ہے تو دونوں حدیثیں جمہور کے خلاف ہوئیں۔

حدیث اوّل کا جواب (۱):

یہ محمول ہے قئی غیر اختیاری پر اور اسی پر دال ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کا عنوان "یذرعه القئی"
جواب ۲: یہ حدیث سنداً ضعیف ہے کیونکہ اس میں عبد الرحمن بن یزید بن اسلم ہیں اور یہ محدثین کے ہاں ضعیف ہیں۔ یہ مرسلاً بیان کر رہے ہیں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے واسطے کے بغیر، ان کے دوسرے بھائی عبد اللہ بن زید بن اسلم وہ ثقہ ہیں، لہٰذا یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا معارض بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

حدیث ابو درداء رضی اللہ عنہ کا جواب

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی توجیہ کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ نفلی رکھا تھا، قئی آئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ضعف لاحق ہو گیا کمزوری کی وجہ سے نفل روزہ افطار کر دیا اور نفلی روزہ معمولی اعذار سے بھی توڑا جا سکتا ہے۔ اگرچہ احناف کے نزدیک بعد میں قضاء لازم ہوگی۔ گویا کہ فافطر کا ترتب قاء پر نہیں بلکہ اس کا ترتب محذوف پر ہے یعنی قاء وضعف فافطر۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّائِمِ يَأْكُلُ أَوْ يَشْرَبُ نَاسِيًا روزے میں بھول کر کھانا پینا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ نَاسِيًا وَهُوَ صَائِمٌ فَلَا يُفْطِرْ، فَإِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ رَزَقَهُ اللهُ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کھا لے یا پی لے بھولے سے روزے میں تو نہ توڑے اس لیے کہ جو کھایا پیا وہ رزق تھا اللہ کا دیا۔

تشریح مسئلہ اولیٰ: مسئلے میں اختلاف ہے۔
مذہب اوّل: اکل وشرب ناسیاً مفسد صوم نہیں ہے اور نہ قضاء لازم ہے نہ کفارہ "للنص الصریح لحدیث الباب عند شافعی و احمد و ابی حنیفه"
مذہب ثانی: عند مالک صوم فرض و واجب میں اکل وشرب نسیاناً سے روزہ باطل ہو جاتا ہے وعلیہ القضاء اور نفلی روزہ بھی باطل ہو جاتا ہے، البتہ اس میں قضاء لازم نہیں ہے وبہ قال ابن ابی لیلیٰ۔

جمہور کی دلیل صریح نصوص ہیں جن میں تصریح ہے کہ اکل وشرب نسیاناً مبطل صوم نہیں ہے اور ایسی احادیث کثیرہ وارد ہیں۔ چنانچہ روایت ہے مسند احمد میں عن أم اسحاق "انها كانت عند النبى فاتى بقصعة من ثريد قالت فاكلت معه ثم تذكرت انها صائمه فذكرت لرسول الله فقال لها ذواليدين الان بعد ما شبعت فقال رسول الله اتمى صومك فانما هو رزاق ساقه الله اليك" (نیل، جلد:۴، ص:۲۲۹)

امام مالک اوّلاً یہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب اور حدیث مسند احمد اور اس طرح دیگر احادیث مخالف ہیں۔ قاعدہ کلیہ کے تو عمل قاعدہ کلیہ پر ہوگا وہ قاعدہ یہ ہے "ان الاكل والشرب من النواقض" لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ نص کے خلاف کسی قاعدہ کو ترجیح نہیں ہو سکتی۔ بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ حدیث باب معمول ہے صوم تطوع پر لیکن احناف کہتے ہیں عام احادیث مطلق ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صوم نفل وواجب دونوں اکل نسیاناً سے باطل نہیں ہوتے۔

ثانیاً امام مالک استدلال کرتے ہیں حدیث مجامع سے "وفيه واقض يوما مكانه" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال نہیں کیا "هل جامع ناسيا او عمداً" معلوم ہوا نسیاناً جماع بھی مثل جماعِ عمد کی طرح مبطل ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ یہ جماع عمداً کا بیان ہے "كما يدل عليه اوّل الحديث وهو وتب الى الله واستغفره وتصدق واقض يوم مكانه" اور توبہ و استغفار عمد سے ہوتے ہیں، یہ اس مسئلہ میں دو مذاہب کا بیان تھا۔

مسئلہ ثانیہ: یہ اکل وشرب نسیاناً کی تفصیل تھی باقی قضاء جماع ناسیا میں اختلاف ہے۔

مذہب اوّل: عندالاوزاعی واللیث جماع نسیاناً سے صرف قضاء لازم ہے۔

مذہب ثانی: عنداحمد وبعض المالکیہ جماع نسیاناً میں قضاء وکفارہ دونوں لازم ہیں۔ مثل جماع عمداً۔

مذہب ثالث: عندالشافعی وابی حنیفہ جماع نسیاناً مثل اکل وشرب نسیاناً ہے یعنی یہ مبطل صوم نہیں ہے۔ امام احمد استدلال کرتے ہیں، حدیث مجامع سے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مطلقاً تفصیل پوچھے بغیر قضاء وکفارہ کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ نسیاناً جماع مثل عمداً جماع کے ہے۔ نیز وہ فرماتے ہیں کہ نسیان فی الجماع نہاراً بعید ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِفْطَارِ مُتَعَمِّدًا قصداً روزہ توڑنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَإِنْ صَامَهُ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو روزہ توڑ ڈالے یا نہ رکھے ایک دن بھی رمضان سے بغیر عذر اور بیماری کے تو اس کے برابر بھی ثواب نہ ہوگا اگرچہ ساری عمر روزہ رکھے۔

تشریح: اس پر تو اجماع ہے عمداً رمضان کے روزے کو عمداً توڑنا گناہِ کبیرہ ہے۔ نیز اس پر بھی اجماع ہے کہ قضاء

یا کفارہ ادا کر دیا جائے تو فرض ذمے سے ساقط ہو جائے گا۔

سوال: امام ترمذی رحمہ اللہ نے جو حدیث ذکر کی ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر عمر بھر قضاء کرتا رہے تو فریضہ ذمہ سے ساقط نہ ہوگا حالانکہ جمہور فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر قضاء ادا کر دے یا کفارہ ادا کر دے تو فرض ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔

جواب (۱): یہ حدیث مؤوّل ہے اور معنی یہ ہے کہ رمضان کا روزہ بلا عذر توڑنے کی وجہ سے جس فضیلت سے محرومی ہوئی عمر بھر بھی اس فضیلت کا تدارک نہ ہوگا۔

جواب (۲): رمضان میں جو بغیر عذر روزہ توڑنے کی وجہ سے جو گناہ ہوا ہے عمر بھی روزہ رکھنے سے اس گناہ کا تدارک نہ ہوگا جب تک توبہ نہ کرے یا فضل الٰہی شامل حال نہ ہو۔

جواب (۳): سنداً یہ حدیث دیگر احادیث کا معارض نہیں بن سکتی کئی وجوہ سے۔

(۱) اس کی سند میں ابو مطوس ہیں، ان کے بارے میں مجہول ہونے کا قول ہے۔

(۲) بعض ابو مطوس نقل کرتے ہیں اور بعض ابن مطوس نقل کرتے ہیں۔

(۳) اس کی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بلا واسطہ اَب کے ہے یا بالواسطہ تو بعض اَب کا ذکر کرتے ہیں اور بعض ذکر نہیں کرتے۔

(۴) پھر واسطہ ہونے کی تقدیر پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے یا نہیں؟ بعض کے نزدیک ثابت ہے اور بعض نفی کرتے ہیں۔

(۵) پھر حبیب ابن ابی ثابت کا ابو مطوس سے سماع ثابت ہے یا نہیں؟ اس میں بھی دونوں طرح ہے اثبات بھی ہے نفی بھی ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر دیگر احادیث کے معارض نہیں بن سکتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَفَّارَةِ الفِطْرِ فِي رَمَضَانَ رمضان میں روزہ توڑنے کا کفارہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ هَلَكْتُ قَالَ وَمَا أَهْلَكَكَ، قَالَ وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي فِي رَمَضَانَ، قَالَ هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُعْتِقَ رَقَبَةً، قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ، قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا، قَالَ لَا قَالَ اجْلِسْ فَجَلَسَ فَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ، وَالعَرَقُ المِكْتَلُ الضَّخْمُ، قَالَ تَصَدَّقْ بِهِ، فَقَالَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَحَدٌ أَفْقَرَ مِنَّا قَالَ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ، قَالَ فَخُذْهُ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آیا ایک مرد اور عرض کیا اس نے یا رسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس نے ہلاک کیا تجھ کو عرض کیا اس نے۔ صحبت کر بیٹھا میں اپنی عورت سے رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو ایک غلام آزاد کر سکتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا دو مہینے کے روزے پے در پے رکھ سکتا ہے، کہا نہیں۔ فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟ کہا نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا بیٹھ پھر بیٹھا وہ۔ اور آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بڑا ٹوکرہ کھجوروں کا کہ اس کو عربی میں عرق کہتے ہیں سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ دے اس کو تو اس نے عرض کیا کہ مدینے کے دونوں کالے پہاڑوں کے درمیان مجھ سے زیادہ کوئی فقیر نہیں، کہا راوی نے پھر ہنس پڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کہ کھل گئی کچلیاں مبارک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے جا ان کھجوروں کو اور کھلا اپنے گھر والوں کو۔

تشریح ماقبل میں بھی کفارہ کا باب گزرا، وہاں کفارہ سے مراد فدیہ ہے جبکہ یہاں پر کفارہ سے کفارہ اصطلاحی مراد ہے۔

"اَتَاہُ رجل" ایک قول یہ ہے کہ سلمہ بن صخر بیاضی لیکن صحیح نہیں، اس لیے کہ انہوں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا، اس نے اپنی بیوی سے رات کو جماع کیا تھا نہ کہ دن کو، اس لیے کہا گیا کہ وہ اوس بن صامت یا ماسواء کوئی اور صحابی ہیں۔ اس حدیث کے تحت تین مسئلے ہیں، ایک اتفاقی دو اختلافی۔

مسئلہ اولیٰ: اتفاقی مسئلہ یہ ہے کہ اگر رمضان میں جماع قصداً کر لیا جائے تو اس پر کفارہ ہے بالاجماع۔

مسئلہ ثانیہ: اکل و شرب عمداً موجب کفارہ ہے یا نہیں؟

قول اوّل: شوافع و حنابلہ کے نزدیک موجب کفارہ نہیں۔

قول ثانی: احناف و مالکیہ کے نزدیک اکل و شرب عمداً بھی موجب کفارہ ہے۔

احناف کی دلیل اوّل:

حدیث الباب حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے۔ طریق استدلال یہ ہے کہ اس حدیث کی عبارۃ النص سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جماع عمداً موجب کفارہ ہے تو اسی حدیث سے یہ دلالت النص کے ذریعے یہ بات معلوم ہوئی کہ اکل و شرب موجب کفارہ ہے کیونکہ جس طرح جماع عمداً میں رکن صوم باقی نہیں رہتا، اس طرح اکل و شرب عمداً میں بھی رکن صوم باقی نہیں رہتا۔

دلیل ثانی: مسلم کی روایت "ان رجلاً افطر فی رمضان فامرہ النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم ان یکفر باعتاق رقبۃ الخ" تین سندوں سے مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اگرچہ افطار سے مراد افطار بالجماع ہے لیکن چونکہ افطر کے لفظ عام ہیں اور اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے خصوصیت مورد کا اعتبار نہیں ہوتا تو لفظ افطار کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ اکل و شرب عمداً بھی موجب کفارہ ہوگا یعنی جو حکم افطار بالجماع کا ہے وہی حکم اکل و شرب عمداً کا ہوگا۔

حنابلہ اور شوافع کی دلیل: حدیث الباب ہی ہے، طریق استدلال یہ ہے کہ کفارہ کا وجوب خلافِ قیاس ہے، قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ گناہ توبہ سے معاف ہو جائے، اس لیے کہ حدیث میں صرف جماع کا ذکر ہے اور جماع زیادہ سے زیادہ گناہ ہے لہٰذا کفارہ اپنے مورد یعنی جماع پر بند رہے گا۔

جواب: ہم نے کب قیاس کیا ہے اکل و شرب عمداً جماع عمداً پر بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اکل و شرب کا موجب کفارہ ہونا یہ تو دلالت النص کی وجہ سے ہے یا پھر مستقل نص ہے جو مسلم کی روایت ہے۔ باقی قیاس اور دلالت النص میں فرق، دلالت النص

میں جو وجہ الحاق ہوتی ہے اس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے، اتنی واضح ہوتی ہے جبکہ قیاس میں وجہ الحاق مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان جو ہوتی ہے اس کو ہر شخص نہیں سمجھتا سوائے مجتہد کے۔

مسئلہ اختلافی ثالث: اعسار کی وجہ سے آیا کفارہ ساقط ہوگا یا نہیں؟

قول اوّل: عند الجمہور ساقط نہیں ہوگا البتہ کفارہ کی ادائیگی حالت یسر تک مؤخر ہوجائے گی۔

قول ثانی: بعض مالکیہ وحنابلہ ساقط ہوجائے گا۔

جمہور کی دلیل: حدیث الباب حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آدمی کے سامنے تین صورتیں پیش کیں لیکن وہ کسی پر بھی آمادہ نہ ہوا، یعنی ہر صورت کے متعلق اس نے کہا کہ میں اس پر قادر نہیں۔ پھر جب اس تینوں کی نفی کردی تو اس کا تنگدست ہونا معلوم ہوگیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجوروں کا ٹوکرا آنے کے بعد صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عسر کے باوجود کفارہ اپنے حال پر باقی رہے گا ساقط نہ ہوگا۔

بعض مالکیہ اور بعض حنابلہ کی دلیل:

یہی حدیث ہے کہ جب اس نے کہا کہ مدینہ میں ہم سے زیادہ کوئی محتاج نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے گھر والوں کو کھلادو، صرف "الکفّارہ الی اھلھا" کا حکم دینا اسی وجہ سے ہے کہ کفارہ ساقط ہوگیا۔

جواب (۱): امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص چونکہ فی الحال تنگدست تھا اس لیے فرمایا کہ یہ فی الحال اپنے اہل کو کھلا دو جب قادر ہوجائے تو کفارہ ادا کردینا۔

جواب (۲): گھر والوں کو دینا یہ بطور کفارہ ہی تھا لیکن صرف یہ اسی شخص کی خصوصیت ہے کسی اور کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

فائدہ: مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے فتح الملہم میں حافظ ابن حجر صاحب رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ بعض محدثین نے اس حدیث پر مستقل تصانیف لکھی ہیں اور ایک ہزار سے زائد مسائل مستنبط کیے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کلام بھی قریب بحد الاعجاز ہے۔

چوتھا مسئلہ: اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ کفارہ کی اشیاء ثلاثہ میں ترتیب واجب ہے یا نہ اور دو مذاہب ہیں۔

مذہب اوّل: امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک اشیاء ثلاثہ میں ترتیب واجب ہے۔

مذہب ثانی: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اشیاء ثلاثہ میں ترتیب واجب نہیں بلکہ اختیار ہے۔

دلیل: آئمہ ثلاثہ کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے۔

دلیل: امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل قیاسی ہے۔ وہ کفارہ صوم کو قیاس کرتے ہیں کفارہ یمین پر کہ جس طرح کفارہ یمین کے اندر اشیاء ثلاثہ میں اختیار ہے۔

جواب (۱): کفارہ صوم میں اشیاء ثلاثہ کے اندر ترتیب کا واجب ہونا زیر بحث باب کی روایت سے بطور اشارۃ النص کے ثابت ہے اور آپ نے عدم ترتیب کو ثابت کیا ہے قیاس سے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب اشارۃ النص اور قیاس کے درمیان تعارض آجائے تو ترجیح اشارۃ النص کو ہوگی۔

جواب (۲): اگر کفارہ صوم کو قیاس کرنا ہے تو کفارہ ظہار پر قیاس کرو کیونکہ ان دونوں کے درمیان مماثلت ہے۔ وہ اس طرح کہ کفارہ ظہار اور کفارصوم دونوں میں پہلے اعتاق کا ذکر ہے۔ اگر کسی کی طاقت نہ ہو تو پھر صیام "شھرین متتابعین" کا ذکر ہے۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا کا ذکر ہے۔ بخلاف کفارہ یمین کے اس میں اشیاء ثلاثہ کے درمیان تخییر ہے۔ (۱) دس مساکین کو کھانا کھلانا۔

(۲) لباس پہنانا (۳) اعتاق۔ ان میں سے کسی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تین روزے رکھنے ضروری ہیں تو ثابت ہو گیا کہ کفارہ صوم اور کفارہ ظہار کے درمیان عدم مماثلت ظاہر ہے۔

پانچواں مسئلہ: اس یوم جس کا روزہ فاسد ہوا ہے کی قضاء لازم ہے یا نہیں؟

قول اوّل: عند مالک وابی حنیفہ اس کی قضاء بھی لازم ہے وبہ قال اسحاق واحمد وثوری۔ لہٰذا کفارہ بالعتق میں ایک روزہ بھی رکھنا ہوگا اور کفارہ بالصوم میں اکسٹھ روزے رکھنے ہوں گے۔ احناف استدلال کرتے ہیں بعض احادیث سے جن میں تصریح ہے، امر بالقضاء کی کمافی روایت البیہقی، نیز قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے جو صوم فاسد ہوا اس کی قضاء لازم ہو۔

قول ثانی: عند الشافعی اس دن کی قضاء لازم نہیں ہے مطلقاً کیونکہ صحیحین اس کی قضاء کی تصریح نہیں آئی۔

قول ثالث: امام اوزاعی فرماتے ہیں "ان کفر بغیر الصوم یقضی والافلا وھو قول الشافعی"

چھٹا مسئلہ: صورت اطعام میں ستین مسکین کا اطعام ضروری ہے عند الجمہور "خلافا للحسن حیث قال یطعم اربعین مسکینا"

پھر جمہور میں اختلاف ہے عند عام آئمہ ساٹھ الگ الگ مسکین ضروری ہیں تو ایک مسکین کو جمعاً جائز نہیں ہے لیکن ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے کہ ایک مسکین کو دے دیں، سارے ماہ میں متفرقاً کیونکہ ہر روز مسکین کی حاجت اکل جدید ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک ہی مسکین یوم ثانی میں فی حکم مسکین آخر ہے تو یہ بھی فی حکم ستین مسکین ہوا۔ "ولذا قال ابو حنیفہ لو رفع الی مسکین واحد فی یوم واحد لایصح"

بَابُ مَا جَاءَ فِي السِّوَاكِ لِلصَّائِمِ روزے میں مسواک کرنا

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَا أُحْصِي يَتَسَوَّكُ وَهُوَ صَائِمٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اَن گنت مرتبہ روزے میں مسواک کرتے ہوئے دیکھا۔

تشریح احناف کے ہاں مسواک للصائم مطلقاً جائز ہے عام ہے کہ بعد الزوال ہو یا قبل الزوال ہو، رطب ہو یا یابس ہو۔ شوافع کے ہاں قبل از زوال مطلقاً جائز ہے اور بعد از زوال مطلقاً مکروہ ہے، عام ہے کہ رطب ہو یا یابس ہو۔ مالکیہ مسواک اگر رطب ہو تو مطلقاً کراہت ہے۔ احناف کی دلیل: حدیث الباب، حدیث طرفہ بن ربیعہ "قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملا احصی یتسوک وھو صائم" یہ وقت دون وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

شوافع کی دلیل: باب فضل الصوم میں ذکر کریں گے "ولخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک" طریق استدلال یہ ہے کہ یہ خلوف زوال کے بعد منہ میں پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا مسواک نہ کیا جائے تاکہ یہ خلوف زائل نہ ہو جائے۔

جواب: خلوف منہ میں خالی معدے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اس کا ازالہ نہیں ہوتا اس کا اثر جو دانتوں پر پیلا پن ہوتا وہ زائل ہوتا ہے۔ نیز یہ ایسے ہی جیسے کتاب الجہاد میں فرمایا کہ مجاہد کے جسم پر جو غبار ہے یہ غبار اور جہنم کی آگ جمع نہیں ہو سکتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكُحْلِ لِلصَّائِمِ روزے میں سُرمہ لگانا

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اشْتَكَتْ عَيْنِي أَفَأَكْتَحِلُ وَأَنَا صَائِمٌ قَالَ نَعَمْ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آیا ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور عرض کیا کہ میری آنکھیں دکھتی ہیں کیا سُرمہ لگاؤں میں روزے میں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔

تشریح **مسئلہ اختلافی: روزے دار کیلئے سرمہ لگانے کا کیا حکم ہے؟**

قول اوّل: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک، امام شافعی رحمہا اللہ کے ہاں صائم کے لیے سرمہ لگانا جائز ہے دن کو لگائے یا رات کو لگا کر سو جائے یا نہ سوئے صبح لگائے یا شام کو لگائے۔

قول ثانی: امام احمد رحمہ اللہ، سفیان ثوری اور ابن مبارک رحمہا اللہ اور امام اسحٰق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صائم کے لیے سرمہ مکروہ ہے۔

جمہور کی دلیل: حدیث الباب "جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشتکت عینی أفا کتحل وانا صائم قال نعم"

سوال: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو سنداً ضعیف کہا ہے۔

جواب (۱): چونکہ یہ متعدد طرق سے مروی ہے اور کثرت طرق سے ضعف منجبر ہو جاتا ہے۔

جواب (۲): ہم وجوب تو ثابت نہیں کر رہے ہیں۔

امام احمد کی دلیل: ابوداؤد میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اثمد سرمہ استعمال کرنے کا حکم دیا اور فرمایا "ولیتقھا صائم" یعنی صائم اس سے بچے۔

جواب: یہ سنداً ضعیف ہے حدیث مرفوع کے مقابل نہیں بن سکتی۔ روزہ دار کے لیے سرمہ لگانے کے متعلق جتنی احادیث

بھی مروی ہیں وہ ضعیف ہیں۔امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”و لا یصح عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم فی ھذا الباب شیئ“ چونکہ حدیث الباب ابوعاتکہ سے مروی ہے اس لیے یہ بھی ضعیف ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ روزے میں بوسہ لینا

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقَبِّلُ فِي شَهْرِ الصَّوْمِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لیتے تھے رمضان کے مہینے میں۔

تشریح مسئلہ: قبلہ للصائم جائز ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے ہاں اگر جماع میں مبتلا ہونے سے امن ہو تو پھر جائز ہے اور اگر اندیشہ ہو جماع میں مبتلاء ہونے کا پھر کراہت ہے۔

قول ثانی: مالکیہ مطلقاً کراہت کے قائل ہیں۔حنابلہ یہ حضرات مطلقاً اباحت کے قائل ہیں۔

احناف کی دلیل: احادیث دونوں قسم کی ہیں۔

مالکیہ کی دلیل: کراہت والی روایات ہیں اور حنابلہ کی دلیل اباحت والی روایات ہیں اور حنابلہ نے یہ کہا کہ دونوں قسم کی روایات کو دونوں پر محمول کیا جائے۔بعض حضرات نے یوں تعبیر و تطبیق دی ہے کہ اباحت والی احادیث شیخ فانی کے حق میں اور کراہت والی شباب کے حق میں لیکن دارومدار امن کے ہونے یا نہ ہونے پر ہے اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں کو بچنا چاہیے،نوجوان کو بچنا چاہیے امن کے نہ ہونے کی وجہ سے شیخ فانی کو بچنا چاہیے قوت اور مدافعت نہ ہونے کی وجہ سے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُبَاشَرَةِ الصَّائِمِ روزے میں بوس و کنار کرنا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبَاشِرُنِي وَهُوَ صَائِمٌ وَكَانَ أَمْلَكَكُمْ لِإِرْبِهِ

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ بوس و کنار کرتے تھے اور تم سب سے زیادہ اپنی شہوت کو قابو میں رکھنے والے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ وَكَانَ أَمْلَكَكُمْ لِإِرْبِهِ

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لیتے تھے اور بیبیوں کے ساتھ لیٹتے تھے روزوں میں اور تم سے بہت قابو میں رکھنے والے تھے اپنی شہوت کو۔

تشریح حدیث الباب میں مباشرت سے مراد مباشرت فاحشہ نہیں بلکہ لمس ہے جس طرح روزہ دار اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا ہے۔اسی طرح اگر اس کو اپنے اوپر قدرت ہو تو لمس بھی کر سکتا ہے۔

"قوله كان املككم لا ربه" یہ کہہ کر اس بات پر تنبیہ کر رہی ہیں کہ اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قیاس مت کرو، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اپنی حاجت پر قابو پانے والے تھے لیکن اپنی حاجت پر قابو نہیں پاسکتے۔
"اَرَبٌ" بمعنی حاجت "اِرْب" بمعنی عضو مخصوص۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا صِيَامَ لِمَنْ لَمْ يَعْزِمْ مِنَ اللَّيْلِ جو شخص رات سے نیت نہ کرے اس کا روزہ درست نہیں

عَنْ حَفْصَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ.

ترجمہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نیت نہ کرے روزے کی صبح صادق سے پہلے سے تو اس کا روزہ ہی نہیں۔

تشریح "لم یعزم، ای لم ینو"

مسئلہ اختلافی: روزے کے صحیح ہونے کیلئے صبح صادق سے پہلے نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ بعنوان آخر: "تبییت النیت" ضروری ہے یا نہیں؟ اس کو سمجھنے سے یہ سمجھیں کہ روزے چھ قسم کے ہیں۔ (۱) رمضان (۲) صوم نذر معین (۳) نفل (۴) صوم قضاء (۵) صوم نذر مطلق (۶) صوم کفارہ۔ احناف فرماتے ہیں کہ پہلی تین قسم کے روزوں کے لیے یعنی رمضان، صوم نذر معین، نفل ان تینوں کے لیے "تبییت النیت" کا ہونا ضروری نہیں نصف النہار شرعی سے پہلے نیت کر لی تو روزہ صحیح ہو جائے گا۔ بشرطیکہ کوئی چیز کھائی پی نہ ہو اور آخری تینوں قسم کے روزوں کے لیے یعنی صوم قضاء، صوم نذر مطلق، صوم کفارہ، ان تینوں قسم کے روزوں کے لیے "تبییت النیت" ضروری ہے۔ شافعیہ فرماتے ہیں کہ صوم نفل کے ماسوا باقی تمام کے لیے "تبیت النیت" کا ہونا ضروری ہے اور صوم نفل کے لیے "تبییت النیت" ضروری نہیں۔ مالکیہ مطلق روزوں کے لیے "تبییت النیت" ضروری ہے۔

احناف کی دلیل اوّل:

صوم نفل کے بارے میں صحیحہ کثیرہ جن میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات سے کھانے پینے کے متعلق دریافت فرمایا، عرض کیا کہ کوئی چیز نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اب میں روزے دار ہوں، جیسے اگلے صفحہ پر حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے۔ باقی صوم رمضان کے متعلق حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ ایک اعرابی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رمضان کے چاند کی گواہی دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اِلاَمن اكل فلم ياكل بقية يومه" یعنی جس شخص نے کھا پی لیا وہ صائمین کی ہیئت اختیار کرے۔ "ومن لم ياكل فليصمه" یعنی جس نے کھایا پیا نہیں وہ روزہ رکھ لے اور ظاہر ہے کہ یہ نیت صوم فرض کی ہے۔

دلیل ثانی: امام طحاوی رحمہ اللہ نے کئی دلائل سے ثابت کیا کہ صوم یوم عاشوراء فرض تھا، بعد میں صوم رمضان کی فرضیت کی وجہ سے یہ فرض ساقط ہو گیا۔ حدیث سلمہ بن الاکوع "المتعلق بصوم یومِ عاشوراء" کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ

اسلم کے ایک آدمی کو حکم دیا "اَنْ اَذِنْ فی النّاس" کہ جس شخص نے کھا پی لیا وہ بقیہ دن کھائے پیے نہ صائمین کی مشابہت اختیار کرے اور جس نے نہیں کھایا وہ روزے کی نیت کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صوم فرض کے لیے "تبییت النیت" ضروری نہیں ہے۔ "اذا کان الامر کذلک" اب ہم یہ کہتے ہیں کہ صومِ نذر معین ملحق ہے صوم فرض کے ساتھ صرف فرق یہ ہے کہ صوم فرض میں تعیین من جانب اللہ ہوتی ہے جبکہ صومِ نذر معین میں تعیین بندے کی جانب سے ہوتی ہے۔

شافعیہ کی دلیل: حدیث الباب حدیث حفصہ رضی اللہ عنہا "عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قال من لم یجمع الصیام قبل الفجر فلا صیام لہٗ" اب شوافع کہتے ہیں کہ یہ حدیث عام مخصوص منہ البعض ہے، صوم نفل اس سے مستثنیٰ ہے اور احادیث کثیرہ صحیحہ دال ہیں، اس بات پر کہ صوم نفل کے لیے 'تبییت النیت' ضروری نہیں ہے۔ مالکیہ کی دلیل بھی یہی حدیث ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غیر مخصوص منہ البعض ہے، روزے کی تمام اقسام اس کے تحت داخل ہیں۔

جواب (۱): اس حدیث کا مصداق صرف اخیری تین قسمیں ہیں۔ صوم قضاء رمضان، صوم نذر مطلق، صومِ کفارہ اور پہلی تینوں قسمیں، صوم رمضان، صومِ نفل، صوم نذر معین اس میں داخل نہیں۔

جواب (۲): اگر عموم کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر "فلا صیام لہٗ" میں نفس صوم کی نفی نہیں بلکہ کمالِ صوم کی نفی ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر قبل الزوال نیت نہ کی تو کمالِ صوم نہ ہوگا۔

جواب (۳): یہ موؤل ہے اور تاویل کی طرف اشارہ کیا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے "وانّما معنٰی" سے اور وہ تاویل یہ ہے کہ جس شخص نے قبل الفجر روزہ ہونے کی نیت نہ کی ہو بلکہ کہا کہ جس وقت نیت کر رہا ہے، اس وقت سے روزہ ہے تو پھر اس کا روزہ نہ ہوگا، گویا کہ قبل الفجر کا تعلق صیام قبل الفجر سے نہ کہ "لَمْ یَنْوِ" سے۔

جواب (۴): امام ترمذی رحمہ اللہ نے اصح قرار دیا ہے کہ یہ قول ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے اور ظاہر ہے کہ صحابی کا قول احادیث مرفوعہ کے مقابلے میں حجت نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِفْطَارِ الصَّائِمِ الْمُتَطَوِّعِ نفل روزہ توڑنا

عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ كُنْتُ قَاعِدَةً عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَاوَلَنِي فَشَرِبْتُ مِنْهُ، فَقُلْتُ إِنِّي أَذْنَبْتُ فَاسْتَغْفِرْ لِي، فَقَالَ وَمَا ذَاكِ، قَالَتْ كُنْتُ صَائِمَةً، فَأَفْطَرْتُ، فَقَالَ أَمِنْ قَضَاءٍ كُنْتِ تَقْضِينَهُ، قَالَتْ لَا قَالَ فَلَا يَضُرُّكِ.

ترجمہ: حضرت اُم ہانی سے روایت ہے کہ میں بیٹھی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور لائے کوئی چیز پینے کی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھیر دی مجھ کو اور پی لی میں نے سو عرض کیا میں نے کہ میں نے گناہ کیا پس مغفرت مانگئے میرے لیے سو فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا گناہ کیا تم نے؟ تو کہا میں نے میں روزے سے

تھی اور روزہ توڑ ڈالا، میں نے تو پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا روزہ قضا کا تھا؟ کہا میں نے نہیں۔ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ كُنْتُ أَسْمَعُ سِمَاكَ بْنَ حَرْبٍ يَقُولُ أَحَدُ بَنِي أُمِّ هَانِئٍ حَدَّثَنِي فَلَقِيتُ أَنَا أَفْضَلَهُمْ وَكَانَ اسْمُهُ جَعْدَةَ وَكَانَتْ أُمُّ هَانِئٍ جَدَّتَهُ فَحَدَّثَنِي عَنْ جَدَّتِهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَدَعَا بِشَرَابٍ فَشَرِبَ ثُمَّ نَاوَلَهَا فَشَرِبَتْ، فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ، أَمَا إِنِّي كُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ أَمِينُ نَفْسِهِ، إِنْ شَاءَ صَامَ، وَإِنْ شَاءَ أَفْطَرَ قَالَ شُعْبَةُ فَقُلْتُ لَهُ، أَأَنْتَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَ لَا أَخْبَرَنِي أَبُو صَالِحٍ وَأَهْلُنَا عَنْ أُمِّ هَانِئٍ.

ترجمہ ہم سے روایت کی محمود بن غیلان نے ان سے ابوداؤد نے ان سے شعبہ نے کہا شعبہ نے سنا میں نے سماک بن حرب سے کہتے تھے روایت کی تھی مجھ سے اُم ہانی کی اولاد میں سے ایک شخص نے پھر ملا میں اس سے جو سب سے بہتر تھا ان کی اولاد میں اور نام اس کا جعدہ تھا اور اُم ہانی ان کی دادی تھی۔ سو روایت کی انہوں نے اپنی دادی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور کچھ پینے کو مانگا، پھر پیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور دیا ان کو سو پی لیا اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے اور کہا یا رسول اللہ! میں روزہ سے تھی سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفل روزہ رکھنے والا امانت دار ہے اپنی ذات کا چاہے روزہ رکھے چاہے افطار کرے یعنی جیسا موقع دیکھے کہا شعبہ نے کہا میں نے سماک بن حرب سے کیا تم نے سنا ہے اُم ہانی سے؟ کہا انہوں نے نہیں بلکہ خبر دی مجھ کو ابوصالح نے اور ہمارے گھر والوں نے اُم ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے۔

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ قَالَتْ قُلْتُ لَا قَالَ فَإِنِّيْ صَائِمٌ۔

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے جو ماں ہیں سب مسلمانوں کی کہا انہوں نے آئے میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اور فرمایا کچھ کھانا ہے تمہارے پاس؟ کہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا میں نے نہیں، فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں روزے سے ہوں۔

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ إِنْ كَانَ النَّبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاتِيْنِيْ فَيَقُوْلُ اَعِنْدَكِ غَدَآءٌ فَاَقُوْلُ لَا فَيَقُوْلُ اِنِّيْ صَائِمٌ قَالَتْ فَاَتَانِيْ يَوْمًا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ قَدْ اُهْدِيَتْ لَنَا هَدِيَّةٌ قَالَ وَمَا هِيَ قُلْتُ حَيْسٌ قَالَ اَمَا اِنِّيْ اَصْبَحْتُ صَائِمًا قَالَتْ ثُمَّ اَكَلَ۔

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت ہے سے جو ماں ہیں مسلمانوں کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب آتے میرے پاس دن کو اور فرماتے کہ تمہارے پاس کچھ کھانا ہے اور کہتی میں کہ نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ میں روزے سے ہوں کہا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سو ایک دن آئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس اور پوچھا اسی طرح سو عرض کیا میں نے یا رسول اللہ! آیا ہے ہمارے پاس ہدیہ کھانے کا سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا چیز ہے؟ عرض کیا میں نے حیس ہے۔ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح سے تو میں نے نیت کی تھی روزے کی۔ کہا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پھر کھایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو۔

تشریح اس باب کی پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے کی قضاء ضروری نہیں اور آخری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاء ضروری ہے، یہاں پر دو مسئلے ہیں۔

(۱) صائم متطوع کے لیے افطار جائز ہے یا نہیں؟ (۲) اگر صائم متطوع روزے کو افطار کر دے تو قضاء لازم ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ اولیٰ، قول اوّل: احناف کی ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ اگر عذر ہو تو پھر متطوع کے لیے افطار کرنا جائز ہے اور پھر عذر میں توسع ہے، معمولی معمولی چیزیں عذر بن سکتی ہیں۔

قول ثانی: شوافع کا مذہب یہ ہے کہ افطار جائز ہے عام ہے کہ عذر ہو یا نہ ہو۔

احناف کی ظاہر الروایۃ کی دلیل: جن احادیث میں صوم نفلی کے افطار کا ذکر اس کو محمول کرلیں افطار عند العذر پر۔

مسئلہ ثانیہ: صائم متطوع اگر افطار کرے تو قضاء واجب ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف و مالکیہ کے نزدیک قضاء واجب ہے۔

قول ثانی: شافعیہ و حنابلہ کے ہاں قضاء واجب نہیں۔

احناف کی دلیل اوّل: آیت کریمہ "لا تبطلوا اعمالکم" اس آیت کریمہ میں عمل کو شروع کرنے کے بعد عمل کو باطل کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ نفلی روزہ شروع کرنے کے بعد جب افطار کر لیا تو بطلان سے بچانے کے لیے بجز قضاء کے کوئی اور چیز نہیں۔

دلیل ثانی: آیت کریمہ "رھبانیۃ ابتدعوھا فما رعوھا حق رعایتھا" اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی عمل کو شروع کرنے کے بعد یعنی التزام کے بعد پایا تکمیل تک نہ پہنچانا قابل مذمت ہے، اس کا مقتضی بھی یہ ہے کہ نفلی روزہ کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ جب افطار کر لیا تو تکمیل کی بجز قضاء کے کوئی اور صورت نہیں۔

دلیل ثالث: مابعد کے باب میں حدیث عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہن، "فقالت یا رسول اللہ انا کنا صائمین فعرض لنا طعام استیھناہ فاکلنا منہ، فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم فبدرتنی الیہ حفصۃ وکانت ابنۃ ابیھا فقالت یا رسول اللہ انا کنا صائمین فعرض لنا طعام استیھناہ فاکلنا منہ، قال اقضیاء یوما آخر" اب اقضیاء امر ہے اور جب تک

قرینہ صارفہ عن الوجوب نہ پایا جائے تو وہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور یہاں پر کوئی قرینہ صارفہ عن الوجوب نہیں پایا جاتا۔

سوال: ہمارے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو منقطع قرار دیا ہے۔ متعدد رواۃ عروہ کا واسطہ ذکر نہیں کرتے مثلاً انس بن مالک، عبید اللہ بن عمرو، زیاد بن سعد، زہری وغیرہ، اس کو منقطع نقل کر رہے ہیں اور آگے فرمایا کہ اس کا منقطع ہونا ہی اصح ہے کیونکہ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے زہری سے پوچھا کہ تمہارے سامنے یہ حدیث عروہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطہ سے حاصل ہوئی ہے تو فرمایا "لم اسمع عن عروہ فی ھذا شیئا ولکن سمعت فی خلافت سلیمان بن عبدالملک من ناسٍ عن بعض سأل عائشہ رضی اللہ عنہا عن ھذا الحدیث"

جواب (۱): جیسے بعض رواۃ مذکورہ فی الکتاب مثلاً مالک بن انس وغیرہ منقطع روایت کر رہے ہیں، بالکل ایسے ہی جعفر بن یرقان عروہ کے واسطے سے ذکر کر رہے ہیں اور ایسے صالح بن ابی جعفر، محمد بن ابی حفصہ، صالح بن کیسان، سفیان بن حصین، اگرچہ آخری دو کا نام نہیں لیا لیکن پانچ ثقہ ہیں اور متصلاً نقل کر رہے ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث زیادۃ ثقہ مقبولۃ کے قبیل سے ہے۔

جواب (۲): یہ حدیث دائر ہو گئی متصل اور منقطع کے درمیان اور قاعدہ ہے کہ جب حدیث میں دونوں احتمال ہوں، متصل کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ متصل کی جانب زیادتی ہے اور منقطع ہونے میں کوئی زیادتی نہیں۔

جواب (۳): اگر منقطع ہونے کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ ایسی منقطع ہے جو منقطع ہونے کے باوجود قابل استدلال ہے اس لیے کہ جو منقطع آیات کریمہ اور احادیث صحیحہ سے مؤید ہو وہ منقطع قابل استدلال ہوتی ہے اور یہ آیت کریمہ احادیث صحیحہ سے مؤید ہے۔

دلیل رابع: حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا "فی باب ماجاء فی افطار الصائم المتطوع" یہاں ترمذی کی روایت میں اختصار ہے لیکن طحاوی کی روایت میں اضافہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اعندک غداء فاقول لا فیقول انی صائم، قالت فاتانی یوماً فقلت یا رسول اللہ قد اھدیت لنا ھدیۃً قال وما ھی قلت حیث قال اما انی اصبحت صائماً قالت ثم اکل قال ساصوم یوماً آخر مکانہٗ" دوسرے دن روزہ قضاء کے طور پر ہے۔

دلیل خامس: حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فتح الملہم میں بیہقی حوالہ سے نقل کیا کہ ایک صحابی کی دعوت کی گئی، انہوں نے دعوت کھانے سے اعراض کیا اور عذر کیا "اِنی صائم" تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ارے بھائی انہوں نے تکلف کیا ہے اور کھانا تیار کیا ہے اور تم کہہ رہے ہو "انی صائمٌ وَاَفطِرْ وصم یوماً آخر مکانہٗ" فطر امر ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے۔

سوال: اس حدیث بعض روایات میں ایک جملہ زائد بھی ہے۔ وہ جملہ یہ ہے "اِنْ شئت" اور یہ دلیل ہے اس بات کی قضاء لازم نہیں ہے؟

جواب: ہم پڑھتے ہیں لیکن تمہیں فائدہ نہ دے گا اس لیے کہ اس کا افطر کے ساتھ ہے نہ کہ اس کا تعلق "صُمْ یوماً آخر مکانہٗ" کے ساتھ۔

دلیل سادس: اس پر اجماع ہے کہ حج کے شروع کرنے کے بعد اگر حج کو فاسد کر دیا تو قضاء لازم ہوگی بالکل ایسی اگر نفلی روزے کو شروع کرنے کے اگر توڑ دیا جائے تو اس کی بھی قضاء لازم ہونی چاہیے۔

شافعیہ اور حنابلہ کی دلیل اوّل:

حدیث الباب حدیث اُم ہانی، یہ حدیث دو طریق سے مروی ہے۔(۱) ایک طریق "فلا یضرکِ" اس کا مضمون یہ ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھی تھی۔ "فاتی بشراب فشرب منه ثم ناولنی فشربت منه انی اذنبت فاستغفر لی قال وماذاکِ قالت کنت صائمة فافطرتُ فقال أمِنْ قضاء کنت تقضیه قالت لا قال فلا یضرکِ"

دلیل ثانی: حدیث اُم ہانی بطریق ثانی میں یہ ہے کہ "الصائم المتطوع امیر نفسه ان شاء صام وان شاء فافطر" یعنی روزہ رکھنے کا اختیار ہے کہ روزہ رکھے یا نہ رکھے۔

دلیل ثالث: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اسی باب کے آخر میں ہے "قالت ان کان النبی صلی اللہ علیه وآله وسلّم یاتینی فیقول اعندک غدائٌ فاقول لا فیقول انی صائم قالت فاتانی یومًا فقلت یارسول اللہ قد اهدیت لنا هدیةٌ قال وماهی قلت حیس قال اما انی اصبحت صائمًا قالت ثم اکل" اس حدیث قضاء کا ذکر نہیں اگر ہوتی قضاء تو ذکر موجود ہوتا۔

حدیث اُم ہانی رضی اللہ عنہا طریق اوّل کا جواب(۱)

تو امام ترمذی رحمہ اللہ نے خود دیا ہے "وفی اسنادہِ مقال" لہٰذا یہ حدیث قابل استدلال نہیں۔ باقی وہ مقال یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں سماک بن حرب کبھی تو روایت کرتے ہیں ابن اُم ہانی عن اُم ہانی سے اور کبھی احد بنی اُم ہانی سے روایت کرتے ہیں اور اس احد بنی اُم ہانی کا مصداق جعدہ ہے اور اُم ہانی اس کی دادی ہے اور پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ براہِ راست بیٹے سے روایت کیا ہے اور کبھی سند میں ابوصالح کا ذکر کا ذکر کرتے ہیں۔ "قال شعبه قلت لهٗ انت سمعت هذا من اُمّ هانی قال لا اخبرنی ابو صالح واهلکنا عن اُم هانی" اور کبھی ہارون بنت اُم ہانی ذکر کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون اُم ہانی کا نواسہ ہے، یہ سماک بن حرب کسی ایک شاخ پر استقرار نہیں پکڑ رہے، اس لیے "فی اسنادہ مقال"، لہٰذا یہ حدیث احناف کے خلاف حجت نہیں۔

مشکوٰۃ روایت میں ہے کہ یہ واقعہ پیش آیا فتح مکہ میں اور فتح مکہ رمضان میں پیش آیا، اب رمضان میں یہ سوال کرنا کہ تم قضاء کا روزہ رکھ رہی ہو، یہ سوال ہی صحیح نہیں ہے اس لیے کہ رمضان میں تو فرض روزہ ہوتا ہے اور پھر یہ کہنا کہ یہ روزہ نفلی تھا، "ظلمات بعضها فوق بعض"

جواب(۲): "لا یضرک" والا جو طریق ہے اس میں ضرر سے مراد ضررِ اُخروی کی نفی ہے کہ آخرت میں ضرر اس کا قرینہ یہ ہے کہ حضرت اُم ہانی خوف زدہ ہوئی تھیں، گناہ سے اس کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفی کی اور ضررِ اُخروی کی نفی سے یہ کہاں لازم آ گیا کہ قضاء بھی لازم نہ ہو۔

طریق ثانی کا جواب: "الصائم المتطوع امیر نفسہ" یہ ابتداءً ہے بقاءً نہیں، نفلی روزہ شروع کرنے میں اختیار ہے، رکھے یا نہ رکھے لیکن شروع کرنے کے بعد اختیار باقی نہیں رہتا۔ حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جواب، قضاء کے ذکر نہ کرنے سے یہ کہاں لازم آ گیا کہ قضاء لازم ہی نہیں، اگر ذکر کرنے کا شوق زیادہ ہی ہے تو پھر طحاوی میں اس کا ذکر موجود ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِيجَابِ الْقَضَاءِ عَلَيْهِ نفل روزے کی قضاء واجب ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اشْتَهَيْنَاهُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَدَرَتْنِي إِلَيْهِ حَفْصَةُ وَكَانَتْ ابْنَةَ أَبِيهَا، فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا كُنَّا صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اشْتَهَيْنَاهُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ، قَالَ اقْضِيَا يَوْمًا آخَرَ مَكَانَهُ۔

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں روزے سے تھیں اور آیا ہمارے یہاں کھانا کہ جی چاہا ہمارا اور کھالیا ہم نے اس میں سے پھر آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مجھ سے پہلے کہہ بیٹھیں حفصہ کو وہ تو اپنے باپ کی بیٹی تھیں یعنی جیسے ان کے باپ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوشیار اور تیز تھے ویسے ہی یہ بھی ہوشیار تھیں کہ مجھ سے پہلے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگیں اور کہا یا رسول اللہ! ہم دونوں روزے سے تھیں اور سامنے آ گیا ہمارے کھانا کہ جی چاہنے لگا اس کو پس کھالیا ہم نے اس میں سے سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھو اس کے عوض میں ایک دن۔

تشریح اس باب کے متعلق شرح ماقبل میں گزر چکی ہے۔

"حفصة و كانت ابنة ابيها" ہر بیٹی اپنے باپ کی بیٹی ہی ہوتی ہے لیکن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تخصیص اس لیے کہ وہ اپنے باپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرح جرأت میں تھیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وِصَالِ شَعْبَانَ بِرَمَضَانَ شعبان اور رمضان کے روزے ملا کر رکھنا

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ إِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ

ترجمہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نہیں دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ پے در پے دو مہینے کے روزے رکھتے ہوں مگر شعبان اور رمضان میں یعنی شعبان میں بہت روزے رکھتے تھے۔

تشریح پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبان کے پورے ماہ میں روزے رکھتے تھے جبکہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبان کے اکثر ماہ میں روزے رکھتے تھے۔ بظاہر تعارض ہے۔

جواب: پہلی روایت مجاز پر محمول ہے اس لیے کہ اکثر کو کل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور محاورے میں ایسا ہوتا ہے جیسے کہا جاتا

ہے "قام فلان لیلۃً اجمع" اس نے رات کو کھانا کھایا اور تقاضا بھی کیا ہوگا لیکن اکثر رات اُس نے چونکہ قیام کیا اس لیے پوری رات کے قیام سے تعبیر کر دیا۔ باقی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کثرت صوم کے لیے شعبان کے مہینے کو خاص کیا کیونکہ اس مہینے میں بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّوْمِ فِي النِّصْفِ الْبَاقِي مِنْ شَعْبَانَ لِحَالِ رَمَضَانَ

نصف آخر شعبان میں رمضان کی تعظیم کی نیت سے روزے رکھنا مکروہ ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَقِيَ نِصْفٌ مِنْ شَعْبَانَ فَلَا تَصُومُوا.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب باقی رہ جائے آدھا مہینہ شعبان کا تو روزہ نہ رکھو۔

تشریح: رمضان کے استقبال کی نیت سے شعبان کے آخری دنوں میں روزے رکھے جائیں تو جائز نہیں لیکن اگر وہ عادت بنانے کے لیے رکھتا ہے تو پھر جائز ہے اور اسی طرح اگر کوئی آدمی معین دنوں کے روزے رکھتا ہے اب وہ دن شعبان کے آخری دنوں میں آ گئے تو بھی جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ شب برأت کے متعلق

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَخَرَجْتُ فَإِذَا هُوَ بِالْبَقِيعِ فَقَالَ أَكُنْتِ تَخَافِينَ أَنْ يَحِيفَ اللهُ عَلَيْكِ وَرَسُولُهُ، قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي ظَنَنْتُ أَنَّكَ أَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ فَقَالَ إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شب گم پایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر نکلی میں یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں سو وہ بقیع میں تھے۔ سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ڈرتی تھی کہ ظلم کرے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا تجھ پر۔ کہا میں نے یا رسول اللہ! میں نے جانا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گئے ہیں کسی بیوی کے پاس۔ سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ اُترتا ہے پندرہویں شب میں شعبان کی دُنیا کے آسمان کی طرف سو بخشتا ہے اپنے بندوں کو قبیلہ بنی کلب کے بکریوں کے بالوں کے عدد سے زیادہ۔

تشریح: "قولہ اکنت تخافین ان یحیف اللہ علیک ورسولہ" اللہ کا نام بطور تبرک کے ذکر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سوال کا جواب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی دے سکتی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے نعم کے ساتھ جواب نہ دیا

اس لیے کہ اگر نعم کہتی ہیں تو یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جور کی نسبت ہے اور یہ درجہ کفر ہے اور اگر "لا" کہیں تو یہ واقعہ کے خلاف ہے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مقام ایجاز میں اطناب کو اختیار کیا اور اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اے اللہ کے پیغمبر! میں نے خیال ضرور کیا لیکن ظلم ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس لیے کہ آپ کے لیے ایسا کرنا جائز ہے کہ ایک زوجہ کی باری میں دوسری زوجہ کے پاس جائیں۔

"قولہ فیغفر لا کثر من عدد شعر غنم کلب" اس جملہ میں تتابع اضافت ہے، بنوکلب کی بکریاں بہت زیادہ تھیں، اس رات اللہ تعالیٰ نے بنوکلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ کی بخشش فرمائی ہے۔

"قولہ وسمعت محمدًا یضعف" وجہ تضعیف، دو وجہوں سے کہ دو جگہوں میں انقطاع ہے۔ یحییٰ بن کثیر کا عروہ سے سماع ثابت نہیں اور حجاج کا یحییٰ بن کثیر سے سماع ثابت نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ الْمُحَرَّمِ محرم کے روزے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ شَهْرُ اللهِ الْمُحَرَّمُ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب روزوں سے افضل رمضان کے روزوں کے بعد محرم کے مہینے کے روزے ہیں جو اللہ کا مہینہ ہے۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ أَيَّ شَهْرٍ تَأْمُرُنِي أَنْ أَصُومَ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ، قَالَ لَهُ مَا سَمِعْتُ أَحَدًا يَسْأَلُ عَنْ هَذَا إِلَّا رَجُلًا سَمِعْتُهُ يَسْأَلُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَا قَاعِدٌ عِنْدَهُ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَيَّ شَهْرٍ تَأْمُرُنِي أَنْ أَصُومَ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ، قَالَ إِنْ كُنْتَ صَائِمًا بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ فَصُمِ الْمُحَرَّمَ فَإِنَّهُ شَهْرُ اللهِ فِيهِ يَوْمٌ تَابَ فِيهِ عَلَى قَوْمٍ وَيَتُوبُ فِيهِ عَلَى قَوْمٍ آخَرِينَ.

ترجمہ: حضرت نعمان بن سعد سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا راوی نے پوچھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرد نے اور کہا بعد رمضان کے کس مہینے کے روزوں کا حکم ہے؟ تو فرمایا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میں نے نہیں دیکھا کسی کو یہ پوچھتے ہوئے مگر ایک مرد کو کہ پوچھتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور میں ان کے پاس بیٹھا تھا سو کہا اس نے یا رسول اللہ! کس مہینے کے روزے کا حکم کرتے ہیں مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعد رمضان کے؟ یعنی بعد رمضان کے کس مہینے کے روزے افضل ہیں؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر تجھ کو بعد رمضان کے روزے رکھنا ہے تو روزہ رکھ محرم میں اس لیے کہ وہ مہینہ اللہ کا ہے اس میں ایک

دن ہے کہ اللہ نے رحمت کی ایک قوم پر یعنی بنی اسرائیل پر کہ اسی مہینے میں نجات دی انہیں فرعون سے اور رجوع ہوگا دوسری قوم پر شاید یہ اشارہ ہو شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر۔

تشریح یا تو اس سے مراد نویں اور دسویں کا روزہ ہے یا اس سے مراد پہلے عشرہ کے دس دن ہیں، بہر "تقدیر ذکر الجزو ارادہ الکل" اور صومِ عاشورہ پورے سال کا کفارہ ہے۔

"قولہ تاب اللہ فیہ علی قوم . . . الخ"

قوم سے مراد قوم موسیٰ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے فرعون سے نجات دی۔ باقی حدیث میں "شہد اللہ المحرم" محرم کے مہینے کی اضافت اللہ کی طرف بطور تشریف و تعظیم کی وجہ سے ہے۔ (کما قال الطیبی)

قولہ حسن: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا حالانکہ اس میں ایک راوی نعمان بن سعد ہے اور وہ مجہول راوی ہے اور اسی طرح عبد الرحمن ابن اسحق الوسطی یہ بھی ضعیف ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ جمعہ کے دن روزہ رکھنا

عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ مِنْ غُرَّةِ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَقَلَّمَا كَانَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.

ترجمہ حضرت عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے تھے ہر مہینے کی پہلی تین تاریخوں میں اور ایسا کم ہوتا تھا کہ جمعے کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے نہ ہوں۔

تشریح مسئلہ: جمعہ کے دن روزے کا کیا حکم ہے؟

قول اوّل: جمہور کے نزدیک تنہا جمعہ کا روزہ رکھنا بھی جائز ہے۔

قول ثانی: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک صرف جمعہ کا روزہ مکروہ ہے اس سے قبل یا بعد ایک روزہ ساتھ ملائے۔

دلیل: جمہور کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے۔

آئمہ ثلاثہ کی دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کے مابعد باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے "وفیہ لا یصوم احد کم یوم الجمعۃ الا ان یصوم قبلہ" اور "یصوم بعدہ" کہ صرف جمعہ کا روزہ کوئی نہ رکھے۔ اس سے قبل یا بعد ایک روزہ ساتھ ملائے۔

جواب: یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔ باقی وہ احادیث جن میں نہی ہے وہ نہی پہلے تھی یا پھر وہ نہی لعینہ نہیں بلکہ نہی لغیرہ ہے اس دن کے روزے کو زیادہ باعث اجر و ثواب نہ سمجھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَحْدَهُ فقط جمعہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَصُومُ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا أَنْ يَصُومَ قَبْلَهُ أَوْ يَصُومَ بَعْدَهُ.

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی روزہ نہ رکھے فقط جمعہ کے دن بلکہ ملالے ایک دن پہلے یا ایک دن پیچھے۔

تشریح یہ باب آئمہ ثلاثہ کا مستدل ہے کہ اکیلے جمعہ کا روزہ رکھنا جائز نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ صَوْمِ يَوْمِ السَّبْتِ ہفتے کے دن روزہ رکھنا

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُسْرٍ عَنْ أُخْتِهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَصُومُوا يَوْمَ السَّبْتِ إِلَّا فِيمَا افْتَرَضَ اللهُ عَلَيْكُمْ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ أَحَدُكُمْ إِلَّا لِحَاءَ عِنَبَةٍ أَوْ عُودَ شَجَرَةٍ فَلْيَمْضُغْهُ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن بسر سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنی بہن سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ نہ رکھو فقط ہفتے کے دن مگر جو فرض ہو تم پر پھر اگر نہ پائے کوئی شخص کچھ کھانے کو مگر چھال انگور کی یا لکڑی کسی درخت کی تو اسی کو چبالے۔ یعنی ادنیٰ چیز بھی ہو تو کھالے اور روزہ نہ رکھے۔

تشریح:...... جمہور کے نزدیک یوم السبت کا روزہ رکھنا بھی جائز ہے اور جن احادیث میں نہی ہے وہ نہی لغیرہ ہے اس لیے کہ آج کل یہود کے ساتھ مشابہت نہ ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى صَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاص کر روزہ رکھتے تھے دو شنبے اور پنج شنبے کو۔ (یعنی پیر و جمعرات کو)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتَ وَالْأَحَدَ وَالْاِثْنَيْنِ وَمِنَ الشَّهْرِ الْآخَرِ الثُّلَاثَاءَ وَالْأَرْبِعَاءَ وَالْخَمِيسَ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینے میں روزے رکھتے ہفتے اور ایک شنبے اور دو شنبے کو اور دوسرے مہینہ میں سہ شنبہ اور چہارم شنبہ اور پنج شنبہ کو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ فَأُحِبُّ أَنْ يُعْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیش ہوتے ہیں اعمال بندوں کے درگاہِ الٰہی میں دو شنبے اور پنج شنبے کے دن سو دوست رکھتا ہوں میں کہ جب میرے عمل پیش ہوں تو میں روزے سے ہوں۔

تشریح: سوال: ایک حدیث میں آتا ہے کہ رات کے آنے سے پہلے دن کے اعمال اور دن کے آنے سے پہلے رات کے اعمال اُٹھا لیے جاتے ہیں اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سوموار اور جمعرات کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعمال پیش کیے جاتے ہیں؟

جواب: دن اور رات کے اعمال کی رفع کی صورت اور جمعرات و سوموار کے اعمال کے رفع کی صورت مختلف ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ يَوْمِ الْأَرْبِعَاءِ وَالْخَمِيسِ بدھ اور جمعرات کو روزہ رکھنا

عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ مُسْلِمٍ الْقُرَشِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلْتُ أَوْ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِ الدَّهْرِ فَقَالَ إِنَّ لِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا صُمْ رَمَضَانَ وَالَّذِي يَلِيهِ وَكُلَّ أَرْبِعَاءَ وَخَمِيسٍ فَإِذَا أَنْتَ قَدْ صُمْتَ الدَّهْرَ وَأَفْطَرْتَ.

ترجمہ: حضرت عبید اللہ مسلم قرشی سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا ان کے باپ نے میں نے پوچھا یا کسی اور نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صوم دہر یعنی تمام سال روزے رکھنے کو سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے گھر کے لوگوں کا بھی حق ہے تجھ پر یعنی ہمیشہ روزے رکھنے سے بسبب ضعیف کے ان کا حق ادا نہ ہو سکے گا، پھر فرمایا روزہ رکھ رمضان کا اور جو اس کے نزدیک ہے یعنی سہ شوال یا شعبان اور روزہ رکھ ہر چہار شنبہ اور پنج شنبہ کو تو گویا تو نے روزہ رکھا تمام سال اور افطار بھی کیا یعنی ثواب پورے سال کے روزوں کا ملا اور افطار بھی ہوا۔

تشریح: ماقبل ابواب میں سوموار اور جمعرات کے روزوں کے متعلق بحث چل رہی تھی جبکہ حدیث الباب میں بدھ کے دن روزے کی فضیلت معلوم ہوگئی۔ اُصول یہ ہے کہ کسی دن روزہ رکھنے کے متعلق اگر حدیث میں وارد ہوا اور اس سے کسی کا تشبہ بھی لازم آ رہا ہو (تشبہ بالکفار) تو وہ روزہ مستحب ہے۔ حدیث الباب "صم رمضان والذی یلیہ" سے مراد عید کے بعد چھ روزے ہیں اور صمت الدھر کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے روزے "من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا" کے قاعدہ کے مطابق دس مہینوں کے روزوں کے برابر ہے اور شوال کے چھ روزے قاعدہ کے مطابق دو روزوں کے برابر ہیں۔ اسی طرح سال مکمل ہو جاتا ہے، اس اعتبار سے اس کو صیام الدھر کہا گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ عرفے کے دن روزہ رکھنے کی فضیلت

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ إِنِّي أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ.

ترجمہ حضرت ابی قتادہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عرفے کے دن روزہ رکھے تو مجھے اُمید ہے اللہ سے کہ بخش دے گناہ اس کے ایک سال پہلے کے اور ایک سال بعد کے۔

تشریح عرضِ اعمال علم حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ فرشتوں کے پاس پیش کیے جاتے ہیں، ظاہر کیے جاتے ہیں۔

سوال: سنت ماضیہ کے لیے یوم عرفہ کا مکفر ہونا تو سمجھ میں آتا ہے کیونکہ اس کے گناہ وجود میں آچکے ہیں اور سنت لاحقہ کے لیے مکفر ہونے کا کیا مطلب ہے کیونکہ وہ ابھی وجود میں ہی نہیں آئے؟

جواب (۱): سنت لاحقہ کے مکفر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بچنے کی توفیق دیں گے۔

جواب (۲): اتنا اجر وثواب ملتا ہے کہ اگر بعد میں گناہ ہو تو اس کا کفارہ بھی ہو جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ كَرَاهِيَةِ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ عرفات میں عرفے کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْطَرَ بِعَرَفَةَ وَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ أُمُّ الْفَضْلِ بِلَبَنٍ فَشَرِبَ

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ نہیں رکھا عرفات میں کہ عرفے کا دن تھا اور بھیجا ان کے پاس اُم فضل نے دودھ تو پی لیا۔

عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ فَقَالَ حَجَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَصُمْهُ، وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ فَلَمْ يَصُمْهُ، وَمَعَ عُمَرَ فَلَمْ يَصُمْهُ، وَمَعَ عُثْمَانَ فَلَمْ يَصُمْهُ، وَأَنَا لَا أَصُومُهُ، وَلَا آمُرُ بِهِ، وَلَا أَنْهَى عَنْهُ.

ترجمہ حضرت ابن نجیح سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا پوچھا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرفے کے دن روزہ رکھنے کو عرفات میں فرمایا انہوں نے حج کیا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سو روزہ نہ رکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یعنی عرفے کے دن اور حج کیا میں نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سو روزہ نہ رکھا انہوں نے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سو روزہ نہ رکھا انہوں نے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سو روزہ نہ رکھا انہوں نے اور میں روزہ رکھتا ہوں اور حکم کرتا ہوں روزے کا نہ منع کرتا ہوں اس سے۔

تشریح عرفات میں یوم عرفہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے ضعف آجائے گا اور ضعف

آنے کی وجہ سے جو اصل مقصود ہے یعنی دُعا کرنا وہ فوت ہوجائے گا، نیز غروب آفتاب ہوتے ہی مزدلفہ چلے جانا مشکل ہوجائے گا۔ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسی دن افطار کیا۔ عرفہ والے باب میں صرف "انی احتسب" ہے اور مشکوٰۃ میں دونوں جگہ "انی احتسب علی اللّٰہ" ہے یعنی عرفہ کے روزے کا ثواب صوم عاشورہ کے روزے کی بنسبت دوگنا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الحَثِّ عَلَى صَوْمِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کی رغبت دلانا

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صِيَامُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ إِنِّي أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ.

ترجمہ حضرت ابی قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ رکھنا عاشورہ کے دن ایسا گمان رکھتا ہوں میں اللہ سے کہ کفارہ کردے اگلے سال کے گناہوں کا۔

تشریح عاشورہ کے روزے میں مسنون یہ ہے کہ اس سے پہلے یا بعد ایک روزہ ملا کر یہود کے ساتھ اس کی مشابہت ختم کردی جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے فرمایا کہ آئندہ میں صرف عاشورہ کا روزہ نہیں رکھوں گا بلکہ اس کے ساتھ ایک روزہ اور ملاؤں گا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل نہ فرماسکے کیونکہ اس پر عمل سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي تَرْكِ صَوْمِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ

عاشورہ کے دن روزہ نہ رکھنا بھی جائز ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عَاشُورَاءُ يَوْمًا تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُهُ فَلَمَّا قَدِمَ المَدِينَةَ صَامَهُ وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ فَلَمَّا افْتُرِضَ رَمَضَانُ كَانَ رَمَضَانُ هُوَ الفَرِيضَةُ، وَتَرَكَ عَاشُورَاءَ فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرمایا عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزہ رکھتے تھے پھر جب آئے مدینہ میں تو بھی روزہ رکھا اور حکم کیا لوگوں کو اس روزے کا پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو یہی فرض رہے اور عاشورہ کی فرضیت جاتی رہی سو جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔

تشریح "قالت کان عاشورہ یوم" اس میں اصل یہ ہے کہ اس کو مرفوع ہی پڑھا جائے کہ کان میں ضمیر شان نکال لیں اور عاشورہ کو مبتداء بنالیں اور یوم کو اس کی خبر بنالیں لیکن بعض حضرات نے کہا کہ یہ منصوب ہے اصل میں کیونکہ صوم کی طرف

اضافت ہو رہی ہے لیکن یہ صحیح نہیں اس لیے کہ مضاف الیہ ایسی ضمیر سے خالی ہو جو مضاف کی طرف لوٹے جیسے "یوم ینفع الصادقین" لیکن یہاں پر ضمیر موجود ہے۔ "کان عاشورہ یوم لتصومہ قریش فی الجاهلیة" قریش زمانہ جاہلیت میں یہ روزہ رکھتے باقی وہ روزہ کیوں رکھتے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ ان کے جداعلیٰ میں سے کسی پر اللہ کا کوئی بڑا انعام ہوا ہو یا پھر ان کے جداعلیٰ میں سے کسی کو بڑی مصیبت سے بچالیا ہو۔

"وکان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم یصومه" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا تو ملت حنفیہ کی وجہ سے روزے رکھتے تھے یا پھر وحی کی وجہ سے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روزہ رکھنا قریش کی موافقت کی وجہ سے نہ تھا۔ "کان رمضان هو الفریضة" اور ترک، یہ دونوں الفاظ دال ہیں اس بات پر کہ رمضان سے پہلے عاشورہ کے روزے فرض تھے۔ نیز حدیث سلمہ بن الاکوع کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو اسلم میں تھے کہ ایک آدمی کو حکم دیا کہ جس نے کچھ کھا پی لیا ہے وہ "تشبه بالصائمین" کرتے ہوئے کچھ کھائے پیے نہ اور جس نے نہیں کھایا وہ روزہ رکھ لے۔ شوافع کہتے ہیں کہ ترک میں استحباب علی وجہ التاکید ہے۔ جواب: اب بھی استحباب علی وجہ التاکید ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ عَاشُورَاءُ أَيُّ يَوْمٍ هُوَ عاشورہ کون سا دن ہے؟

عَنِ الحَكَمِ بْنِ الأَعْرَجِ قَالَ انْتَهَيْتُ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ رِدَاءَهُ فِي زَمْزَمَ فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي عَنْ يَوْمِ عَاشُورَاءَ أَيُّ يَوْمٍ أَصُومُهُ قَالَ إِذَا رَأَيْتَ هِلَالَ الْمُحَرَّمِ فَاعْدُدْ ثُمَّ أَصْبِحْ مِنَ التَّاسِعِ صَائِمًا، قَالَ فَقُلْتُ أَهَكَذَا كَانَ يَصُومُهُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ.

ترجمہ: حضرت حکم بن اعرج سے روایت ہے کہا گئے ہم ابن جریج کے پاس اور وہ تکیہ لگائے تھے اپنی چادر سے زمزم کے پاس کہا میں نے خبر دو مجھ کو عاشورہ کے دن کی کہ روزہ رکھوں میں اس دن سو فرمایا انہوں نے جب تو چاند دیکھے محرم کا تو تاریخیں گن تا رہ پھر نویں تاریخ کی صبح سے روزہ رکھ کہا میں نے ایسے ہی روزہ رکھتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا انہوں نے ہاں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَوْمِ عَاشُورَاءَ يَوْمُ عَاشِرٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حکم کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن دسویں تاریخ کے روزہ رکھنے کا یعنی عاشورہ دسویں تاریخ ہے۔

تشریح: مسئلہ اولیٰ: محرم میں یوم عاشورہ ہوتا ہے مصداق عاشورہ میں تین قول ہیں۔

قول اوّل: یہ یوم عاشر ہے۔ قرطبی لکھتے ہیں "عاشوره معدول من العاشر بالمبالغة والتعظیم ومنه یوم اللیلة العاشوره ای العاشرة هذا قول الخلیل وغیره"

موصوف محذوف ہے اور یہی قول ہے جمہور صحابہ وتابعین کا و بہ قال مالک وابو حنیفہ وشافعی واحمد واسحاق (نیل، ج:۴،ص:۲۵۸)

قول ثانی: یہ "یوم تاسع من المحرم" ہے اور عاشورہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ نام ماخوذ ہے "اراد الابل علی الماء" کیونکہ کتابوں میں "انه کانوا اذا ارووا الابل ثمانیه ایام فارادوها"...... قاله ابن عباس رضی اللہ عنہما، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول جمہور کے خلاف ہے۔ "ولذا قیل اراد ابن عباس رضی اللہ عنهما ان یصوم التاسع مع العاشر لا انه تاسع" کیونکہ خود ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت طحاوی میں ہے "خالفوا الیهود وصوموا یوم تاسع والعاشر" معلوم ہوا کہ وہ صوم کا بیان کر رہے ہیں ورنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک عاشورہ یوم عاشر ہے۔

قول ثالث: یہ گیارہواں یوم ہے "قاله به بعض الصحابه رضی اللہ عنهم" (فتح الملهم، ج:۳، ص:۱۴۵)

امام ترمذی نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں۔ (۱) حدیث ابن عباس بسند حکم ابن اعرج (۲) حدیث ابن عباس بسند حسن بصری، اصل میں امام ترمذی رحمہ اللہ کا مقصود دونوں حدیثوں میں تطبیق بیان کرنا ہے کیونکہ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم عاشورہ کا مصداق نویں محرم ہے اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دسویں محرم ہے۔ پہلی حدیث میں "أهكذا كان یصوم محمد صلی اللہ علیه وآله وسلّم قال نعم"

سوال: یہ تو واقعہ کے خلاف ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نویں محرم کا روزہ رکھا ہی نہیں؟

جواب (۱): نعم کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نویں کے دن روزہ رکھنے کا عزم فرمایا تھا اس لیے عزم علی الصوم کو صوم سے تعبیر کر دیا۔

جواب (۲): دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لیے کہ دوسری حدیث میں عاشورہ کا مصداق بیان کرنا جبکہ پہلی حدیث کا مقصد عاشورہ کے مصداق کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ یہ بتلانا ہے کہ اگر عاشورہ کا روزہ رکھنا ہو تو نویں محرم سے روزہ کا آغاز کیا جائے۔ لہٰذا سب سے افضل صوم عاشورہ نویں اور گیارہویں کا ہے۔

دوسرا درجہ: صوم یوم عاشورہ مع یوم التاسع اور سب سے کم درجہ صرف یوم عاشورہ کا ہے اور ایک چوتھی صورت بھی ہے عقلاً کہ صوم یوم عاشورہ مع الحادی عشر، اس صورت میں اگرچہ نکل جائے گا کراہیت سے لیکن افضلیت نہیں ہے اور تیسرے درجے کو مکروہ کہنا صحیح نہیں اور جن کتابوں میں مکروہ کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں سب سے کم درجہ کی افضلیت ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے کہ وہ صوم یوم عاشورہ کا مصداق نویں کو قرار دیتے ہیں لیکن یہ نسبت کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ فرما رہے ہیں کہ دسویں کا دن ہے۔

مسئلہ ثانیہ: اس میں اختلاف ہے کہ صوم عاشورہ اوّل اسلام میں واجب تھا یا نہ؟

قول اوّل: عند ابی حنیفہ واحمد یہ پہلے واجب تھا، بعدہ صوم رمضان سے اس کی فرضیت منسوخ ہوئی اور سنیت باقی رہی۔ وھو قول شافعی ایضاً واختار ابن حجر ہذا القول۔

قول ثانی: یوم عاشورہ کا روزہ ابتداء ہی سے سنت تھا۔ حافظ عینی لکھتے تھے "اختلفوا فی صومًا وجبت فی الاسلام اولا قبل رمضان ام لا فقیل وجب اولا صوم عاشورہ و ثلاثہ ایام من کل شھر۔ لانہ علیہ السلام لما قدم المدینہ حصل لصوم من کل شھر ثلاثہ ایام" لیکن اب اجماع ہے عدم وجوب صوم عاشورہ پر "وھو مستحب وحکی الاجماع ابن عبدالبر و نووی والعینی وقالوا یصوم التاسع والعاشر او یضم معہ الحادی عاشر و صوم عاشورہ فرداً مکروہ تنزیھی" (نیل، ج:۴، ص:۲۵۸، فتح الملھم، ج:۳، ص:۱۴۵)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِيَامِ الْعَشْرِ ذی الحجہ کے عشرۂ اوّل میں روزہ رکھنا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمًا فِي الْعَشْرِ قَطُّ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نہ دیکھا میں نے کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے دہے (دس) ذی الحجہ کے روزہ رکھتے ہوئے۔

تشریح ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزہ رکھتے نہیں دیکھا جبکہ دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے تھے بظاہر تعارض ہے۔

جواب (۱): حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے علم کے اعتبار سے نفی کر رہی ہیں۔

جواب (۲): حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یوم العاشر کے اعتبار سے نفی فرمارہی ہیں، اس لیے کہ یوم العاشر عید کا دن ہے۔

جواب (۳): زیادہ سے زیادہ نفی واثبات میں تعارض ہے ایسی صورت میں اثبات کو ترجیح ہوتی ہے۔

قال ابو عیسیٰ: اس حدیث کو ابراہیم نخعی سے نقل کرنے والے اعمش اور منصور ہیں۔ منصور کے تلامذہ کا اختلاف ہے۔ بعض تلامذہ نہ اسود کا ذکر کرتے ہیں اور نہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اور بعض صرف اسود کا ذکر نہیں کرتے جبکہ اعمش کے تلامذہ کا دونوں کے ذکر پر اتفاق ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اختلاف کوئی مضر نہیں، اعمش کی روایت راجح ہے، ایک تو اختلاف نہ ہونے کی وجہ سے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ابراہیم نخعی کی سند زیادہ یاد اعمش کو ہے نہ کہ منصور کو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَمَلِ فِي أَيَّامِ الْعَشْرِ ذوالحجہ کے پہلے عشرے میں اعمال صالحہ کی فضیلت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهِنَّ أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشْرِ، فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذَلِكَ بِشَيْءٍ

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی دنوں

میں نیک عمل اللہ کو ایسے پیارے نہیں جیسے ذی الحجہ کے عشرہ اوّل میں پیارے ہیں۔ سو عرض کیا یا رسول اللہ! اور جہاد بھی اللہ کی راہ میں یعنی اگر جہاد بھی ان دنوں کرے تو ایسا پیارا نہ ہوگا جیسے عشرۂ ذی الحجہ کے عمل پیارے ہیں؟ تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد بھی نہیں مگر ایسا جہاد کہ نکلے آدمی اپنی جان و مال سے اور کچھ لے کر نہ پھرے یعنی سب اللہ کی راہ میں خرچ کردے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ أَيَّامٍ أَحَبُّ إِلَى اللهِ أَنْ يُتَعَبَّدَ لَهُ فِيهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الحِجَّةِ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ مِنْهَا بِصِيَامِ سَنَةٍ وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ القَدْرِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی دن دنوں میں سے پیارا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی طرف کہ عبادت کی جائے اس کی اس میں عشرۂ ذی الحجہ سے زیادہ برابر ہوتا ہے روزہ ہر دن کا اس کے دنوں سے ساتھ ایک سال کے اور قیام ہر رات کا برابر قیام لیلۃ القدر کے۔

تشریح سال کے ایام میں سے کون سے ایام اور سال کی لیالی میں سے کون سی راتیں افضل ہیں تو فیصلہ یہ ہے کہ لیالی میں سے رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں میں سے طاق راتیں اور دنوں کے اعتبار سے ذی الحجہ کے دس دن افضل ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِيَامِ سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ شوال کے چھ روزوں کے متعلق

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ فَذَلِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ.

ترجمہ حضرت ابو ایوب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے روزے رکھے رمضان کے پھر بعد اس کے چھ روزے شوال کے تو یہ پورے سال کے ہیں یعنی باعتبارِ ثواب کے۔

تشریح پہلی بات: رمضان شریف کے بعد شوال کے چھ روزے بھی رکھنے چاہئیں۔ احادیث میں اس کی تاکید وارد ہے جس میں اختلاف ہے۔

مذہب اوّل: امام نووی لکھتے ہیں مذہب احمد والشافعی وداؤد واستحباب۔

مذہب ثانی: ''فقال مالک و ابو حنیفہ تکرہ قالہ النووی'' (وکذا فی النیل، ج:۴، ص:۲۵۱)

لیکن نووی کی یہ نسبت الی ابی حنیفہ و مالک عند المحققین درست نہیں ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ عند الاحناف صوم ست من شوال مستحب ہیں، اس کے رد میں مالکی لکھتے ہیں ''تکرہ معتقد اتصال بر مضان تتابعا'' یعنی مکروہ بایں اعتقاد ہے کہ اتصال برمضان کو ضروری سمجھا جائے۔ نیز تتابع کا اعتقاد ہو یا یہ کراہت مطلقاً نہیں، یہ اس وقت ہے جب رمضان کے روزوں پر اضافہ کا شبہ ہو کیونکہ اس صورت میں نصاریٰ کے ساتھ تشبہ لازم آتی ہے تو لہٰذا یہ مکروہ ہے لیکن چونکہ اس زمانے میں

مشابہت نہیں جاتی کیونکہ روزہ رکھنے والے تھوڑے ہیں۔
علامہ دسوقی مالکی لکھتے ہیں یہ مکروہ مقید بخمسہ ہے اگر ان میں ایک قید منتفی ہو جائے تو کراہت نہیں ہے۔ بہر حال ثابت ہوا کہ عند آئمہ الاربعہ صوم ست من شوال مستحب ہیں۔ امام نووی لکھتے ہیں "ثم الافضل عندنا ان صیام ست متوالیا اقبل یوم الفطر" علامہ زبیدی نے شرح الاحیاء میں لکھا ہے "وعن ابی حنیفه ان الافضل تفریق صوم ست من شوال ولا یکره تتابع علی المختار خلافا لابی یوسف" کتاب حقائق میں ہے کہ "ان صومها متصله بیوم الفطر یکره عند مالک ولا یکره عندنا" مسئلے کی تفصیل شیخ قاسم نے الگ رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے تحریر الاقوال فی ست من شوال (فتح الملہم، ج:۳، ص:۱۸۷)
دوسری بات: سوال: فقہ کی بعض کتابوں میں شوال کے چھ روزوں کے بارے میں ہے "لا بأس به" اور فقہاء "لا بأس به" وہاں لکھتے ہیں جب اس کے خلاف مندوب ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ روزہ نہ رکھنا مندوب ہے۔
جواب (۱): ان فقہاء کا مقصود مندوبیت کی نفی نہیں بلکہ ایک شبہ کا ازالہ ہے اور وہ شبہ یہ ہے کہ امام صاحب سے کراہت کا قول منقول ہے اس سے کوئی یہ سمجھے کہ حرج ہے اس لیے کہا "لا بأس به"
جواب (۲): یہ جو فقہاء کی اصطلاح ہے وہ اکثری ہے قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ چنانچہ فقہاء زیارۃ القبور کے بارے میں کہتے ہیں "لا بأس به" حالانکہ یہ بالاجماع مستحب ہے اسکے خلاف مندوب نہیں ہے۔
تیسری بات: فائدہ: صوم ست من شوال استحباب میں سر کیا ہے؟
جواب: علماء نے متعدد اسرار بیان کیے ہیں۔
سر اوّل: شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں جس طرح فرض نمازوں کے بعد سنن مقرر ہیں تکمیل فرائض کے لیے تو یہ بھی بمنزلہ سنن ہیں تکمیل فرائض رمضان کے لیے۔ "قال انها بمنزله سنن الرواة بصلوٰة تکملها فائدتها"
سر ثانی: یہ صوم رمضان من ممکن ہے کہ بعض نقصان واقع ہوئے ہوں یہ نقصانات کے لیے بمنزلہ جبرہ ہیں۔
سر ثالث: توقف ہے اور تفویض الی اللہ ہے۔
سر رابع: اس سے مقصود فوائد طبی ہیں صوم رمضان کی وجہ سے معدہ نہار میں اکل وشرب کا عادی نہیں رہتا اور شوال سے انسان فوراً اکل کثیر شروع کر دیتا ہے اور معدے پر یک دم زیادہ بوجھ پڑ جاتا ہے جس سے بڑے نقصانات بدنی کا اندیشہ ہے تو اس سے بچنے کے لیے یہ صوم شوال مقرر ہوئے ہیں۔
سر خامس: تاکہ صوم دہر یعنی پورے سال کے صوم کا ثواب مل جائے کیونکہ رمضان تیس یوم کا ہوا اور ایک کا ثواب دس گنا ہے تو ایک ماہ کے روزوں سے تین سو ایام کے روزوں کا ثواب ملا اور سال کے متوسط ایام تین سو ساٹھ ہیں۔ ست من شوال کے صوم سے ساٹھ یوم کا ثواب ملا تو اس طرح صوم دہر کا ثواب مل گیا۔
سوال: رمضان شریف کبھی انتیس کا بھی ہوتا ہے تو اس حساب سے شوال کے سات روزے ہونے چاہئیں تاکہ

کل حساب تین سو ساٹھ کا پورا ہو جائے؟

جواب: رمضان اگر چہ انتیس کا ہو لیکن ثواب پورے تیس کا ملتا ہے۔ "فضلاً من اللہ وھذا معنی قول علیہ السلام شھرا عیدا لاینقصان" اور یہ میرے معنی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ہر مہینے میں تین روزے رکھنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ عَهِدَ إِلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةً أَنْ لَا أَنَامَ إِلَّا عَلَى وِتْرٍ وَصَوْمَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَأَنْ أُصَلِّيَ الضُّحَى.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اقرار کیا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کا ایک یہ کہ نہ سوؤں میں بغیر وتر (پڑھے) دوسرے روزہ رکھوں ہر مہینے میں تین دن، تیسرے یہ کہ نماز پڑھا کروں چاشت کی۔

عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا ذَرٍّ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَصُمْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ.

ترجمہ: حضرت موسیٰ بن طلحہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا سنا میں نے اباذر سے کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! جب روزے رکھے تو مہینے میں تین دن تو روزہ رکھ تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخ میں۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَذَلِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ تَصْدِيقَ ذَلِكَ فِي كِتَابِهِ {مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا} [الأنعام: 160] الْيَوْمُ بِعَشْرَةِ أَيَّامٍ.

ترجمہ: حضرت ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو روزے رکھے ہر مہینے میں تین دن تو یہی سال بھر کے روزے ہیں، سو اُتاری اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق اپنی مبارک کتاب میں "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا" یعنی جو ایک نیکی کرے تو دس نیکیوں کا ثواب پائے تو ہر دن برابر ہے دس دن کے یعنی تین دن برابر ہوئے ایک مہینے کے۔

عَنْ يَزِيدَ الرِّشْكِ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاذَةَ قَالَتْ قُلْتُ لِعَائِشَةَ أَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ قَالَتْ نَعَمْ، قُلْتُ مِنْ أَيِّهِ كَانَ يَصُومُ قَالَتْ كَانَ لَا يُبَالِي مِنْ أَيِّهِ صَامَ

ترجمہ: حضرت یزید رشک سے روایت ہے کہا سنا میں نے معاذہ سے کہا معاذہ نے کہا پوچھا میں نے حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین روزے رکھا کرتے تھے ہر مہینے میں؟ فرمایا انہوں نے ہاں! کہا میں نے کون سی تاریخوں میں؟ فرمایا انہوں نے کچھ پرواہ نہ رکھتے تھے یعنی جب چاہتے رکھ لیتے۔

تشریح یہاں دو مستقل مندوب ہیں۔(۱)"لاعلی التعیین" ہر ماہ میں تین روزے رکھنا۔

(۲) ہر ماہ ایام بیض کے روزے رکھے۔(۱۳، ۱۴، ۱۵) یعنی دو مندوب کا اجر وثواب ملے گا۔

ایام بیض کی تعیین میں آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔علامہ بنوری رحمہ اللہ نے معارف السنن ج ۶ صفحہ ۱۲۳، ۱۲۴ میں دس اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) ان روزوں کے لیے ایام کو خاص کرنا مکروہ ہے عند امام مالک رحمہ اللہ۔

(۲) ایام بیض کا اطلاق ۱۳، ۱۴، ۱۵ پر ہوتا ہے۔

(۳) ایام بیض سے مراد ۱۲، ۱۳، ۱۴ تاریخ ہیں۔

(۴) حسن بصری فرماتے ہیں کہ ہر ماہ کے شروع کے تین دن ایام بیض کے ہیں۔

(۵) ابراہیم نخعی فرماتے ہیں ہر ماہ کے آخری تین دن ایام بیض کے ہیں۔

(۶) ابن شعبان مالکی کے نزدیک ہر ماہ کی پہلی، گیارہویں، اکیسویں تاریخ ایام بیض کے ہیں۔

(۷) حضرت ابوالدرداء کے نزدیک دسویں، بیسویں، تیسویں تاریخ ایام بیض کے ہیں۔

(۸) ہر ماہ کے پہلے ہفتہ، اتوار اور سوموار اور اگلے ماہ کی پہلے منگل، بدھ، جمعرات، یہ قول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔

(۹) ہر ماہ کی پہلی جمعرات، پھر اس کے بعد والا سوموار اور پھر اس کے بعد والی جمعرات ایام بیض کے ہیں۔

(۱۰) ہر ماہ کا پہلا پیر، پھر جمعرات پھر پیر۔ان اقوال میں سے کسی بھی تین ایام میں روزہ رکھ لے تو یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّوْمِ روزہ کی فضیلت کا بیان

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَبَّكُمْ يَقُولُ كُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَالصَّوْمُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ وَإِنْ جَهِلَ عَلَى أَحَدِكُمْ جَاهِلٌ وَهُوَ صَائِمٌ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ.

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک تمہارا رب فرماتا ہے کہ ہر نیکی دس گنا ہے یعنی ثواب میں سات سو درجوں تک اور روزہ میرے ہی واسطے ہیں اور میں خود اس کا بدلہ دوں گا اور روزہ سپر (ڈھال) ہے دوزخ سے یعنی دوزخ کی آگ سے بچنے کو اور خوشبو روزہ دار کے منہ کی مشک سے زیادہ اچھی ہے اللہ کے نزدیک اور اگر کوئی تم میں سے جہالت سے جھگڑا نکالے اور یہ روزے سے ہو تو کہہ دے (میں) روزے سے ہوں۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَبَابًا يُدْعَى الرَّيَّانَ يُدْعَى لَهُ الصَّائِمُونَ فَمَنْ كَانَ مِنَ الصَّائِمِينَ دَخَلَهُ وَمَنْ دَخَلَهُ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کا ایک دروازہ ہے اس کو ریان کہتے ہیں بلائے جائیں گے اس میں سے روزہ دار سو جو روزہ دار ہوگا وہ اس سے داخل ہوگا جنت میں اور جو اس دروازہ کے اندر گیا پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ حِينَ يُفْطِرُ وَفَرْحَةٌ حِينَ يَلْقَى رَبَّهُ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ دار کو دو خوشیاں ہیں ایک جب افطار کرتا ہے دوسرے جب اپنے پروردگار سے ملے گا۔

تشریح: ساری عبادتیں ویسے تو اللہ ہی کے لیے ہیں لیکن صوم کی تخصیص کی چند وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ: روزہ ایسی عبادت ہے جس میں ریاء کا دخل نہیں جبکہ اس کے مقابلے میں دوسری عبادات میں ریا کا خطرہ ہے۔

دوسری وجہ: الصوم لی کا مطلب یہ ہے کہ صوم میرے نزدیک تمام عبادات میں احب ہیں۔

تیسری وجہ: الصوم لی میں نسبت تعظیم کے لیے ہے۔ جیسا کہ بیت اللہ میں نسبت تعظیم کیلئے ہے۔

چوتھی وجہ: طعام اور دوسری شہوات سے استغناء صفات باری تعالیٰ میں سے ہے۔ جب بندہ روزہ رکھتا ہے اور مفطرات ثلاثہ سے بچتا ہے تو ان صفات کی وجہ سے بندہ کو رب تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے اور روزہ اسی قرب کا ذریعہ ہے اسی لیے فرمایا الصوم لی۔

پانچویں وجہ: اکل وشرب سے استغناء ملائکہ کی صفات میں سے ہے جو خدا کی مقرب مخلوق ہے تو بندہ جب روزہ رکھتا ہے تو ملائکہ کے مشابہ ہونے کی وجہ سے قرب باری ہو جاتا ہے۔

چھٹی وجہ: انا اجزی کا مطلب بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ اس کے ثواب کی مقدار اور اس کی وجہ سے ہونے والی تضعیف کو میں ہی جاننے والا ہوں جبکہ دوسری عبادات کی جزاء کا اللہ تعالیٰ کے علاوہ بندوں کو بھی معلوم ہے۔

ساتویں وجہ: روزہ ایسی عبادت ہے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہے۔ اس میں بندے کا کوئی حصہ نہیں ،اس لیے فرمایا: "الصوم لی"

آٹھویں وجہ: روزہ ایسی عبادت ہے جو کسی غیر اللہ کے حق میں نہ کی گئی ہے نہ کی جاتی ہے برخلاف دوسری عبادات زکوۃ صدقہ طواف وغیرہ۔

نویں وجہ: قیامت کے دن تمام عبادات کسی کے بدلے میں دی جائیں گی مگر روزہ ایسی عبادت ہے کہ یہ کسی کا کسی کو نہیں

دیا جائے گا بلکہ اللہ رب العزت اپنی طرف سے اس کا بدلہ عطا کریں گے اور مذکورہ شخص کو صرف روزے کے عمل کی وجہ سے جنت میں بھیج دیا جائے گا۔(اگر چہ بقیہ اعمال کسی کو دے کر ختم ہو جائیں)۔اس لیے فرمایا: "الصوم لی و انا اجزی بہ"

دسویں وجہ: روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس پر اللہ رب العزت کے سوا کوئی مطلع نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ وہ فرشتوں کراماً کاتبین کے لکھنے میں بھی نہیں آتا۔

گیارھویں وجہ: مشرکین نے معبودان باطلہ کے لیے دیگر سب عبادتیں کیں لیکن روزے نہیں رکھے۔اس وجہ سے "انا اجزی" اس کو معروف بھی پڑھ سکتے ہیں، یہ کنایہ ہے انعام کے لامحدود ہونے سے اور مجہول بھی پڑھ سکتے ہیں۔اب معنی یہ ہوگا کہ روزہ کا بدلہ میں خود ہوں۔ "فلیقل انی صائم" اگر فرض روزہ رکھے تو زبان سے کہے "انی صائم" اور اگر نفلی ہو تو دل میں خیال کرے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ الدَّهْرِ ہمیشہ روزہ رکھنے کے بیان میں

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ بِمَنْ صَامَ الدَّهْرَ قَالَ لَا صَامَ وَ لَا أَفْطَرَ أَوْ لَمْ يَصُمْ وَ لَمْ يُفْطِرْ

ترجمہ حضرت ابی قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا پوچھا کسی نے یا رسول اللہ! کیسا ہے اگر کوئی ہمیشہ روزہ رکھے تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ روزہ رکھا اس نے اور نہ افطار کیا یعنی روزہ کا ثواب نہ پایا اور افطار کا مزہ نہ اُٹھایا۔راوی کو شک ہے کہ "لَا صَامَ وَ لَا اَفْطَرَ" فرمایا یا "لَمْ يَصُمْ وَ لَمْ يُفْطِرْ" معنی دونوں کے ایک ہیں۔

تشریح "صوم الدھر" کا لغوی مطلب یہ ہے کہ آدمی پورے سال کے تمام دنوں میں روزے رکھے، پھر صوم دھر کی دو صورتیں ہیں۔(۱) جمیع ایام السنہ کے روزے رکھنا بمع ایام خمسہ منہی عنہ، یہ تو بالاجماع مکروہ ہے۔

(۲) ایام خمسہ منہی عنہا کے ماسوا سارے سال روزے رکھنا۔اس میں اقوال ہیں۔

قول اوّل: یہ مکروہ ہے عند اسحاق واہل ظواہر اور یہی روایت ہے احمد و ابن العربی بلکہ ابن حزم ظاہری کے نزدیک حرام ہے مگر یہ قول شاذ ہے۔

قول ثانی: یہ جائز ہے عند ابن المنذر۔

قول ثالث: یہ مستحب ہے اس شخص کے لیے جو طاقت رکھے اور اس سے حقوق واجبہ فوت نہ ہوں، یہی جمہور اور احناف کا مسلک ہے مگر احناف کا ایک قول کراہت کا بھی ہے۔

درمختار میں ہے صوم دہر مکروہ تنزیہی خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے "اذا افطر فی الایام المنھیہ ان مختار لا بأس بہ" بدایہ میں ہے "ما صام سائر الایام و افطر العیدین و ایام التشریق لا یدخل تحت النھی و سئل عن ابن مسعود عن ذلک فکرہ بہ کما فی الطبرانی" تو احناف کے اس مسئلے میں تین قول ہوئے۔

اوّل مکروہ تنزیہی کما فی در، دوم یہ مباح ہے کما فی الخلاصۃ، سوم یہ مستحب ہے کما قال بہ الجمہور۔ بشرطیکہ ایام منہی عنہ میں

افطار کرے اور وہ پانچ یوم ہیں یوم عید الفطر والاضحیٰ اور تین ایام تشریق گیارہ بارہ تیرہ ذوالحجہ تو جولوگ مکروہ یا حرام کہتے ہیں وہ استدلال کرتے ہیں حدیث باب سے ''وفیہ قال علیہ السلام فی صام الدھر لا صام ولا افطر'' نیز روایت ہے مصنف ابن ابی شیبہ میں باسناد صحیح ''قال بلغ عمر رضیٰ اللہ عنہ انہ رجلا یصوم الدھر فاتاہ فعلاہ ...... کل یا دھری'' نیز حدیث ابوموسیٰ اشعری ہے ''مرفوعا من صام الدھر ضیقت علیہ جھنم رواہ النسائی واحمد''

جوابات: احناف وجمہور جواب دیتے ہیں کہ صوم ایک اطاعت عظیمہ ہے اس کا افساد یعنی صوم دہر امر حسن ہے۔ کمانی سائر الطاعات تو صوم دہر بھی مستحسن ہونا چاہیے اور سابقہ احادیث محمول ہیں اس صوم دہر پر جس میں ایام منہی عنہا میں بھی روزہ رکھا جائے۔ اس طرح صوم دہر عندنا بھی مکروہ ہیں، اور اگر ایام منہی عنہ میں افطار کردے، باقی ایام میں روزے رکھے اور دیگر حقوق بھی ادا کرتا رہے تو یہ جائز اور مستحسن ہے۔

صوم وصال اور صوم دھر میں فرق:

صوم وصال کہ انسان دو یا تین دن کے اکٹھے روزے رکھے، راتوں میں افطار نہ کرے اور صوم دھر جو پورے سال رکھے جائیں روزانہ رات کو افطار کر کے اگلے دن نئی سحری کھا کر رکھے جائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سَرْدِ الصَّوْمِ پے در پے روزہ رکھنا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صِيَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يَصُومُ حَتَّى نَقُولَ قَدْ صَامَ وَيُفْطِرُ حَتَّى نَقُولَ قَدْ أَفْطَرَ، قَالَتْ وَمَا صَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا كَامِلًا إِلَّا رَمَضَانَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے کہا پوچھا میں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کو سو فرمایا انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم کہتے خوب روزہ رکھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر روزہ موقوف کرتے یہاں تک کہ ہم کہتے ہیں بہت دنوں سے روزے نہ رکھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پورے مہینے کے روزے نہ رکھے مگر رمضان کے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ يَصُومُ مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى نَرَى أَنَّهُ لَا يُرِيدُ أَنْ يُفْطِرَ مِنْهُ وَيُفْطِرُ حَتَّى نَرَى أَنَّهُ لَا يُرِيدُ أَنْ يَصُومَ مِنْهُ شَيْئًا وَكُنْتَ لَا تَشَاءُ أَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْتَهُ مُصَلِّيًا وَلَا نَائِمًا إِلَّا رَأَيْتَهُ نَائِمًا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پوچھا ان سے کسی نے روزے کو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے تو کہا انہوں نے روزے رکھتے تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مہینے میں ایسے کہ معلوم ہوتا تھا کہ اب افطار نہ کریں گے اور افطار کرتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی روزہ نہ رکھیں گے اس مہینے میں اور تو جب چاہتا ان کو کہ دیکھے رات کو نماز پڑھتے تو دیکھ لیتا نماز پڑھتے اور جب چاہتا کہ دیکھے ان کو سوتے ہوئے تو دیکھ لیتا سوتے ہوئے یعنی ہر مہینے میں روزہ بھی رکھتے، افطار بھی کرتے ہر رات میں نماز بھی پڑھتے آرام بھی کرتے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصَّوْمِ صَوْمُ أَخِي دَاوُدَ كَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا وَلَا يَفِرُّ إِذَا لَاقَى۔

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے افضل روزے میرے بھائی داود علیہ السلام کے ہیں کہ روزہ رکھتے تھے ایک دن اور افطار کرتے ایک دن اور کبھی منہ نہ موڑتے جب دشمن سے مقابل ہوتے۔

تشریح سردصوم کا مطلب ہے پے در پے روزے رکھنا۔

"قولہ لا یفر اذا لاقی" دفع دخل مقدر کہ شاید پے در پے روزے اس لیے نہ رکھتے ہوں کہ ضعف لاحق ہوئے دشمن کے مقابلے میں نہ لڑ سکتے ہوں تو بتلا دیا کہ ضعف لاحق نہیں ہوتا تھا جس طرح نفس کے مقابلے میں شجاع تھے۔ اس طرح دشمن کے مقابلے میں بھی بڑے شجاع تھے۔ باقی صوم داودی کا افضل ہونا ایک خاص جہت کے اعتبار سے ہے کہ اس صورت میں نہ ہی روزے کی عادت بنتی ہے اور نہ ہی افطار کی۔ باقی یہاں سائل کو صوم داودی کا حکم دیا، اس کے حال کے مناسب یہی ہوگا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسلوب کے مطابق روزہ رکھنا افضل نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّوْمِ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ النَّحْرِ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو روزہ رکھنے کی ممانعت

عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ شَهِدْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فِي يَوْمِ النَّحْرِ بَدَأَ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنْ صَوْمِ هٰذَيْنِ الْيَوْمَيْنِ أَمَّا يَوْمُ الْفِطْرِ فَفِطْرُكُمْ مِنْ صَوْمِكُمْ وَعِيدٌ لِلْمُسْلِمِينَ، وَأَمَّا يَوْمُ الْأَضْحَى فَكُلُوا مِنْ لُحُومِ نُسُكِكُمْ

ترجمہ حضرت ابی عبید سے روایت ہے جو مولیٰ ہیں عبدالرحمن بن عوف کے کہا حاضر ہوا میں عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس عید الاضحیٰ کے دن تو شروع کی نماز خطبے سے پہلے فرمانے لگے یعنی بعد نماز کے سنا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منع کرتے تھے، اس دو دن کے روزوں کو روزِ فطر کو اس لیے منع کرتے تھے کہ وہ تو روزہ کھولنے کا دن ہے اور عید ہے مسلمانوں کی اور عید الاضحیٰ میں اس لیے کہ اس دن تم کھاؤ گوشت اپنی قربانیوں کا۔

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الخُدْرِيِّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامَيْنِ يَوْمِ الأَضْحَى، وَيَوْمِ الفِطْرِ.

ترجمہ: حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن روزہ رکھنے سے ایک عید الاضحیٰ اور دوسرے عید فطر کے دن۔

تشریح: باتفاق آئمہ صوم یومین عیدین حرام ہے "فان صام احد یوم الفطر ثم افسده لا قضاء علیه عند الاحناف بخلاف الصلوة لو شرعها فی اوقات المکروه ثم افسدها یجب علیه فی قول الاصح الا عند زفر و ابی یوسف"

سوال: فرق کی وجہ کیا ہے؟ جواب: فرق کی متعدد وجوہ ہیں۔

فرق اوّل: صائم اوّل ساعت نہار میں صائم کہلاتا ہے تو اس کی طرف اوّل نہار میں نہی متوجہ ہوئی جس کی وجہ سے اس کا یہ صوم کل صوم ہوا تو اس کی طرف "لا تبطلوا اعمالکم" متوجہ نہیں ہوئی اور اس آیت کی وجہ ہی سے نوافل کی قضاء لازم ہوئی۔ لہٰذا یہ صوم اگر فاسد ہو جائے تو اس کی قضاء لازم نہیں ہے بخلاف الصلوۃ فی اوقات المکروہ کیونکہ مصلی جب تک ایک رکعت ادا نہ کرے وہ مصلی نہیں کہلاتا "الا مجاز اذ ما دون الرکعة لیس الصلوة فاذا اتم الرکعة الان صار مصلیا و تتوجه الیه انهی و کان مؤدیا القدر معتد به و خوطب بقوله لا تبطلوا اعمالکم فوجب صیانة الصلوة فلما ابطل وجب القضاء"

فرق ثانی: کراہت صوم فی العیدین متفق علیہ ہے اس لیے افساد سے اس کی قضاء لازم نہیں ہے بخلاف الصلوٰۃ کما تقدم، اس لیے اگر صلوٰۃ فاسد کی تو قضاء لازم ہے۔

فرق ثالث: نماز میں تکبیر تحریمہ بمنزلہ نذر بالصلوٰۃ اور روزے میں تحریمہ نہیں ہے اور تحریمہ عندنا خارج صلوٰۃ ہے۔ پس جب اس نے خارج صلوٰۃ تکبیر کی "فکانما نذر بالصلوة فعلیه القضاء اذا افسد کما لو نذر یوم الفطر علیه القضاء"

فرق رابع: یوم معیار ہے صوم کے لیے اور وقت صلوٰۃ کے لیے ظرف ہے نہ معیار، معیار وہ وقت ہے جو سارا کا سارا مشغول بالعبادت ہو اور ظرف وہ ہے کہ اس کا بعض حصہ مشغول بالعبادت ہو اور معیار کا ذو المعیار سے تعلق شدید ہے۔ "لان ذا المعیار تتقدر بقدره بالطول و القصر بخلاف الظرف الذی جاء من قبل الوقت ای المعیار اشد من اثر الذی الکراهت الذی جاء من قبل ظرف" لہٰذا صوم کراہت شدید تھی اس لیے اس کی قضاء لازم نہیں ہے۔ بخلاف الصلوٰۃ۔

مسئلہ ثانیہ: اگر نذر صوم الفطر مان لی تو یہ نذر عندنا صحیح ہے۔ البتہ یوم فطر کو روزہ رکھنا حرام ہے، لہٰذا قضا لائے۔ مثلہ روی عن مالک والاوزاعی پھر کتب فقہ میں ہے "ولو صام یوم النحر اجزئی عنه النذر عندنا" لیکن عند شافعی واحمد وزفر صوم یوم عید کی نذر صحیح نہیں ہے۔ حافظ عینی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں "ولو . . . لله علیه صوم یوم الفطر افطر علیه القضاء هذا انظر صحیح عندنا و مثله عند مالک و الاوزاعی و قال شافعی و زفر و احمد لا یصح صوم یوم الفطر و نذره و هو روایة عن ابی یوسف و روایة عن ابی حنیفه و لو صامه اجزئ عندنا"

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّوْمِ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی کراہت

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمُ عَرَفَةَ وَيَوْمُ النَّحْرِ، وَأَيَّامُ التَّشْرِيقِ عِيدُنَا أَهْلَ الإِسْلَامِ وَهِيَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ.

ترجمہ حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفے کا دن اور عید قربان کا دن اور تشریق کے دن یعنی شہر ذی الحجہ کی گیارہویں، بارہویں، تیرہویں تاریخ عید ہے ہم اہل اسلام کی اور دن ہیں کھانے پینے کے۔

تشریح ایام تشریق کو روزہ رکھنا ممنوع ہے۔حدیث باب سے نہی ثابت ہوتی ہے کہ یہ ایام اکل وشرب ہیں۔"قال علیہ السلام یوم عرفۃ و یوم نحر و ایام التشریق عیدنا اھل الاسلام وھی ایام اکل و شرب" ایام تشریق ذوالحجہ کے تین دنوں کا نام ہے گیارہ، بارہ اور تیرہ ذوالحجہ، تشریق کا معنی ہے چیرنا، "وفی ھذہ الایام یشرق اللحم" نیز تشریق کا معنی ہے دھوپ میں رکھنا "شرقت الشئ الی وضعت فی الشمس" کیونکہ ان دنوں گوشت سکھایا جاتا ہے اس لیے یہ ایام تشریق کہلاتے ہیں، یہ بھی مثل یومی عید ہیں، نہی صوم میں منع وامتناع صوم مثل یومی عیدین ہیں سال میں پانچ روز روزہ ممنوع ہے "ھذا عند الجمھور و آئمہ الاربعۃ، عند البعض ایام منھی عنہ" چھ ہیں۔ چھٹا یوم جمعہ ہے کیونکہ صوم یوم جمعہ منفرداً عند داؤد الظاہری مکروہ ہے وعند ابن حزم حرام ہے "کما تقدم البحث" اور شیخ اکبر صوفی ابن العربی فرماتے ہیں کہ ایام منہی عنہ چھ ہیں۔ یوم سادس، یوم نصف من شعبان ہے اور فتوحات مکیہ میں حدیث ذکر کرتے ہیں جو عندالمحدثین ضعیف ہیں یا مؤول ہے اور فرماتے ہیں کہ ان چھ دنوں کے عوض شوال کے چھ روزے مقرر ہوئے اس لیے شوال کے روزے نہ پانچ ہیں نہ سات۔

مسئلہ اختلافی: ایام تشریق میں صوم کا کیا حکم ہے اس میں مختلف اقوال ہیں

مذہب اوّل: عندالاحناف ان میں روزہ ممنوع ہے مطلقاً اور اگر رکھے تو افساد واجب ہے اور یہ تشبہ بالشیطان ہے۔البتہ اگر ان ایام کی نذر مانی تو یہ نذر عندالاحناف لازم ہے۔البتہ ان دونوں میں روزہ رکھنا مکروہ ہے اور قضا کرے گا اور یہی ایک قول شافعی واحمد کا ہے۔

مذہب ثانی: ان دنوں نفل روزہ جائز ہے "مطلقاً کل ذلک عن ابن سیرین و ابن عمر رضی اللہ عنھما" یہ قول شاذ ہے اور جمہور میں سے کوئی بھی اس پر عمل نہیں کرتا۔

مذہب ثالث: آئمہ ثلاثہ شافعی مالک واحمد اوزاعی اسحاق فرماتے ہیں کہ ایام تشریق میں متمتع روزہ رکھ سکتا ہے بشرطین اوّل یہ کہ ہدی نہ پائے۔دوم یہ کہ ایام عشر میں تین روزے نہ رکھ سکے تو یہ متمتع ایام تشریق میں روزہ رکھ سکتا ہے کیونکہ قرآن میں "فصیام ثلاثۃ ایام فی الحج" اور فی الحج کے اطلاق میں ایام تشریق بھی داخل ہیں مگر احناف کہتے ہیں کہ صریح احادیث اس

کے خلاف ہیں ان پر عمل مقدم ہے اور بہت سی احادیث میں صریح نہی مروی ہے صوم ایام تشریق سے اور یہ احادیث محرم ہیں، نیز مرفوع ہیں اور مخالفین کے پاس کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے، البتہ بعض آثار موقوفہ ہیں جن کو احادیث مرفوعہ کے مقابلے میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے اور ہماری روایات محرم ہیں اور محرم کو مبیح پر ترجیح ہوتی ہے۔

دلیل ثانی: فتویٰ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور فتویٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ متمتع جب ہدی پر قادر نہ ہو تو روزہ رکھ لے؟

جواب: احادیث مرفوعہ کے مقابلے میں آثار حجت نہیں۔

سوال: یہ آثار بھی تو غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے حکماً مرفوع ہیں۔

جواب (۱): درحقیقت یہ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم آیت کے عموم سے استدلال ہے اور جب صحابی کا فتویٰ آیت سے مستنبط ہو تو وہ حدیث مرفوع کے حکم میں نہیں ہوتا۔

جواب (۲): ایک طرف دلائل حرمت ہیں اور ایک طرف دلائل اباحت تعارض کی صورت میں دلائل حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ كَرَاهِيَةِ الْحِجَامَةِ لِلصَّائِمِ روزہ دار کو پچھنے لگانا مکروہ ہے

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَفْطَرَ الحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ کھل گیا پچھنے لگانے والے کا اور جس نے پچھنے لگوائے۔

بَابُ مَاجَاءَ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ روزے میں پچھنے لگانے کی اجازت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ احْتَجَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ صَائِمٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ پچھنے لگائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور وہ روزے سے تھے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ فِيمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ وَهُوَ مُحْرِمٌ صَائِمٌ

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ پچھنے لگائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے اور مدینے کے بیچ میں اور وہ احرام باندھے ہوئے روزے سے تھے۔

تشریح: مسئلہ اختلافی: پچھنے لگوانا مفسد للصوم ہے یا نہیں؟

قول اوّل: جمہور احناف مالکیہ کے نزدیک مفسد للصوم نہیں۔

قول ثانی: حنابلہ کا قول امام ترمذی نے نقل کیا کہ مفسد للصوم ہے اور امام شافعی کے قول کو تفصیلاً نقل کیا کہ امام شافعی جب تک بغداد میں تھے تو فرماتے تھے کہ مفسد تو نہیں لیکن احتیاط کرنا چاہیے لیکن جب شام میں آ گئے تو فرمایا کہ مطلقاً اباحت کوئی مفسد للصوم نہیں

جمہور کی دلیل: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما (باب ماجاء فی الرخصۃ فی ذالک) دو تین حدیثیں ہیں سب کا قدر مشترک یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان کی تحسین فرمائی ہے۔

حنابلہ کی دلیل: حدیث رافع بن جریج (باب ماجاء فی کراھیۃ الحجامۃ للصائم) افطر الحاجم والمحجوم

جواب (۱): یہ مجاز پر محمول ہے کہ ان دنوں کے روزے کو افطار کے قریب کر دیا۔ حاجم کے روزے کو اس طرح قریب کر دیا کہ ممکن ہے "کماینبغی" احتیاط نہ ہونے کی وجہ سے خون کا کوئی قطرہ حلق سے نیچے چلا جائے اور محجوم نے اس طرح کہ ممکن ہے خون نکلنے کی وجہ سے ایسی کمزوری لاحق ہو جائے کہ کمزوری کی وجہ سے افطار کرنا پڑ جائے۔

جواب (۲): یہاں حاجم اور محجوم کا ذکر وصف عنوانی کے طور پر ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت فرمایا کہ جب یہ دونوں پچھنے لگا رہے تھے اور اس وقت غیبت کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "افطر الحاجم والمحجوم" افطار پچھنے لگوانے کی وجہ سے نہیں بلکہ غیبت کی وجہ سے یہ افطار حکماً ہے حقیقی افطار نہیں ہے۔

جواب (۳): اگر اس سے بھی قطع نظر کر لیں تو پھر یہ حکم منسوخ ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْوِصَالِ لِلصَّائِمِ روزوں میں وصال کی کراہت

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُوَاصِلُوا قَالُوا فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ إِنِّي لَسْتُ كَأَحَدِكُمْ إِنَّ رَبِّي يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ پر روزہ اس طرح نہ رکھو کہ بیچ میں کچھ نہ کھاؤ عرض کیا انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے ہیں اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں تمہاری مانند نہیں میرا رب تو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔

تشریح: دو یا دو دن سے زائد بغیر کچھ کھائے پیے روزہ رکھنا یہ صوم وصال ہے۔

قول اوّل: صوم وصال کا کیا حکم ہے؟

جمہور کے نزدیک مکروہ ہے اور کراہت میں دو قول ہیں۔ (۱) مکروہ تحریمی (۲) مکروہ تنزیہی۔

قول ثانی: کہ صوم وصال ممنوع اور حرام ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا اصل مسلک یہی ہے۔

قول ثالث: جو شخص صوم وصال پر قدرت رکھتا ہو اس کے لیے صوم وصال جائز ہے ورنہ حرام ہے۔ اسحاق بن راہویہ اور مالکیہ اسی کے قائل ہیں۔

سوال: بعض صحابہ اور بعض اولیاء اُمت صوم وصال رکھتے تھے؟

جواب: صوم وصال کی نہی کی علت میں اختلاف ہے کہ اس نہی کی علت کراہت ہے یا شفقت ہے جنہوں نے یہ سمجھا

کہ اس نہی کی علت کراہت ہے، انہوں نے کہا کہ مکروہ ہے اور جنہوں نے یہ سمجھا کہ شفقت ہے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کی پیروی کی۔

سوال: صوم دھر اور صوم وصال میں کیا فرق ہے؟

جواب: صوم دھر میں رات کو کھانا پینا ہوتا ہے جبکہ صوم وصال میں رات کو بھی روزہ ہوتا ہے۔

"قولہ ان ربی یطعمنی ویسقینی الخ" اس سے کیا مراد ہے؟

(۱) بعض محدثین کے ہاں یہ ظاہر پر محمول ہے کہ واقعۃً اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھلاتے پلاتے تھے۔

سوال: کھلانا پلانا دن کو ہے یا رات کو اگر دن کو ہے تو پھر روزہ نہیں اور اگر رات کو ہے پھر وصال نہ رہا؟

جواب (۱): یہ کھلانا پلانا جنت کے کھانوں میں سے ہے اور جنت کے مطعمات اگر دن کو ہوں تو روزے کے منافی نہیں اور اگر رات کو ہوں تو وصال کے منافی نہیں، جس طرح خواب میں کھانا پینا صوم کے منافی نہیں۔

جواب (۲): اکل اور شارب کی طرح میری قوت بحال رہتی ہے بغیر کھلائے پلائے کہ اللہ میری قوت کو باقی رکھتا ہے۔

سوال: جب قوت برقرار رہتی ہے تو پھر پیٹ پر پتھر کیوں باندھتے تھے؟

جواب (۱): یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی دلجوئی کی وجہ سے ہوتا نہ کہ بھوک کے احساس کی وجہ سے۔

جواب (۲): جن دنوں میں صوم ہوتا ان دنوں میں قوت برقرار رہتی، باقی ایام میں ختم ہوجاتی تھی۔

جواب (۳): مجازی معنی ہے کہ صوم وصال میں روحانی غذا جو حاصل ہوتی وہ جسمانی غذا سے بے نیاز کردیتی۔

(۲) "ان ربی یطعمنی ویسقینی" سے دوسرا قول یہ ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہیں۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے اعانت سے کہ اللہ بغیر کھلائے پلائے مجھے طاقت اور قوت بخشتے ہیں۔

(۴) چوتھا قول یہ کہ یہ کنایہ ہے مشاہدہ حق سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق کا مشاہدہ کرتے تھے جس کی وجہ سے اتنی قوت حاصل ہوتی تھی جتنی کھانے پینے سے حاصل ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجُنُبِ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ وَهُوَ يُرِيدُ الصَّوْمَ

صبح تک حالت جنابت میں رہتے ہوئے روزے کی نیت کرنا

عَنْ عَائِشَةَ، وَأُمِّ سَلَمَةَ زَوْجَا النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ أَهْلِهِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فَيَصُومُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہن سے روایت ہے جو بیبیاں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح ہوجایا کرتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاجت غسل کی ہوتی تھی اپنی بیبیوں

سے صحبت کرنے سے پھر نہاتے تھے اور روزہ رکھتے تھے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: آئمہ اربعہ کے نزدیک صبح صادق حدث اکبر کی حالت میں ہو جائے تو صوم کے منافی نہیں۔

دلیل اوّل: حدیث عائشہؓ واُم سلمہ رضی اللہ عنہن "کان یدرکۃ الفجر و ھو جنب من اھلہ"

دلیل ثانی: "کلوا و اشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر" آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ صبح طلوع ہونے تک کھانے پینے اور جماع کی اجازت ہے اور ظاہر ہے کہ جب صبح صادق کی آن تک جماع کی اجازت ہے تو پھر غسل صبح صادق کے بعد ہوگا صبح صادق جنابت کی حالت میں ہوگی۔ بعض تابعین صبح صادق کی حالت میں جنابت مفسد صوم ہے۔

دلیل ثالث: حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ "من ادرکہ الصبح و ھو جنب فلا صوم لہ"

جواب: یہ حکم ابتداء تھا بعد میں حکم منسوخ ہو گیا اور ویسے بھی اس مسئلہ میں ازواجِ مطہرات کی روایات کو ترجیح ہوگی۔ نیز ازواجِ مطہرات کی روایات کو جمہور آئمہ کی جانب سے تلقی بالقبول حاصل ہے اور قرآن کی تائید بھی حاصل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِجَابَةِ الصَّائِمِ الدَّعْوَةَ روزہ دار کا دعوت قبول کرنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى طَعَامٍ فَلْيُجِبْ فَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ يَعْنِي الدُّعَاءَ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بلایا جائے کوئی کھانے کے لیے تو قبول کرے پھر اگر روزہ سے ہو تو دُعا کرے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "فَلْيُصَلِّ" کہا معنی اس کے دُعا کرے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ صَائِمٌ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دعوت ہو کسی کی اور وہ روزے سے ہو تو بول دے کہ میں روزے سے ہوں۔

تشریح روزے دار کو اگر دعوت دی جائے تو کیا قبول کرے یا نہ کرے، فرماتے ہیں کہ اگر صائم متطوع ہو تو پھر اس کو دعوت قبول کر لینی چاہیے اور اگر میزبان اس کے نہ کھانے سے ناراض ہو تو اس کے لیے کھانا جائز ہے کیونکہ ضیافت نفلی روزے کے افطار کرنے کے اعذار میں سے ایک عذر ہے لیکن اگر وہ اس کے نہ کھانے سے ناراض نہ ہو تو نہ کھائے بلکہ اس کیلئے دُعا کرے۔ "فلیصل" سے دُعا مراد ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ صَوْمِ الْمَرْأَةِ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا

عورت کا شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھنا مکروہ ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَصُومُ الْمَرْأَةُ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ يَوْمًا مِنْ غَيْرِ

شَهرِ رَمَضَانَ إِلَّا بِإِذْنِهِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ روزہ رکھے کوئی عورت کہ خاوند اس کا حاضر ہو یعنی گھر میں ہو کسی دن میں سوائے رمضان کے مگر خاوند کی اجازت سے یعنی سوائے رمضان کے اور روزوں میں اجازت شوہر کی ضروری ہے۔

تشریح اگر شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھ لیا۔

قول اوّل: جمہور کے نزدیک یہ ممانعت تحریمی ہے، روزہ اگر رکھ لیا تو روزہ درست ہے۔

قول ثانی: لیکن بعض شوافع کے نزدیک یہ کراہت تحریمی نہیں۔ مالکیہ حضرات نے اس نہی کو حسن معاشرت سے متعلق قرار دے کر کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے۔ اگر روزہ رکھنے کے بعد شوہر اسے روزہ توڑنے پر مجبور کرے تو کر سکتا ہے لیکن ایسا کرنا خلاف اولیٰ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَأْخِيرِ قَضَاءِ رَمَضَانَ رمضان کی قضا میں تاخیر

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا كُنْتُ أَقْضِي مَا يَكُونُ عَلَيَّ مِنْ رَمَضَانَ إِلَّا فِي شَعْبَانَ حَتَّى تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرمایا انہوں نے میں ہمیشہ قضا کیا کرتی تھی روزے رمضان کے جو مجھ پر ہوتے تھے شعبان میں یہاں تک کہ وفات پائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے قضاء رمضان کی مہلت نہ ملتی مگر شعبان میں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں بہت روزے رکھتے تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اپنی قضاء رمضان ادا کر لیتیں۔

تشریح روزوں کی قضاء فی الفور واجب ہے یا تاخیر سے ادا کرنا ہے؟

قول اوّل: داؤد ظاہری کے نزدیک قضاء روزوں میں تعجیل واجب ہے۔

قول ثانی: جمہور کے نزدیک قضاء روزوں میں تعجیل واجب نہیں اگرچہ افضل و مستحب ہے۔ البتہ اگر قضاء رمضان میں تاخیر اگر کسی عذر ممتد کی وجہ سے ہو تو صرف قضاء ہوگی بالاجماع اور اگر بغیر عذر کے تاخیر ہو تو پھر وہی حکم ہے احناف کے نزدیک، بعض آئمہ کے نزدیک فدیہ بھی ادا کرنا پڑے گا۔

احناف کی دلیل: آیت کریمہ "فمن شهد منكم الشهر فليصمه، ومن كان مريضا او على سفرٍ فعدة من ايام اخر" کا ظاہر احناف کے موافق ہے۔

سوال: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قضاء رمضان (جو حیض کی وجہ سے رہ جاتے) شعبان میں رکھتی تھیں اس تاخیر کی کیا وجہ ہے؟

جواب (۱): "لشغل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم"

جواب(۲): اس لیے کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو استمتاع کا تقاضا ہو اور ہماری طرف سے رُکاوٹ ہو جائے شعبان میں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی روزے رکھتے نہ ادھر سے تقاضا ہوتا نہ ادھر سے کوئی مانع ہوتا۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں بیک وقت نو بیویاں تھیں اور ظاہر آٹھ دن کے بعد باری آتی ہوگی۔ پھر قضاء کیوں نہ کرتی تھیں؟

جواب: بعض علماء کی رائے کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر باری واجب نہیں تھی اور ممکن ہے ازواج مطہرات کا موقف بھی یہی ہو اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ازواج مطہرات نفلی روزہ بھی نہ رکھ سکتی ہوں کیونکہ ماقبل میں ہم پڑھ کر آئے کہ حضرت عائشہ اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہن نے حالت صوم میں کھانا کھالیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اقضیاء یوماً آخر" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفلی روزہ رکھ لیتی تھیں کیونکہ اس کو توڑ دینا آسان ہوتا ہے بخلاف قضاء رمضان کے اس کا مقرر توڑنا جائز نہیں اس لیے نہ رکھتیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّائِمِ إِذَا أُكِلَ عِنْدَهُ

کسی روزہ دار کے سامنے لوگوں کے کھانے پر اس کی فضیلت

عَنْ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ مَوْلَاتِهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصَّائِمُ إِذَا أَكَلَ عِنْدَهُ الْمَفَاطِيرُ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ.

ترجمہ حضرت ابی لیلیٰ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنی مولاۃ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو روزے سے ہو اور اس کے پاس افطار کی چیزیں یعنی کھانا وغیرہ کھایا جائے تو مغفرت مانگتے ہیں اس کے لیے فرشتے۔

عَنْ جَدَّتِهِ أُمِّ عُمَارَةَ بِنْتِ كَعْبِ الْأَنْصَارِيَّةِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَقَدَّمَتْ إِلَيْهِ طَعَامًا فَقَالَ كُلِي فَقَالَتْ إِنِّي صَائِمَةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الصَّائِمَ تُصَلِّي عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ إِذَا أُكِلَ عِنْدَهُ حَتَّى يَفْرُغُوا، وَرُبَّمَا قَالَ حَتَّى يَشْبَعُوا.

ترجمہ حضرت اُم عمارہ سے روایت ہے جو بیٹی ہیں کعب انصاریہ کے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں داخل ہوئے اور وہ کھانا لائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھاؤ عرض کیا انہوں نے کہ میں روزے سے ہوں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صائم کے لیے مغفرت مانگتے ہیں فرشتے جب لوگ کھائیں اس کے پاس یہاں تک کہ فراغت ہوں اور کبھی کہا راوی نے یہاں تک کہ سیر ہو جائیں۔

تشریح "عن زید عن لیلی عن مولاتھا" یہاں پر مولاۃ سے مراد معتقہ ہے، دوسرے مقام میں مابعد میں جو آرہا ہے وہاں مولاۃ کا معنی معتقہ ہوگا۔

سوال: حضرت اُمِ عمارہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرک پر روزہ کو ترجیح کیوں دی؟
جواب: ممکن ہے دونوں کو جمع کرلیا ہو یعنی روزہ بھی برقرار رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تبرک بھی رکھ تا کہ اس سے روزہ افطار کرلیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَضَاءِ الحَائِضِ الصِّيَامَ دُونَ الصَّلَاةِ حائضہ روزوں کی قضا کرے نماز کی نہیں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنَّا نَحِيضُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَطْهُرُ فَيَأْمُرُنَا بِقَضَاءِ الصِّيَامِ وَلَا يَأْمُرُنَا بِقَضَاءِ الصَّلَاةِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے ہم حائضہ ہوتی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں پھر پاک ہوتی تھیں تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکم کرتے تھے ہم کو روزے کی قضا کا، حکم نہ کرتے نماز کی قضا کا۔

تشریح: ......اختلافی مسئلہ:

قول اوّل: اس پر اتفاق ہے کہ حائضہ عورتوں پر نمازوں کی قضاء نہیں، روزوں کی قضاء ہے۔
قول ثانی: بعض خوارج کے نزدیک نمازوں کی بھی قضاء ضروری ہے۔
جمہور فقہاء کی دلیل: یہی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہم حائضہ ہوتیں، پھر پاک ہو جاتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں روزوں کی قضاء کا حکم دیتے نمازوں کی قضاء کا حکم نہ دیتے، اگر حکمتیں بیان کرتیں تو ہزاروں بیان کرسکتی تھیں، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول نقل کیا۔
خوارج کی دلیل: خوارج قیاس کرتے ہیں روزوں پر جس طرح روزوں کی قضاء ہے اسی طرح نماز کی بھی قضاء ہوگی۔
جواب: یہ قیاس، قیاس مع الفارق ہے، ایک تو نصوص کے منافی ہونے کی وجہ سے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ دم حیض وجوب صلوٰۃ کے لیے مانع ہے نہ کہ صوم کے وجوب کے لیے اس لیے یہ قیاس کرنا درست نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ مُبَالَغَةِ الِاسْتِنْشَاقِ لِلصَّائِمِ

روزہ دار کے لیے ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے

عَاصِمَ بْنَ لَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَخْبِرْنِي عَنِ الْوُضُوءِ قَالَ أَسْبِغِ الْوُضُوءَ، وَخَلِّلْ بَيْنَ الْأَصَابِعِ، وَبَالِغْ فِي الِاسْتِنْشَاقِ، إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا.

ترجمہ: حضرت عاصم بن لقیط بن صبرہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا ان کے باپ نے عرض کیا میں نے یا رسول اللہ! خبر دو مجھ کو وضو کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پورا وضو کرو یعنی فرائض وسنن اچھی طرح ادا

کرو اور خلال کرو اُنگلیوں میں ہاتھ پیروں کے اور مبالغہ کرناک میں پانی دینے سے مگر جب تو روزے سے ہو۔

تشریح روزہ دار کو استنشاق میں مبالغہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ہوسکتا ہے کوئی قطرہ حلق سے نیچے چلا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس سے استنباط کیا کہ ناک کے اندر دوائی ڈالنے میں بھی مبالغہ نہ کیا جائے۔ اس اُصول کے تحت دو مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔ پہلا مسئلہ تدخین کا اور دوسرا مسئلہ انجکشن کا۔......

مسئلہ اولیٰ تدخین: یعنی دھویں کا دماغ تک پہنچ جانا۔ اس اعتبار سے حقہ، سگریٹ وغیرہ روزے کے لیے مفسد ہوں گے کیونکہ ان چیزوں کے ذریعے سے دھواں دماغ اور پیٹ تک پہنچ جاتا ہے۔

سوال: اگر دھواں سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے تو جن علاقوں میں دھویں والا ایندھن یا جن گھروں میں لکڑیوں کا ایندھن استعمال ہوتا ہے اور لکڑیاں جلانے سے دھواں بھی ہوتا ہے تو کیا ان لوگوں کا روزہ فاسد ہو جائے گا؟ اسی طرح اگر بتی وغیرہ کا استعمال کیا تو یہ بھی مفسد صوم ہوگا؟

جواب: ان اشیاء سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ ایک ہے دخول اور ایک چیز ہے ادخال۔ دخول دخان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور ادخال دخان سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ثانیہ: روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، چاہے ٹیکہ گوشت کا ہو یا رگ میں۔ اس لیے کہ ٹیکہ سے دوائی پیٹ یا دماغ تک نہیں پہنچتی۔ اگر بالفرض پہنچے تب بھی مفسد نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ پیٹ اور دماغ تک پہنچنے کے منافذ دو قسم کے ہیں۔ (۱) منافذ اصلیہ اور (۲) منافذ غیر اصلیہ۔ جو ایصال منافذ اصلیہ سے ہو اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور منافذ غیر اصلیہ سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور ٹیکہ کے ذریعہ سے پیٹ اور دماغ تک دوا کا ایصال منافذ غیر اصلیہ سے ہے۔

سوال: ٹیکہ سے جسم میں قوت آجاتی ہے اور یہ روزہ کے منافی ہے جس طرح کھانے سے یا پینے سے قوت آجاتی ہے اور یہ روزہ کے منافی ہے؟

جواب: مطلق قوت روزہ کے منافی نہیں بلکہ وہ قوت روزہ کے منافی ہے جو منافذ اصلیہ کے ذریعہ سے حاصل ہو تو جس طرح غسل تبرید یا زہریلی چیز کے کاٹ لینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ اسی طرح ٹیکے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَلَا يَصُومُ إِلَّا بِإِذْنِهِمْ

اگر کوئی شخص کسی کا مہمان ہو تو میزبان کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَزَلَ عَلَى قَوْمٍ فَلَا يَصُومَنَّ تَطَوُّعًا إِلَّا بِإِذْنِهِمْ

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مہمان ہو کسی قوم کے ہاں تو ہر گز روزہ نہ رکھے نفل کا بے (بغیر) اُن کی اجازت کے۔

شرح اگر کوئی آدمی کہیں مہمان ہو تو پھر میزبان کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے۔ حدیث شریف میں ہے "من نزل علی قوم فلا یصو من تطوعًا الا باذنھم" یہ حدیث منکر ہے اور استحباب پر محمول ہے کیونکہ اس کی وجہ سے میزبان کو سحری و افطاری کا بندوبست کرنا پڑے گا اس لیے یہ حکم ہے۔ بقیہ شرح ماقبل میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاعْتِكَافِ اعتکاف کے بیان میں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَعُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ العَشْرَ الأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى قَبَضَهُ اللهُ .

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کرتے تھے رمضان کے اخیر عشرے میں یہاں تک کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے قبض کرلیا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ صَلَّى الفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ فِي مُعْتَكَفِهِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ارادہ کرتے تھے اعتکاف کا نماز پڑھ کر صبح کی داخل ہو جاتے اپنے اعتکاف گاہ میں۔

تشریح اعتکاف لغت میں ٹھہرنے اور رُکنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اعتکاف کی تعریف ہے "المکث فی المسجد مع الصوم و النیۃ" اور اعتکاف کے لیے شرط یہ ہے کہ معتکف مسلمان اور عاقل ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافر اور مجنوں کا اعتکاف درست نہیں۔ اعتکاف کی تین قسمیں ہیں (۱) اعتکاف واجب (۲) اعتکاف مسنون بسنت مؤکدہ علی الکفایہ (۳) اعتکاف نفل۔ (۱) اعتکاف واجب یہ ہے کہ جس کی نذر مانی گئی ہو اور (۲) اعتکاف مسنون بسنت مؤکدہ علی الکفایہ وہ ہے جو رمضان شریف کے آخری عشرہ میں ہو۔ (۳) اعتکاف نفلی وہ ہے جو ان دونوں کے ماسواء ہو۔

پہلا مسئلہ: اعتکاف کیلئے روزہ ضروری ہے کہ نہیں؟ کون سے اعتکاف کے لیے روزہ رکھنا ضروری ہے اور کون سے اعتکاف کے لیے ضروری نہیں۔

قول اوّل: اعتکاف نذری کے لیے جمہور کے نزدیک صوم ضروری ہے۔

قول ثانی: حنابلہ کے نزدیک صوم ضروری نہیں ہے۔

دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما "أوْفِ بنذرک" اور ظاہر ہے کہ یہ رات کے اعتکاف کی نذر تھی اور روزہ رات کو نہیں ہوتا۔

جواب: یہ نذر اصل میں دن اور رات کی تھی۔ باقی اعتکاف سنت عام طور پر رمضان میں ہوتا ہے اس لیے صوم ضروری ہے اور اگر روزہ نہ رکھا تو اعتکاف نفلی ہو جائے گا۔ باقی نفلی اعتکاف کے لیے روزہ ضروری ہے یا نہیں؟ اس کا مبنی علیہ یہ ہے کہ

اعتکاف نفل کی کم از کم مقدار کیا ہے؟ قاضی صاحب کم از کم ایک دن ہے۔ امام محمد کے ہاں ایک ساعت کا بھی ہوسکتا ہے تو اب قاضی صاحب کے نزدیک اعتکاف نفلی کے لیے صوم کا ہونا ضروری ہے اور امام محمد کے ہاں صوم کا ہونا ضروری نہیں۔

دوسرا مسئلہ: اعتکاف کا مسنون وقت کون سا ہے؟

قول اوّل: جمہور بیسویں رمضان کے سورج کے غروب ہونے سے پہلے پہلے مسجد میں چلا جائے، اس دن سورج اس حال میں غروب ہو کہ معتکف مسجد میں بیٹھ گیا ہو۔

قول ثانی: امام اوزاعی کے ہاں بقول امام ترمذی، امام احمد اور اسحاق بن راہویہ کے نزدیک بھی اس کا آغاز اکیسویں رمضان کو بعد صلوٰۃ الفجر ہوگا۔

جمہور کی دلیل: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق روایات ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری عشرہ کا اعتکاف کرتے اور دس راتیں تب بنیں گی جب اکیسویں رات اعتکاف میں داخل ہو۔ نیز روایات میں حکم ہے کہ لیلۃ القدر کو تلاش کرو اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں اور طاق راتوں میں اکیسویں رات بھی داخل ہے۔

امام اوزاعی کی دلیل: حدیث الباب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی نماز پڑھتے ''ثم دخل فی معتکفہ''

جواب: اس کا مطلب یہ نہیں کہ معتکف مسجد میں داخل ہوتے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسجد کے اندر خلوت گاہ میں فجر کے بعد داخل ہوتے۔ اگرچہ مسجد میں بیس تاریخ کے غروب سے پہلے داخل ہوتے ورنہ تو لازم آئے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز مسجد سے باہر پڑھتے۔ پھر مسجد میں داخل ہوتے حالانکہ ایسا نہیں۔

سوال: اس سے لازم آئے گا کہ اعتکاف کی پہلی شب عمومی مسجد میں گزارے حالانکہ یہ مستحب نہیں؟

جواب: اصل مقصود جو خلوت ہے، پہلی رات عام مسجد میں خلوت حاصل ہو جاتی آمد و رفت نہ ہونے کی وجہ سے اور دن کو آمد و رفت کی وجہ سے خلوت خلوت گاہ میں ہی حاصل ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ شب قدر کے متعلق

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجَاوِرُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ وَيَقُولُ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کرتے تھے رمضان کے عشرۂ اخیر میں اور فرماتے ڈھونڈو شب قدر کو رمضان کے عشرۂ اخیر میں۔

عَنْ زِرٍّ قَالَ قُلْتُ لِأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ أَنَّى عَلِمْتَ أَبَا الْمُنْذِرِ أَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ قَالَ بَلَى أَخْبَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا لَيْلَةٌ صَبِيحَتُهَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ لَيْسَ لَهَا شُعَاعٌ

فَعَدَدْنَا، وَحَفِظْنَا وَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمَ ابْنُ مَسْعُودٍ أَنَّهَا فِي رَمَضَانَ وَأَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ وَلٰكِنْ كَرِهَ أَنْ يُخْبِرَكُمْ فَتَتَّكِلُوا.

ترجمہ: حضرت زر سے روایت ہے کہا پوچھا میں نے ابی بن کعب سے کیونکر جانا تم نے ابوالمنذر کو شب قدر ستائیسویں شب ہے؟ تو کہا انہوں نے بے شک خبر دی ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ شب ایسی ہے کہ اس کی صبح کو جب آفتاب نکلتا ہے تو اس میں شعاع اور چمک نہیں ہوتی سو ہم نے گنا اور یاد رکھا یعنی ہم نے ستائیسویں شب کی صبح کو آفتاب ویسا ہی دیکھا تو جان لیا کہ شب قدر اسی شب میں ہے اور قسم ہے اللہ کی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جانتے تھے کہ وہ رمضان کی ستائیسویں شب ہے مگر خوب نہ جانا انہوں نے تم کو بتلانا کہ تم تکیہ کرلو گے یعنی اسی شب فقط جاگو گے اور راتوں میں عبادت کم کرو گے۔

حَدَّثَنَا عُيَيْنَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ ذُكِرَتْ لَيْلَةُ الْقَدْرِ عِنْدَ أَبِي بَكْرَةَ فَقَالَ مَا أَنَا مُلْتَمِسُهَا لِشَيْءٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فَإِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ الْتَمِسُوهَا فِي تِسْعٍ يَبْقَيْنَ أَوْ فِي سَبْعٍ يَبْقَيْنَ أَوْ فِي خَمْسٍ يَبْقَيْنَ أَوْ فِي ثَلَاثٍ أَوَاخِرِ لَيْلَةٍ، وَكَانَ أَبُو بَكْرَةَ يُصَلِّي فِي الْعِشْرِينَ مِنْ رَمَضَانَ كَصَلَاتِهِ فِي سَائِرِ السَّنَةِ فَإِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ اجْتَهَدَ

ترجمہ: حضرت ابن عیینہ بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ ذکر کیا مجھ سے میرے باپ نے کہ بیان آیا شب قدر کا ابی بکرہ کے پاس تو کہا انہوں نے میں کچھ اس کی تلاش میں نہیں جب سے سنی ہے ایک چیز میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مگر اخیر عشرے میں یعنی رمضان کے کہ میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے ڈھونڈو اسے جب نو راتیں باقی رہ جائیں یعنی اکیسویں شب میں یا جب سات راتیں باقی رہ جائیں یعنی تیسویں شب میں یا جب پانچ باقی رہ جائیں یعنی پچیسویں شب میں یا جب تین رہ جائیں یعنی ستائیسویں یا اخیر رات یعنی انتیسویں کہا راوی نے اور ابو بکرہ نماز پڑھتے تھے بیس دن میں رمضان کے جیسے تمام سال پڑھتے تھے یعنی کچھ بڑھاتے نہ تھے پھر جب آخر دہا (عشرہ) آجاتا تو خوب کوشش کرتے عبادت میں۔

تشریح: پہلی بات: اعتکاف سے مقصود لیلۃ القدر کی جستجو ہے، اس وجہ سے اعتکاف کے بعد لیلۃ القدر کو ذکر کیا۔ باقی لیلۃ القدر کس رات میں ہے۔ امام صاحب کی دو روایتیں ہیں۔ (۱) پورے سال میں دائر ہے۔ (۲) جمہور کا قول یہ ہے کہ رمضان کے ساتھ مخصوص ہے۔ پھر زیادہ ارجی اُمید رمضان کے اخیر عشرہ میں، پھر اور زیادہ اُمید رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں، پھر اور زیادہ ستائیس کی رات کی ہے۔

دوسری بات: وجہ تسمیہ، لیلۃ القدر کو قدر کہنے کی دو وجہیں ہیں

(۱) قدر کا معنی ہے مقرر کرنا، فیصلہ کرنا اور تقدیر اور لیلۃ القدر کو بھی لیلۃ القدر اسی لیے کہتے ہیں کہ اس رات میں آئندہ سال کے لیے بندوں کے رزق اور زندگی اور دیگر اُمور کا فیصلہ کر کے فرشتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔

(۲) قدر کا معنی ہے عظمت اور فضیلت۔ لیلۃ القدر کو بھی لیلۃ القدر اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ عظمت اور فضیلت والی رات ہے۔ اس لیے کہ جس آدمی کی اس سے پہلے بدعملی کی وجہ سے کوئی قدر و قیمت نہ تھی اس رات میں توبہ اور استغفار کے ذریعہ وہ صاحب عظمت اور صاحب فضیلت ہو جاتا ہے۔

تیسری بات: دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اعتکاف سنت میں حوائج ضروریہ کے علاوہ نکلنا جائز نہیں۔ اگرچہ اعتکاف کرتے وقت یہ شرط بھی لگائی ہو کہ فلاں فلاں کام کروں گا۔ اب جنازے کی نماز کے لیے جا سکتا ہے یا نہیں تو احناف فرماتے ہیں کہ جنازے کے لیے نکلنا جائز نہیں، ہاں اگر اپنی ضروری حاجات کی غرض سے نکلا اور نماز بھی پڑھ لی جائے تو جائز ہے۔

چوتھی بات: کسی نے سنت اعتکاف کو توڑ دیا تو احناف اور مالکیہ کے ہاں قضاء واجب ہے۔ احناف کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ فقط ایک دن کی قضاء واجب ہوگی کیوں کہ ہر دن کا اعتکاف الگ اور مستقل ہے۔

بَابٌ مِنْهُ دوسرا باب اسی سے متعلق

عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوقِظُ أَهْلَهُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جگاتے تھے اپنے گھر والوں کو اخیر دہے (عشرے) میں رمضان کے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهَا

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی کوشش کرتے تھے عبادت میں عشرۂ اخیر میں یعنی رمضان کے ایسی کہ نہ کوشش کرتے تھے اور دنوں اس کے سوا۔

تشریح: اس باب کا حاصل یہ ہے کہ رمضان میں بیداری ہونی چاہیے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری عشرے میں اپنے گھر والوں کو جگاتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّوْمِ فِي الشِّتَاءِ سردیوں کے روزے

عَنْ عَامِرِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْغَنِيمَةُ الْبَارِدَةُ الصَّوْمُ فِي الشِّتَاءِ.

ترجمہ: حضرت عامر بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مفت کی لوٹ جو ٹھنڈی ہاتھ آئے جاڑے کا روزہ ہے۔

تشریح "قوله غنيمة باردة" یہ مثل ہے اس چیز کے جس کا حصول کثیر المنفعت اور قلیل المؤنث ہو اس کو کہتے ہیں "غنيمة باردة" یہ ان الفاظ میں سے ہے جس کا تلفظ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ: {وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ} ان لوگوں کا روزے رکھنا جو اس کی طاقت رکھتے ہیں

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ {وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ} [البقرة: 184] كَانَ مَنْ أَرَادَ مِنَّا أَنْ يُفْطِرَ وَيَفْتَدِيَ حَتَّى نَزَلَتِ الآيَةُ الَّتِي بَعْدَهَا فَنَسَخَتْهَا.

ترجمہ حضرت سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ جب اُتری یہ آیت: "وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ" یعنی جس کو طاقت نہ ہو روزے کی تو وہ کھانا کھلائے ایک مسکین کو پس جو ارادہ کرتا ہم میں سے افطار کا فدیہ دے دیتا یعنی ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیتا ہر روزے کے عوض میں یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اُتری اور یہ منسوخ ہو گئی۔

تشریح پہلی بات: روزے میں تین تبدیلیاں ہوئیں

(۱) پہلی تبدیلی یہ ہوئی کہ شروع میں عاشورہ اور ایام بیض کے روزے فرض کیے گئے تھے۔ پھر "شهر رمضان الذی انزل فيه القرآن الخ" یہ آیت نازل ہوئی تو عاشورہ اور ایام بیض کے روزے منسوخ کر دیئے گئے اور رمضان کے روزوں کو فرض کر دیا گیا ہے۔

(۲) دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ ابتداء میں رات کا بھی روزہ ہوتا تھا۔ وہ اس طرح کہ مغرب کے بعد جب روزہ افطار کرتے تو جو آدمی افطار کے بعد اگر سو جاتا، اس کا روزہ شروع ہو جاتا۔ پھر "احل لكم ليلة الصيام الرفث الخ" جب یہ آیت نازل ہوئی تو رات کا روزہ منسوخ کر دیا گیا۔

(۳) تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ ابتداء میں طاقت کے باوجود روزہ رکھنے اور فدیہ ادا کرنے میں اختیار تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی "من شهد منكم الشهر الخ" تو اختیار والے حکم کو منسوخ کر دیا گیا کہ جس آدمی کے اندر روزہ رکھنے کی طاقت ہو، اس کے لیے روزہ رکھنا فرض ہے۔ البتہ شیخ فانی کے حق میں اب بھی یہ حکم باقی ہے۔ شیخ فانی کہتے ہیں بوڑھے پھوس کو۔

دوسری بات: اس آیت کا حکم باقی ہے یا منسوخ ہو چکا ہے؟

(۱) جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ شروع میں جب صوم کا حکم اُترا تو اس میں کچھ آسانی تھی، اس لیے طاقتور آدمی بھی فدیہ دے کر روزہ نہ رکھیں تو اس کو اجازت تھی۔ لیکن جب "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" یہ آیت اُتری تو اس سے "وعلى الذين يطيقون الخ" والے حکم کو منسوخ کر دیا۔ البتہ تلاوت اب بھی باقی ہے۔

(۲) شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق صوم کی کسی قسم سے نہیں بلکہ اس کا تعلق صدقہ فطر سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کو اللہ نے طاقت دی ہے ان پر صوم کے ساتھ طعام مسکین یعنی صدقہ فطر بھی ہے۔

(۳) تیسری توجیہ یہ ہے کہ "یطیقون" باب افعال سے ہے اور افعال کی خاصیت سلب ماخذ ہے تو مطلب یہ ہے کہ جن سے روزے کی طاقت سلب ہوگئی ہے ان پر فدیہ ہے ان دونوں صورتوں میں یہ آیت منسوخ ہوگی۔

بَابُ مَاجَاءَ مَنْ أَكَلَ ثُمَّ خَرَجَ يُرِيدُ سَفَرًا جو شخص رمضان میں کھانا کھا کر سفر کے لیے نکلے

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ أَنَّهُ قَالَ أَتَيْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فِي رَمَضَانَ وَهُوَ يُرِيدُ سَفَرًا وَقَدْ رُحِلَتْ لَهُ رَاحِلَتُهُ وَلَبِسَ ثِيَابَ السَّفَرِ فَدَعَا بِطَعَامٍ فَأَكَلَ فَقُلْتُ لَهُ سُنَّةٌ قَالَ سُنَّةٌ ثُمَّ رَكِبَ.

ترجمہ حضرت محمد بن کعب سے روایت ہے کہ آیا میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اور وہ ارادہ رکھتے تھے سفر کا اور سواری ان کی کسی گئی تھی اور پہن چکے تھے کپڑے سفر کے سو منگوایا انہوں نے کھانا اور کھایا تو کہا میں نے کیا یہ سنت ہے یعنی نکلنے کے بعد افطار کرنا کہا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہاں سنت ہے پھر سوار ہو گئے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: جس شخص کا ارادہ بالفعل سفر کا ہو اس کے لیے سفر سے پہلے افطار جائز ہے یا نہیں؟

قول اوّل: جمہور کے نزدیک لا یجوز۔

قول ثانی: بعض اہل علم کی جیسا کہ اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ بالفعل سفر شروع کرنے سے پہلے افطار کھانا پینا جائز ہے، اگرچہ نماز میں قصر جائز نہیں ہے۔

دلیل جمہور: "فمن کان منکم مریضا او علی سفرٍ الخ" یہاں علیٰ سفرٍ کی تفسیر میں جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ بالفعل مسافر ہو نہ کہ ارادہ سفر کرنے والا۔

اسحاق کی دلیل: حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ، محمد بن کعب کہتے ہیں کہ میں انس کے پاس گیا رمضان کے اندر ان کا سفر کا ارادہ تھا سواری پر، سفر سامان بھی لاد دیا گیا تھا اور سفر کا لباس بھی پہن لیا، پس کھانا منگوایا اور کھایا، میں نے کہا کہ کیا یہ سنت ہے تو فرمایا کہ سنت ہے "ثم رکب"

جواب (۱): یہ سنداً ضعیف ہے اس میں عبداللہ بن جعفر کی یحییٰ بن معین نے تضعیف کی ہے۔

جواب ۲: مؤوّل ہے حدیث اس بات سے ساکت ہے کہ انس بن مالک اس وقت اپنے گھر میں تھے۔ ممکن ہے سفر میں کہیں پڑاؤ ڈالا ہو اور محمد بن کعب حاضر ہوئے اور اسی اثناء میں کھانا کھایا، دوران سفر کا قصہ ہے نہ کہ گھر کا یعنی وہ بالفعل مسافر تھے۔

جواب ۳: بعض اوقات صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے اجتہاد کو بھی سنت کہہ دیتے ہیں اور یہ اجتہاد ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا۔

"قال ابو عیسیٰ" نیز یہ محمول ہے علیٰ عادۃ العرب ان کی عادت تھی کہ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے ایک منزل کا تعین کر کے ایک اسی جگہ پر سارے ساتھی جمع ہونے کا عہد کرتے اور وہ جگہ خارج البلد ہوتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تُحْفَةِ الصَّائِمِ روزے دار کے تحفہ سے متعلق

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُحْفَةُ الصَّائِمِ الدُّهْنُ وَالْمِجْمَرُ.

ترجمہ: حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ دار کو تحفہ دے تو تیل دے یا خوشبو یعنی عود وغیرہ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى مَتَى يَكُونُ؟ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کب ہوتی ہیں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفِطْرُ يَوْمَ يُفْطِرُ النَّاسُ وَالْأَضْحَى يَوْمَ يُضَحِّي النَّاسُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عید فطر اسی دن ہے جس دن روزے رمضان کے قائم کریں سب لوگ اور عید الاضحیٰ اس دن ہے کہ جس دن سب لوگ قربانی وغیرہ کریں۔

تشریح: قال ابوعیسیٰ سے انقطاع والے شبہ کو زائل کیا کیونکہ محمد بن منکدر بصیغہ عن روایت کر رہے ہیں اس میں انقطاع کا شبہ ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر امورِ اجتہادیہ میں خطاء ہو جائے تو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِعْتِكَافِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ ایام اعتکاف گزر جانے کے بیان میں

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ يَعْتَكِفْ عَامًا فَلَمَّا كَانَ فِي الْعَامِ الْمُقْبِلِ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کیا کرتے تھے اخیر عشرے میں رمضان کے سوا ایک سال اتفاق اعتکاف کا نہ ہوا سو دوسرے سال میں بیس دن کا اعتکاف کیا۔

تشریح: مسئلہ اختلافی: اگر اعتکاف توڑ دیا تو قضاء لازم ہوگی یا نہیں؟ احناف کے نزدیک قضاء لازم ہوگی۔

دلیل: حدیث الباب، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعتکاف فرماتے رمضان کے اخیر عشرہ میں، ایک سال اعتکاف نہ کیا مسافر ہونے کی وجہ سے جب آئندہ سال رمضان آیا تو ۲۰ دن کا اعتکاف کیا۔

سوال: تقریب تام نہیں مسئلہ تو یہ ہے کہ اعتکاف شروع کرنے کا بعد توڑ دیا جائے یہاں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعتکاف شروع ہی نہ کیا تھا۔

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیت اعتکاف کی تھی اس نیت کے باوجود اعتکاف نہ ہوا تو قضاء بالفعل کی تو جب

اعتکاف شروع ہو جائے تو قضاء بطریق اولیٰ ہوگی۔ استدلال بطور دلالت النص۔

قولِ ثانی: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کوئی عمل بھی شروع کرنا لازم نہ ہوگا اور نہ ہی اس کی قضاء ضروری ہوگی، اگر شروع کرنے کے بعد توڑ دیا جائے بجز حج اور عمرہ کے اس پر اجماع ہے کہ ان کو شروع کرنے کے بعد اگر فاسد کر دیا جائے تو قضاء لازم ہوگی۔

سوال: حج وعمرہ اور ان کے ماسوا میں فرق کیوں کرتے ہیں۔

جواب: ان کے بارے میں نص ہے "اتمو االحج والعمرۃ"

جواب الجواب: باقی اعمال میں بھی تو نص ہے "لاتبطلو ااعمالکم"

بَابُ الْمُعْتَكِفِ يَخْرُجُ لِحَاجَتِهِ أَمْ لَا کیا معتکف اپنی ضرورت کے لیے نکل سکتا ہے

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اعْتَكَفَ أَدْنَى إِلَيَّ رَأْسَهُ فَأُرَجِّلُهُ وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں ہوتے (تو مسجد میں بیٹھے ہوئے) جھکا دیتے میری طرف اپنا سر مبارک تو میں کنگھی کر دیتی اور گھر میں نہ آتے مگر حاجت انسانی یعنی پیشاب، پاخانہ وغیرہ کو۔

تشریح: اس بات پر اجماع ہے کہ معتکف کے لیے حاجت طبعیہ کی وجہ سے نکلنا جائز ہے۔

مسئلہ اختلافی (۱): حاجت شرعیہ مثلاً جمعہ کی نماز کے لیے نکلنا جائز ہے یا نہیں؟

قولِ اوّل: احناف کے نزدیک حاجت شرعیہ کو بھی پورا کرنے کے لیے نکل سکتا ہے اور جائز ہے باقی اس میں یہ مسئلہ ہے کہ نماز جنازہ کے لیے مریض کی عیادت کے لیے نکل سکتا ہے یا نہیں؟ احناف لا یجوز، دلیل ابوداؤد میں ہے کہ معتکف جنازہ میں بھی حاضر نہ ہو اور مریض کی عیادت بھی نہ کرے۔

قولِ ثانی: اسحاق بن راہویہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر اعتکاف کی نیت کرتے وقت یہ نیت کی تھی کہ جنازہ کے لیے نکلوں گا تو جائز ورنہ نہیں جبکہ احناف کے نزدیک مطلقاً شریک نہیں ہو سکتا۔

اسحاق کی دلیل:

حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مریض کی عیادت بھی فرما لیتے اور نماز جنازہ بھی پڑھاتے۔

جواب: یہ قصداً نہیں ہوتا تھا بلکہ تبعاً طفیلاً ہوتا یعنی قضاء حاجت کے لیے گئے اور درمیان میں کسی مریض کی عیادت کر لی اور نماز جنازہ پڑھا دیا کرتے تھے۔

مسئلہ اختلافی (۲): کس قسم کی مسجد میں اعتکاف کرنا چاہیے۔

قول اوّل جمہور: ہر ایسی مسجد میں جس میں نماز با جماعت ہوتی ہو، عام ازیں جمعہ ہو یا نہ ہو۔
قول ثانی: مالکیہ فرماتے ہیں کہ صرف جمعہ والی مسجد میں ہی اعتکاف ہوگا تا کہ مسجد سے نکلنے کی نوبت ہی نہ آئے جبکہ ایسی مسجد شہر میں موجود ہو، اس کے علاوہ میں جائز نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ رمضان میں رات کو نماز پڑھنا

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُصَلِّ بِنَا حَتَّى بَقِيَ سَبْعٌ مِنَ الشَّهْرِ فَقَامَ بِنَا حَتَّى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا فِي السَّادِسَةِ وَقَامَ بِنَا فِي الخَامِسَةِ حَتَّى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْنَا لَهُ يَا رَسُولَ اللهِ لَوْ نَفَّلْتَنَا بَقِيَّةَ لَيْلَتِنَا هٰذِهِ فَقَالَ إِنَّهُ مَنْ قَامَ مَعَ الإِمَامِ حَتَّى يَنْصَرِفَ كُتِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ. ثُمَّ لَمْ يُصَلِّ بِنَا حَتَّى بَقِيَ ثَلَاثٌ مِنَ الشَّهْرِ وَصَلَّى بِنَا فِي الثَّالِثَةِ وَدَعَا أَهْلَهُ وَنِسَاءَهُ فَقَامَ بِنَا حَتَّى تَخَوَّفْنَا الفَلَاحَ قُلْتُ لَهُ وَمَا الفَلَاحُ قَالَ السُّحُورُ.

ترجمہ حضرت ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ روزہ رکھا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سو نماز شب نہ پڑھی ہمارے ساتھ یعنی سوائے عشاء کے یہاں تک کہ باقی رہیں سات تاریخیں مہینے میں یعنی تیسویں شب کو لے کر کھڑے ہوئے ہم کو یعنی نماز تراویح پر یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی پھر نہ پڑھی جب چھ راتیں باقی رہیں یعنی چوبیسویں شب کو پھر کھڑے ہوئے ہم کو لے کر نماز میں پچیسویں شب کو یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی اور عرض کیا ہم نے یا رسول اللہ! آرزو ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور نفل پڑھتے ہمارے ساتھ باقی رات میں سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نماز پڑھ چکا امام کے ساتھ یہاں تک کہ امام فارغ ہو تو لکھا جاتا ہے اس کے لیے ساری رات نماز پڑھنے کا ثواب پھر نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ باقی رہیں تین راتیں مہینے سے پھر نماز پڑھی ستائیسویں کو ہمارے ساتھ اور بلایا اپنے گھر والوں اور عورتوں کو اور کھڑے رہے ہم کو لے کر نماز میں یہاں تک کہ خوف ہوا ہم کو فلاح فوت ہونے کا اور کہا راوی نے پوچھا میں نے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فلاح کیا ہے؟ انہوں نے کہا سحر کا کھانا یعنی خوف ہوا کہ سحر کا وقت نہ جاتا رہے۔

تشریح پہلی بات: تراویح بالجماعۃ میں، جماعت تراویح سنت ہے۔ عینی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں "قد اختلف العلماء فيه فذهب الليث و ابن المبارک و احمد و اسحاق ان قيام التراويح مع الامام افضل منه فی المنازل وبه قال قوم اصحاب ابی حنيفه و شافعی و ذهب مالک و شافعی الى ان صلوة التراويح فی بيته افضل اليه قال الطحاوی" لیکن امام نووی شرح مسلم میں، امام شافعی وابو حنیفہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک نماز مع الامام افضل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسئلے میں دو قول ہیں۔

قول اوّل: کہ تراویح مع الامام فی المسجد افضل ہیں اور یہ قول منسوب ہے امام احمد وشافعی کو اور یہی ایک قول ہے ابوحنیفہ کا۔
قول ثانی: ان کا پڑھنا فی البیت افضل ہے اور یہ منسوب ہے مالک وابوحنیفہ کی طرف لیکن فقہاء نے تصریح کی ہے "ان افضلیت البیت عند مالک و ابی حنیفہ مقید لعدم تعطل المساجد"
دوسری بات: اختلافی مسئلہ: عدد تراویح میں ہے عدد تراویح میں دو مذہب ہیں۔
مذہب اوّل: یہ عند الجمہور بیس رکعت ہیں۔ وبہ قال ابوحنیفہ وشافعی واحمد کمافی المغنی، ج:۱، ص: ۸۰۳، قال فی المغنی المختار عند ابی عبداللہ احمد فیہا عشرون رکعۃ نووی شرح مہذب ص: ۳۰۲ پر لکھتے ہیں "مذہب انہا عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات غیر الوتر وتلک خمس تراویحات والترویحۃ اربع رکعۃ" ابن عبدالبر لکھتے ہیں ھو قول جمہور العلماء امام مالک سے چھتیس رکعت کی روایت ہے لیکن متون مذہب مالکی میں بیس رکعت کو ترجیح دی ہے۔ علامہ دسوقی مالکی شرح الکبیر میں لکھتے "ھی ثلاث و عشرون رکعۃ بالشفع والوتر کما علیہ عمل الصحابہ رضی اللہ عنہم والتابعین وثم جعل فی من عمر بن عبدالعزیز ستۃ و ثلاثین بغیر الشفع والوتر لکن الذی علیہ جر العمل سلفا و خلفا ھو الاوّل انتھی"
امام ترمذی نے امام احمد کے قول کو بطریق تردد ذکر کیا ہے لیکن مغنی ج:۱، ص: ۸۰۳ پر تصریح ہے کہ وہ بھی اسی کے قائل تھے۔
مذہب ثانی: تراویح کی تعداد چھتیس ہے، "وبہ قال مالک فی قول لہ کما قدمنا من الدسوقی" امام مالک فرماتے ہیں کہ اہل مکہ ترادیحہ میں بعض تو طواف کرتے تھے اور بعض اس کی بجائے چار نوافل پڑھ لیتے تھے اور ترویح چار ہیں تو اسی طرح چار ترویحوں کی رکعات سولہ ہوئیں اور مجموعہ چھتیس ہوا یہ تو وتر کے بغیر اور بعض لوگ وتر کی ایک رکعت سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے تو وتر سمیت اکتالیس رکعت ہوئیں اور یہی ایک قول ہے امام مالک کا، اس بیان سے معلوم ہوا کہ امام مالک بھی اصل میں بیس رکعت کے قائل تھے اور باقی سولہ رکعات تابع لاربع تراویح ہیں۔ "اخذا من عملا من اھل مکہ" بہرحال حاصل کلام یہ ہے کہ آئمہ اربعہ اور جمہور اُمت میں سے کوئی بھی اقل من عشرین کا قائل نہ تھا اور نہ ہے۔
مذہب ثالث: "خلافا لظاھریۃ بلادنا" یعنی غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ آٹھ رکعت ہیں۔
دلائل جمہور دلیل اوّل: بیہقی، ج:۲، صفحہ ۴۹۶، مؤطا، ج:۱، ص ۴۰ پر ہے "عن السائب ابن یزید انھم کانوا یقومون علی عھد عمر رضی اللہ عنہ فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ و کانوا یقروؤن بالمئین و کانوا . . . علی . . . بالشدۃ القیام" مؤطا کا راوی یزید بن ...... اور یہ ثقہ ہے "وقال احمد و ابو حاتم و نسائی ثقہ وقال ابن معین ثقہ حجۃ وقال ابن سعد فی الطبقات کان عابدا فاسقا کثیر الحدیث و ذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال ابن حجر ھو ثقہ مامون" دوسرا راوی سائب ابن یزید جو اس سے مقدم ہے یہ صغائر صحابہ میں سے ہیں۔ تہذیب التھذیب، ج:۳، صفحہ ۱۵۰ پر ہے "لہ ولا بی صحبۃ سیوطی تدریب ص: ۲۳۶" پر لکھتے ہیں "انّ النّاس قبلوا روایۃ احداث الصحابہ کا الحسن والحسین و عبداللہ بن زبیر و عبداللہ بن عباس و نعمان و سائب بن یزید، مسور بن مخرمہ انتھی تدریب

ص: ۲۳۶" بخاری کے طریقہ ص ۳۱۳ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سائب ابن یزید کی روایت کو حجت سمجھتے ہیں اور فی حکم مرفوع سمجھتے ہیں۔ بیہقی اپنی سنن، جلد: ۲،ص: ۴۹۶ پر اس حدیث کو ذکر کر کے لکھتے ہیں اسنادہ صحیح ونووی شرح مہذب، ج: ۲، ص: ۳۲ پر لکھتے ہیں اسنادہ صحیح تعلیق الحسن، ج: ۲،ص: ۵۴۔

مخالفین کے اعتراضات

اعتراض اوّل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعات تراویح پڑھنا ثابت ہے لیکن خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ان میں شرکت ثابت نہیں ہے اور نہ یہ ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے تھا؟

جواب: یہ عجیب ہے کیونکہ یہ واقعہ مدینہ منورہ ہے اور اس میں اس قسم کے امور بغیر اجازت وامر عمر رضی اللہ عنہ نہیں کیے جاسکتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ امر رجلا ان یصلی بهم عشرین رکعة" نیز کنز العمال میں ہے "عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان عمر امرہ یصلی باللیل فی رمضان الی ان قال فصلی بهم عشرین رکعة" ابن تیمیہ نے بھی امر عمر رضی اللہ عنہ کی تصریح کی ہے۔ فتاویٰ الکبریٰ، ج: ۲،ص: ۴۰۱ پر لکھتے ہیں "فلما جمع عمر رضی اللہ عنہ علی ابی بن کعب کان یصلی بهم عشرین رکعة انتهی مدونہ کبریٰ، ج: ۱، ص: ۱۹۴" پر ہے۔ "ان عمر وعثمان کانا یقومان فی رمضان مع النّاس انتهی"

اعتراض ثانی: مؤطا میں ہے "ان عمر امر تمیم الداری ان یقوم بالنّاس احدیٰ عشرة رکعة" (مؤطا ص: ۴۰)

جواب اوّل: زرقانی شرح مؤطا ج: ۱ ص: ۲۱۵ پر لکھتے ہیں۔ ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہوئے "قال ابن عبدالبر الاغلب عندی ان قولہ احدیٰ عشرة وهم من الراوی والصحیح احدیٰ وعشرین۔ ابن حجر فتح الباری" میں بھی یہی لکھتے ہیں بلکہ مصنف عبدالرزاق کی روایت سے واضح طور پر ابن عبدالبر کی تائید ہوتی ہے۔ "وفی ان عمر رضی اللہ عنہ مع النّاس فی رمضان علی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ و تمیم الداری علی احدیٰ و عشرین رکعة یقومون ... وینصرفون فی بضوع الفجر"

جواب ثانی: بیہقی ج: ۲، ص: ۴۹۶ پر یہی دو روایتیں ذکر کر کے یوں تطبیق دیتے ہیں کہ ممکن ہے اوّلاً عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ و بعد اکیس کا امر فرمایا ہو۔ بیہقی کے الفاظ یہ ہیں "ویمکن الجمع بین الروایتین بانهم کانوا یقومون باحدی عشرة رکعة اوّلاً ثم یقومون کانوا بعشرین ویوترون بثلاث انتهی" علامہ ابوالولید نے منطقہ شرح مؤطا ج: ۱، ص ۲۰۸ پر اسی جواب کو مختار کیا ہے۔ (آثار السنن لعلامۃ نیموی، ج: ۲، ص: ۵۲، زرقانی، ج: ۱، ص: ۲۱۵، فتاویٰ ابن تیمیہ، ج: ۲، ص: ۴۰۱، شرح مہذب، ج: ۲، ص: ۳۲)

دلیل ثانی: مؤطا صفحہ ۴۰ پر ہے "عن یزید بن رومان قال کان النّاس یقومون فی من عمر فی رمضان بعشرین رکعة"

اعتراض: یزید بن رومان کا سماع عن عمر رضی اللہ عنہ ثابت نہیں ہے یہ حدیث منقطع ہے لہٰذا حجت نہیں ہے۔

جواب: علماء نے لکھا ہے کہ مؤطا میں جتنے مراسیل و منقطع و مفصل حدیثیں ہیں یہ حقیقتاً مسند میں یعنی مروی بالاسانید ہیں اگر چہ ظاہری طور پر کسی وجہ سے امام مالک نے انہیں مسند و متصل ذکر نہ کیا ہو اور حافظ سیوطی تدریب ص: ۲۳۰ پر لکھتے ہیں ”صنف ابن عبدالبر کتابا فی وصل ما مؤطا عن المرسل و المنقطع و المفصل قال جمیع ما فی المؤطا من قوله بلغنی و قوله عن الثقة کلها مسندة من غیر طریق مالک الا اربع“ بہرحال مؤطا ساری احادیث مسند و حجت میں شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ ص: ۱۳۳، ”قال الشافعی اصح الکتب بعد کتاب اللہ المؤطا و طبقه“

دلیل ثالث: مصنف ابن ابی بکر ابن شیبہ میں ہے ”عن ابی سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلا ان یصلی بهم عشرین رکعة آثار السنن، ص: ۹۴“

اعتراض: یہاں پر یحییٰ بن سعید عن عمر کی روایت ہے جو کہ منقطع ہے۔

جواب: نووی شرح مسلم ج: ۱، ص: ۱۵ پر لکھتے ہیں ”السیوطی تدریب“ میں ”اذا اعتضد المرسل بروایات فهو حجة عند من لا یحتج به“

دلیل رابع: مصنف ابن شیبہ عن عبدالعزیز بن رویفع کی روایت ہے ”قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان فی المدینه عشرین رکعة و یوتر بثلاث آثار السنن ص: ۵۳، جلد: ۲، و اسناده مرسل قوی وقدر الاعتراض مع الجواب“

دلیل خامس: نیل الاوطار ج: ۳، ص: ۵۷ ”عن عطاء بن رباح قال ادرکت الناس فی رمضان یصلون عشرون رکعة و ثلاث رکعات“

مذہب ثالث: اہل ظواہر اور آج کے زمانے میں غیر مقلدین کہتے ہیں تراویح آٹھ رکعت ہیں۔

دلیل اوّل: حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت ہی ہوتی تھیں، یہ کہتے ہیں آٹھ رکعت اور تین وتر کی رکعت ہوتیں؟

جواب (۱): یہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقصود نماز تہجد کو بتلانا ہے اور اس پر قرینہ فی غیرہ کے الفاظ ہیں۔ غیر مقلد کہتے ہیں کہ نماز تراویح اور تہجد ایک ہی چیز ہے۔

جواب (۲): یہ جہالت پر مبنی ہے بلکہ دونوں مستقل نمازیں ہیں، تہجد کی نماز کی مشروعیت مکی ہے اور تراویح کی مشروعیت مدنی ہے اور تہجد کی مشروعیت کتاب اللہ سے ہے اور تراویح کی مشروعیت عمل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے اور تہجد اخیر حصہ میں اور تراویح رات کے ابتدائی حصہ میں پڑھی جاتی ہے اور تہجد پورے سال پڑھی جاتی ہے اور تراویح صرف رمضان میں ہوتی ہے اور تہجد میں پورا قرآن ختم کرنا مسنون نہیں اور تراویح میں پورا قرآن ختم کرنا مسنون ہے اور تہجد کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب تھی تراویح کے بارے میں نہیں اور نماز تہجد انفرادی پڑھی جاتی ہے اور تراویح

جماعت سے پڑھی جاتی ہے۔لہٰذا یہ کہنا کہ تہجد اور نماز تراویح دونوں ایک، یہ قول جہالت پر مبنی ہے۔

سوال: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو باب قیام شہر رمضان میں بھی ذکر کیا، اس سے شبہ ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی چیزیں ہیں یعنی تراویح اور نماز تہجد؟

جواب: بخاری میں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بدعت کہنا لغوی معنی کی وجہ سے ہے ورنہ شرعی بدعت نہیں کہ نماز تراویح باجماعت پر مداومت کرنا نئی چیز ہے کیونکہ نماز تراویح باجماعت فی الجملہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔

دلیل ثانی: حدیث سائب بن یزید مشکوٰۃ میں مؤطا امام مالک کے حوالے سے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا، آٹھ تراویح اور تین وتروں کی۔

جواب (۱): حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اس میں "احدیٰ عشر رکعة" راوی کا فہم ہے۔

جواب (۲): حدیث سائب بن یزید جو ہماری دلیل ہے مثبت للزیادۃ ہے اور غیر مقلدین کی یہ حدیث سالم عن المعارض نہیں۔

جواب (۳): ابتداءً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مختلف مقدار پڑھائی گئی، بعد میں استقرار بیس پر ہوا۔

جواب (۴): یہ حدیث سائب بن یزید جو مؤطا امام مالک میں یہ تعداد رکعت میں مضطرب ہے بعض میں گیارہ اور اکیس اور تیرہ اور آٹھ کا ذکر ہے اس کا وزنی قرینہ یہ ہے کہ امام مالک نے اپنی کتاب میں ذکر کیا لیکن اپنا عمل اس کے خلاف ہے۔نیز درایت کا مقتضی بھی یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہونی چاہیے اس لیے کہ سنن مکملات فرائض ہیں اور سترہ رکعت فرض قطعیہ ہیں اور تین رکعت وتر فرائض عملیہ ہیں۔لہٰذا ہر رکعت کے بدلے میں ایک رکعت ہونی چاہیے۔

نیز احتیاط کا مقتضی بھی یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہونی چاہیے۔جمہور کا قول تو بیس کا ہے لیکن جمہور کے مخالف علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں نقل کیا ہے کہ آٹھ رکعت سنت مؤکدہ ہونے کی حیثیت سے ہے اور بارہ رکعت سنت غیر مؤکدہ ہونے کی وجہ سے لیکن یہ ان کا تفرد ہے جمہور کے خلاف حجت نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا کسی کو روزہ افطار کرانے کی فضیلت

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا.

ترجمہ حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کھلائے کسی کا روزہ ہوگا اس کو ثواب روزہ دار کے برابر بغیر اس کے گھٹے ثواب، اس روزہ رکھنے والے کا کچھ یعنی دونوں کو ثواب ملے گا۔

تشریح اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے روزہ دار کو افطار کرانے اور اس کے ثواب کا ذکر کیا ہے۔روزہ افطار کروانے والے کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا روزہ رکھنے والے کو ملتا ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ روزہ رکھنے والے کے اجر کو کم کر کے اس کو دیا جائے گا۔

بَابُ التَّرْغِيبِ فِي قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ وَمَا جَآءَ فِيهِ مِنَ الْفَضْلِ

رمضان میں نمازِ شب کے متعلق ترغیب اور اس کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَغِّبُ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْمُرَهُمْ بِعَزِيمَةٍ وَيَقُولُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ، ثُمَّ كَانَ الأَمْرُ كَذَلِكَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ، وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَلَى ذَلِكَ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رغبت دلاتے تھے رمضان میں رات کو نماز پڑھنے کی بغیر اس کے کہ حکم کریں اس کا فرض واجب ٹھہرا کر اور فرماتے تھے جو رات کو نماز پڑھے رمضان میں ایمان کی دُرستی کو اور ثواب ملنے کے لیے بخشے جائیں گے اس کے اگلے گناہ۔ پھر وفات پائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور طریقہ ایسا تھا یعنی جو چاہتا تھا جتنی دیر تک پڑھ لیتا پھر ایسا ہی رہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے شروع میں۔

تشریح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت ۱۴ ہجری میں تراویح پر مداومت ہوئی۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں مداومت کیوں نہ کی؟ جواب: فرضیت کے خوف کی وجہ سے۔

سوال: جب پانچ نمازیں فرض ہوگئیں تو فرمایا "لا یبدل القول لدیّ"

جواب: یہ قول کمی کے اعتبار سے ہے زیادتی کے اعتبار سے نہیں۔

سوال: یہ شبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تو نہ ہوتا تھا، پھر اس پر مداومت کیوں نہ ہوئی؟

جواب: ان کی خلافت میں امورِ عظیمہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس پر مداومت کرنے کی فرصت نہ ملی۔ باقی وہ امورِ عظیمہ کون سے ہیں۔ مثلاً منکرین زکوٰۃ خلاف اور منکرین ختم نبوت کے خلاف معرکہ آرائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ ابتدائی میں بھی یہی حالت تھی لیکن جب فرصت ہوئی تو اس پر مداومت ہوئی۔

مسئلہ اختلافی: نماز تراویح مسجد میں با جماعت افضل ہے یا گھر میں۔ جمہور کے نزدیک مساجد میں با جماعت افضل ہے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لیالی قلیلہ میں مسجد میں با جماعت پڑھی۔ نیز یہ زمانہ تکاسل کا ہے ممکن ہے گھر میں پڑھ ہی نہ سکے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اگر حافظ ہے تو تنہا پڑھنا افضل ہے اور اگر حافظ نہیں ہے پھر با جماعت افضل ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اسی مسئلہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ متقدمین کے نزدیک اکیلے اور متاخرین کے نزدیک با جماعت افضل ہے۔

أَبْوَابُ الحَجِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ روزوں کے ابواب کا اختتام اور ابواب حج کی ابتداء ہے

تشریح حج کو مؤخر کیا اس لیے کہ باقی سب عبادتیں نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ بسیط ہیں اور حج مرکب ہے اور مفرد مرکب سے طبعاً مقدم ہوتا ہے۔ لہٰذا بہت مناسب ہے کہ ذکر میں بھی مؤخر کیا جائے۔ اِس پر تو اجماع ہے کہ یہ بھی اسلام کا رُکن ہے اور اس کا منکر کافر۔

مسئلہ اولیٰ، پہلی بات: حج کی لغوی وشرعی تعریف "حج بفتح حاء و کسر حاء" کا معنی ہے "لغتا القصد الی شیء معظم کذا قاله ابن سکیت کما فی فتح القدیر وقال السید فی التعریفات وقال الزیلعی هو مطلق القصد سواء کان الی معظم او الی غیر معظم لا طلاق کتب اللغة"

"واما شرعًا قصد زیارة مکان مخصوص فی زمان مخصوص بفعل مخصوص وقیل هو شرعا قصد البیت لا داء رکن من ارکان الدین" لیکن یہ دوسری تعریف درست نہیں ہے کیونکہ یہ حج نفل کو شامل نہیں ہے اس لیے کہ وہ رُکن نہیں ہے اور سبب حج بیت اللہ ہے "ولذا لایجب فی العمر الامرة واحدة لعدم تکرر السبب بخلاف" (الصلٰوة فانه وجوب بها تیکرو تسکرر السبب بها وهو الوقت)

دوسری بات: فرائض حج تین ہیں،

(۱): الاحرام اور یہ درحقیقت شرط ابتداء ہے مثل تکبیر تحریمہ لیکن اسے حکم رکن ہے انتہا۔ (۲): وقوف عرفہ، (۳): طواف زیارت درمختار، ج: ۲، ص: ۱۶۰ اور واجبات حج بائیس ہیں عند البعض اور لغات میں پینتیس ذکر ہیں۔

(۱) وقوف مزدلفہ (۲) سعی (۳) رمی جمار (۴) طواف صدر یعنی وداع لل آفاقی (۵) حلق یا تقصیر (۶) احرام من المیقات (۷) تطویل وقوف عرفہ الی غروب الشمس (۸) ابتداء طواف من حجر الاسود (۹) تیامن (۱۰) طہارت لطواف۔

(۱۱) ابتداء سعی من الصفا (۱۲) فعل طواف زیارہ فی ایام النحر، درمختار وشامی، ج: ۲، ص: ۱۶۱

تیسری بات: اس کی فرضیت کب ہوئی تو اس بارے میں تین قول ہیں، قول (۱) سنہ ۵ ہجری میں، قول (۲): سنہ ۶ ہجری میں، قول (۳): سنہ ۹ ہجری میں۔ جو حضرات پانچ کے قائل ہیں ان کی دلیل حدیث ضمام بن ثعلبہ کیونکہ اس میں حج کا ذکر ہے اور ان کی آمد سنہ ۵ ہجری میں ہوئی اور جو حضرات سنہ ۶ ہجری کے قائل ہیں ان کی دلیل آیت کریمہ "اَتِمُّوا الحجّ" اس کا نزول سنہ ۶ ہجری میں ہوا اور جو حضرات سنہ ۹ ہجری کے قائل ہیں، ان کی دلیل: "وللہ علی النّاس، حج البیت من استطاع الیه سبیلا" اس کا نزول عام الوفود میں ہوا اور عام الوفود سنہ ۹ ہجری میں ہوا۔ قاضی عیاض اور ابن القیم اور علامہ قرطبی کے نزدیک یہی راجح ہے۔

حدیث ضمام بن ثعلبہ کا جواب: کہ قول محقق کے مطابق ان کی آمد یعنی ضمام بن ثعلبہ کی ۹ ہجری میں ہوئی۔

قول ثانی کا جواب: اس آیت میں ابتداءِ حج کی فرضیت کا بیان نہیں بلکہ اس بات کا بیان ہے کہ اگر کسی نے

احرام باندھ لیا تو اتمام لازم ہے۔

چوتھی بات، مسئلہ اختلافی: حج کا وجوب علی الفور ہے یا علی التراخی ہے؟

قول اوّل: امام صاحب کی راجح روایت اور امام مالک، امام احمد قاضی صاحب کا قول یہ ہے کہ وجوب علی الفور ہے۔

قول ثانی: امام محمد و شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وجوب علی التراخی ہے۔

سوال: ثمرہ اختلاف کیا ہے حالانکہ جب بھی ادا کرے اداء ہوگی۔

جواب: جو وجوب علی الفور کے قائل ہیں ان کے نزدیک بلا عذر متوخر کرنے والا فاسق مردود الشهادة ہو جائے گا اور جو وجوب علی التراخی کے قائل ہیں، ان کے نزدیک فاسق مردود الشهادة نہ ہوگا اور جو حضرات سنہ ۵ ہجری یا ۹ ہجری کے قائلین ہیں۔ان پر سوال ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کی ادائیگی میں تاخیر کیوں کی جبکہ سنہ ۵ ہجری، ۶ ہجری میں فرض ہوا۔

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی سے علم ہو گیا ہو کہ حج کی ادائیگی تک آپ بقید حیات رہیں گے۔

چوتھی بات: اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے حج کیے ہیں تو ترمذی میں ”عن جابر ان النبی حج ثلاث حج حجتین قبل الهجرة وحجة بعد الهجرة وعن ابن عباس حج رسول اللہ قبل ان یهاجر ثلاث حج اخرجه ابن ماجه والحاکم فقال ابن الجوزی حجاً لا یعلم عدده“ ابن اثیر لکھتے ہیں ”کان علیه السلام یحج کل سنة قبل ان یهاجر وحجه حافظ ابن حجر“ (فتح الملهم، ص:۲۰۲، نیل، ج:۳، ص:۲۹۵)

پانچویں بات، اسرار حج متعدد ہیں:

سر اوّل: اس سے مقصود تعظیم بیت اللہ ہے جو اکبر شعائر اللہ سے ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم واجب ہے۔

سر ثانی: مہبط وحی ومہبط نزول قرآن وارض اللہ کی زیارت کرنی ہے تاکہ اس وجہ حالت ایمانی میں اضافہ ہو۔مواضع کے دیکھنے سے یقیناً صاحب ایمان کامل پر اسلام کی اوّلین حالت وتاریخ کو یاد کر کے گریہ وخضوع طاری ہوتا ہے۔

سر ثالث: اظہار محبت ہے کیونکہ کامل عاشق کے عشق کا تقاضا یہ ہے کہ وہ محبوب کے در و دیوار کی زیارت کرے اور وہاں چکر لگائے تو اس سے عشق میں مزید تیزی پیدا ہوتی ہے۔

امر علی الدیار دیار لیلی	واقبل ذالجدار و ذالجدار

سر رابع: اظہار قوت الاسلام ہے ”لاجتماع مسلمین الدنیا فی السنة مرة“ اس لیے مسلمان حج سے کفار کے مقابلے میں سیاسی فائدہ بھی اُٹھا سکتے ہیں کیونکہ دُنیا میں کہیں بھی کسی قوم ملت کا اتنا عظیم اجتماع نہیں ہوتا اور اجتماع میں یقیناً قوت حاصل ہوتی ہے جس سے دشمن مرعوب ہوگا۔

سر خامس: یہ تو نفس اجتماع کا فائدہ تھا بلکہ یہ تو نفس اجتماع کا فائدہ تھا بلکہ اس سے بیٹھ کر باقاعدہ مسلمان آپس میں مشورہ

بھی کر سکتے ہیں خواہ مشورہ سیاسی ہو، جنگی ہو، تجارتی ہو اور مل بیٹھنے سے اور آپس میں مشورہ کرنے سے بہت بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں اس لیے مشورہ کا امر قرآن مجید ہے "وشاورھم فی الامر"

سر سادس: اس سے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور ایک دوسرے کی تکلیفوں پر اطلاع ہوتی ہے۔ پھر اس کے ازالے کی اجتماعی کوشش ہو سکتی ہے، کسی کے دُکھ درد پر اطلاع باعث علی الازالہ ہے اور باعث علی الاحسان ہے۔ "کما فی حدیث تحیة المسجد حیث قال رسول اللہ لمسکین دخل وقت الخطبه قم فصلی رکعتین وفی الحدیث انه علیه السلام قال هذا دخل الهیئة فامرته بالصلوٰة ویتفطن له رجل یتصدق علیه"

سر سابع: مقصود زیارت اللہ ہے بزیارت بیت اللہ کیوں کہ مالک اور مولیٰ کی زیارت وملاقات ہر غلام وبندے پر لازم ہے اور یہ بندے کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے کہ اسے مالک کے گھر کی زیارت کا شرف حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ دُنیاوی بادشاہوں اور رعایا کے احوال سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حاجی اولاً طواف بیت اللہ کرتا ہے اور طواف کی ابتداء استلام حجر اسود سے ہے اور یہ استلام بمنزلہ مصافحہ مع اللہ ہے۔ حدیث ہے "حجر اسود یمین اللہ فی الارض" ہے۔ "فمن جاء یستلمه فکانی یصافح اللہ"

سر ثامن: حصول برکات دُعا ہے مقامات مبارکہ ومعظمہ میں "الدعاء مخ العبادة" اور بلاریب مقامات حرمین میں جو دُعا کی قبولیت ہو سکتی ہے اور جو برکات حاصل ہو سکتی ہیں وہ کسی اور مقام میں نہیں ہو سکتیں۔

سر تاسع: مسلمانوں میں محبت وحدت نہایت ضروری ہے اور اس کے حصول کی احادیث میں بڑی تاکید کی گئی ہے اور حج بیت اللہ سے مختلف ملکوں کے مسلمانوں کے مابین چھوٹوں اور بڑوں کے ابیض واسود کے حسین وبدشکل کے مابین محبت کا قوی رشتہ پیدا ہوتا ہے جس سے بڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ اجتماع موجب محبت ہے۔

سر عاشر: اس سے ایک دوسری قوموں کے اخلاق پر اطلاع حاصل ہوتی ہے اور متنوع الاخلاق اور مختلف الاشکال والالوان اور متباین صورتوں کو دیکھ کر انسان کے علم میں بہت بڑا اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان ایسی خصلتوں کو دیکھ کر اپنائے گا اور بعض کی بری خصلتوں کو دیکھ کر بچنے کی کوشش کرے گا۔ دوسروں کی اچھی یا بری خصلتوں کے دیکھنے سے انسان اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔ لقمان حکیم سے پوچھا گیا کہ یہ اخلاق حمیدہ کہاں سے حاصل کیے؟ فرمایا بداخلاقوں سے کیونکہ ان کی ہر بری خصلت کو دیکھ کر میں اس سے بچنے کی کوشش کرتا تھا۔

سر احدی عشر: انسان کو اللہ تعالیٰ نے مختلف اللون والقلوب ومختلف احوال والا پیدا کیا ہے تو اجتماع حج سے قدرت اللہ کا پوری طرح مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اور وہ دیکھ لیتا ہے کہ اللہ کی قدرت کتنی وسیع ہے اور کتنی زیادہ ہے کسی کو حسین بنایا، کسی کو قبیح بنایا ہے اور کسی کو قوی اور کسی کو ضعیف، کوئی طویل القامت ہے کوئی قصیر القامت تو یہ سب قدرت اللہ کے کرشمے ہیں جن کا مشاہدہ ومظاہرہ فقط حج میں ہو سکتا ہے اور اس طرح قدرت اللہ کا علم الیقین ترقی کر کے عین الیقین کی حد کو پہنچ جاتا ہے۔

سر اثنا عشر: پھر اسی طرح مختلف مظاہر قدرت دیکھ کر صبر و شکر کا پورا موقع ملتا ہے اور صبر و شکر منازل معرفت میں سے دو مفید درجے ہیں کیونکہ ایک حسین شخص جب حبشی کو دیکھتا ہے اور طاقتور کمزور کو تو اسے شکر کا موقع ملتا ہے اور ادنیٰ اعلیٰ کو دیکھ کر اسے صبر کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔

سر ثالث عشر: پھر اسی طرح تکبر و تعلّی کا بھی علاج ہو جاتا ہے جب کہ وہ اس اجتماع میں اپنے سے زیادہ حسین یا اپنے سے زیادہ طاقتور یا اپنے سے زیادہ قوی الجثہ لوگوں کو قریب سے دیکھ لے تو اس سے غرور و تکبر کا علاج ہو جاتا ہے اور خشوع و خضوع طاری ہو جاتے ہیں۔

سر رابع عشر: اسی طرح مختلف الاقوام و مختلف الانواع مختلف الالوان کے ساتھ مدت طویلہ رہ کر دلوں سے نفرت دور ہو جاتی ہے اور یہ عظیم فائدہ ہے۔ مثلاً لوگ بدرنگ و سیاہ سے نفرت کرتے ہیں جب ایک ساتھ رہیں تو نفرت کا تصور ختم ہو جاتا ہے اور محبت ہو جاتی ہے۔

سر خامس عشر: شعائر اللہ سے استفادہ حاصل کرنا ہے اور زیارت کرنی ہے اور اس کے ساتھ ثواب کثیر حاصل کرنا ہے اور جو شعائر اللہ اور ثواب کہیں اور حاصل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً زم زم، حجر اسود، مقام ابراہیم علیہ السلام، مقام رُکن یمانی، بیت اللہ، صفا و مروہ وغیرہ۔ حدیث ہے کہ مسجد نبوی میں پچاس ہزار نمازوں کا اور مسجد الحرام میں ایک نمازوں کا ثواب ملتا ہے تو یہ کسی کو دوسری جگہ حاصل نہیں ہو سکتے۔

سر سادس عشر: گناہ کی بخشش کرانی ہے اور اپنے آپ کو مغفور بنانا ہے تو حج کے علاوہ کسی اور عبادت میں مغفرت کی وہ حدیثیں نہیں آئیں جو حج میں آئیں۔ فرمایا حاجی حج کے بعد گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے ابھی ماں نے جنا ہو۔

سر سابع عشر: اتباع سنت ابراہیم علیہ السلام ہے، ای موافقت ماثورات عن ابراہیم علیہ السلام، اس میں اتباع سنن انبیاء بھی ہے کیونکہ کل انبیاء علیہم السلام حج کرتے رہے ہیں۔

سر ثامن عشر: اظہار غربت ہے فی سبیل اللہ و لرضاء اللہ و لطلب اللہ تاکہ وہ اس حدیث کا مصداق بن جائے طوبیٰ للغرباء۔

سر تاسع عشر: توقف ہے اور توفیض الی اللہ میں اتباع امر نبی علیہ السلام ہے اور تعمیل حکم اللہ ہے کیونکہ احادیث و قرآن میں حج کا حکم دیا گیا ہے۔ بس ہم اس کی تعمیل کر رہے ہیں اور حکم کیوں دیا گیا اس میں کیا اسرار ہیں یہ ہمارے ذمے نہیں ہے نہ اس کی ضرورت ہے۔

سر عشرون: تکمیل عشق اللہ و تکمیل محبت اللہ ہے، ابتداء عشق رمضان سے ہوتی اور حج سے اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس لیے رمضان کے فوراً بعد ایام حج شروع ہو جاتے ہیں۔ تفصیل یہ ہے کہ عبادات دو قسم پر ہیں اوّل جلالی جو مظہر عظمت اللہ و جلال اللہ ہیں اور ان میں سے بڑی عبادتیں نماز و زکوٰۃ ہیں اور دوم عبادات جمالیہ ہیں اور ان میں دو بڑی عبادتیں صوم و حج ہیں۔ صوم حج کا مبدأ ہے یعنی عشق کا مبداء اور حج اس کی تکمیل ہے۔ عاشق کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے معشوق کے علاوہ کی محبت دل سے نکال دے، تین چیزیں زیادہ محبوب ہوتی ہیں اکل و شرب و نساء۔ تو جب عاشق نے ان کو چھوڑ دیا تو اس میں محبوب سے ملنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی تو

رمضان کے فوراً بعد حج کی تیاری شروع ہوگئی اور حج سے عشق کی تکمیل ہوگی لیکن کبھی انسان کی نظر اپنے مکان پر کبھی اپنے رشتہ داروں پر کبھی اپنے محلہ وشہر پر نظر جاتی ہے اور عاشق کے لیے ضروری ہے کہ معشوق کے علاوہ سب کو چھوڑ دے۔ چنانچہ حاجی سب کو چھوڑ کر چل پڑتا ہے اور آگے چل کر کپڑے بھی اُتار دیتا ہے تاکہ کپڑوں کی طرف بھی نظر نہ جائے بلکہ محبوب ہی ہر وقت سامنے رہے، زبان پر اس کا ذکر اور دل میں تڑپ ہو۔ جب محبوب کو دیکھتا ہے اور گھر کو دیکھ کر والہانہ محبوب کے گھر کے چکر لگانا شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اے میرے محبوب تو کس طرف ہے کبھی اس طرف اور کبھی دوسری طرف کبھی صفا پھر کبھی مروہ پر محبوب کو تلاش کرتا ہے پھر حکم ہوتا ہے کہ مکہ بھی شہر ہے اس لیے اس کو چھوڑ کر بھی جنگل و میدان میں نکل جاؤ تو راستہ میں شیطان روڑے اٹکاتا ہے تو اس کو رمی کرتا ہے اور کبھی منٰی میں کبھی عرفات میں کبھی مزدلفہ میں، یہاں بھی اس کو تسکین نہیں ہوتی تو منٰی میں جانور قربان کرتا ہے کہ اے اللہ! میرے پاس جان باقی تھی وہ بھی قربان کردی، تو آپ کی رحمت تھی وگرنہ میں اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُرْمَةِ مَكَّةَ مکے کے حرم ہونے کے متعلق

عَنْ أَبِي شُرَيْحِ العَدَوِيِّ أَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ وَهُوَ يَبْعَثُ البُعُوثَ إِلَى مَكَّةَ ائْذَنْ لِي أَيُّهَا الأَمِيرُ أُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الغَدَ مِنْ يَوْمِ الفَتْحِ سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ أَنَّهُ حَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللهُ، وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ وَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَاليَوْمِ الآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ فِيهَا دَمًا أَوْ يَعْضِدَ بِهَا شَجَرَةً، فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا فَقُولُوا لَهُ إِنَّ اللهَ أَذِنَ لِرَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكَ وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيهِ سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ وَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا اليَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالأَمْسِ وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ، فَقِيلَ لِأَبِي شُرَيْحٍ مَا قَالَ لَكَ عَمْرٌو قَالَ أَنَا أَعْلَمُ مِنْكَ بِذَلِكَ يَا أَبَا شُرَيْحٍ، إِنَّ الحَرَمَ لَا يُعِيذُ عَاصِيًا، وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ.

ترجمہ حضرت ابی شریح عدوی سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے عمرو بن سعید کو جب وہ بھیجتا تھا لشکر مکے کو یعنی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتال کو اجازت دے مجھ کو اے امیر کہ بیان کروں میں تجھ سے ایک حدیث کہ کھڑے کھڑے فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کی صبح کو کہ سنا میرے کانوں نے اور یاد رکھا اس کو میرے دل نے اور دیکھا ان کو میری آنکھوں نے جب فرمائی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حدیث پہلے حمد کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی اور تعریف کی اس کی پھر فرمایا کہ مکے کو حرمت کی جگہ اللہ تعالیٰ نے ٹھہرایا ہے آدمیوں نے نہیں سو جائز نہیں کسی آدمی کو کہ ایمان رکھتا ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر کہ مکے میں خون بہائے یعنی قتل ناحق

کرے یا وہاں کا درخت کاٹے اور اگر خون کرنے کو کوئی درست جانے اس دلیل سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو لڑے ہیں مکے میں تو اس سے کہو بے شک اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا تھا لڑائی کا اور تجھ کو حکم نہیں دیا اور مجھ کو دن کی فقط ایک گھڑی بھر اجازت ہوئی پھر اس کی حرمت لوٹ آئی جیسی کل تھی اور چاہیے کہ حاضر لوگ غائبوں کو یہ حکم سنا دیں سو پوچھا ابی شریح سے لوگوں نے کہ کیا جواب دیا تم کو عمرو بن سعید نے کہا جواب دیا کہ میں تم سے بہتر جانتا ہوں اس حدیث کو اے ابا شریح! حرم مکہ نافرمان کو پناہ نہیں دیتا یعنی باغی کو اور نہ اس کو جو خون کر کے بھاگا ہو یا چوری کر کے۔

تشریح امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابواب الحج کے بعد حرمت مکہ اور عظمت مکہ کا بیان کیا۔ اس بات کو بتلانے کے لیے کہ مکہ کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی زیارت کی جائے۔ عام ازیں حج وعمرہ کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔

باقی زیر بحث باب کی روایت میں ابو شریح عدوی اور عمرو بن سعید رضی اللہ عنہما کے درمیان ایک مکالمہ کا ذکر ہے۔ عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں یزید کا گورنر تھا اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہو چکی تھی۔ انہوں نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ یزید نے ان کے مقابلہ کے لیے لشکر روانہ کیا اور مدینہ کے گورنر عمرو ابن سعید رضی اللہ عنہ کو بھی خط لکھا کہ وہ مدینہ سے فوج تیار کر کے مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے بھیجے۔ جب عمرو ابن سعید رضی اللہ عنہ فوج تیار کر رہا تھا اس وقت ابو شریح عدوی اور عمرو ابن سعید رضی اللہ عنہما کے درمیان ایک مکالمہ ہوا جو زیر بحث باب کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے۔

عمرو بن سعید کے کلمات، "کلمہ حق ارید بہ الباطل" عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ نے اس سے مراد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ لیا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں کیونکہ ابن زبیر تو عاصی نہ تھے۔

مسئلہ (۱): اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ میں جنایت کا ارتکاب کرے تو بالاجماع اس سے قصاص لیا جائے گا، اگر موجب حد کا ارتکاب کرے تو حد بھی لگائی جائے گی۔

مسئلہ (۲): اگر کوئی شخص حرم سے باہر مادون النفس جنایت کا ارتکاب کرے یعنی کسی کا عضو وغیرہ کاٹ دیا پھر حرم میں پناہ لے لی تو پھر بھی اجماع ہے کہ اس سے قصاص لیا جائے گا۔

مسئلہ (۳): جرم دو قسم پر ہے اوّل وہ جس کا ارتکاب حرم شریف میں کیا گیا ہو اس کی سزا حرم کے اندر دی جا سکتی ہے باتفاق حافظ عینی لکھتے ہیں "حکی القرطبی الاجماع فیما من جلا فی الحرام ان یقاد منہ انتھی"

دوسری قسم وہ جرم ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو حرم سے باہر قتل کر کے پھر حرم میں داخل ہو جائے تو آیا پھر اس سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ واحمد کے نزدیک اگر یہ مجرم حرم میں پکڑا گیا تو اس کو سزا نہیں دی جا سکتی اور نہ اسے گرفتار کرنا جائز ہے بلکہ جب وہ حرم سے باہر نکلے تو گرفتار کیا جائے گا اور اہل حرم پر لازم ہے کہ اس پر حرم کو تنگ کر دیں، یعنی اسے پناہ نہ دیں تاکہ وہ حرم سے نکل جائے اور امام مالک وشافعی کے نزدیک حرم میں اس پر حدود جاری ہو سکتی ہیں اور حرم

میں اسے سزا بھی دی جاسکتی ہے۔یہی مختار قول ابن حزم ہے۔
احناف کی دلیل: "ومن دخله كان اٰمنا" اگر کوئی شخص حرم سے باہر قتل کر کے حرم میں داخل ہو جائے تو پھر وہ بھی "اٰمنا" میں داخل ہے۔
دلیل امام شافعی: "ان الحرم لایعیذ عاصیا"
جواب: یہ حاکم کا قول ہے اور حاکم بھی ظالم ہے، لہٰذا یہ معتبر نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ الحَجِّ وَ العُمْرَةِ حج وعمرہ کے ثواب میں

عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَابِعُوا بَيْنَ الحَجِّ وَ العُمْرَةِ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الفَقْرَ وَ الذُّنُوبَ كَمَا يَنْفِي الكِيرُ خَبَثَ الحَدِيدِ وَ الذَّهَبِ وَ الفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ المَبْرُورَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الجَنَّةُ.

ترجمہ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پے در پے بجالاؤ حج اور عمرہ اس لیے کہ وہ دونوں مٹاتے ہیں فقر اور گناہوں کو جیسے مٹاتی ہے بھٹی لوہے اور سونے اور چاندی کے میل کو اور حج مقبول کا بدلہ کچھ نہیں سوا جنت کے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حج کیا اور نہ شہوت کی باتیں کیں عورتوں سے اور نہ فسق کیا تو بخشے جائیں گے اس کے اگلے گناہ سب یعنی گزرے ہوئے۔

تشریح پہلی بات: سوال: حج اور عمرہ کی وجہ سے صغائر معاف ہوتے ہیں یا کبائر؟ یا دونوں معاف ہوتے ہیں؟
جواب: اس میں مختلف اقوال ہیں۔
قول اوّل: بعض علماء کے نزدیک زیر بحث باب کی روایت میں "ذنوب" سے مراد صغائر ہیں کہ حج اور عمرہ سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں کیونکہ کبائر کی معافی کے لیے توبہ شرط ہے۔
قول ثانی: بحر الرائق میں مذکور ہے کہ حج اور عمرہ کی وجہ سے جمہور علماء کے نزدیک دونوں معاف ہوتے ہیں اور یہی قول زیادہ راجح ہے کیونکہ زیر بحث باب کی روایت بھی اس کی مؤید ہے۔اسی طرح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ جس آدمی نے اللہ کی رضا کے لیے حج کیا اور اس نے کوئی گناہ و فسق کا کام نہ کیا وہ گناہوں سے ایسے صاف ہو جاتا ہے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔اس حدیث سے بطور اشارۃ النص کے یہی ثابت ہوتا ہے۔حج سے صغائر اور کبائر دونوں معاف ہو جاتے ہیں۔

"قولہ حج مبرور" معنی اوّل: جس میں کسی قسم کی کوئی جنایت نہ ہو۔
معنی ثانی: حج مبرور وہ ہے جس میں معصیت نہ ہو۔
معنی ثالث: جس میں ریا وشہرت نہ ہو۔
معنی رابع: حج مقبول: پہلے معنی کا موت سے پہلے علم ہوسکتا ہے دوسرے معنی کا علم نہیں ہوسکتا۔ البتہ علماء نے علامات لکھی ہیں کہ اگر تغیر پیدا ہوجائے تو پھر یہ علامت ہے کہ حج مقبول ہوگیا اور اگر انقلاب پیدا نہ ہو تو پھر معاملہ خطرے میں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّغْلِيظِ فِي تَرْكِ الْحَجِّ ترکِ حج پر وعید

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلَى بَيْتِ اللهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوتَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا وَذٰلِكَ أَنَّ اللهَ يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: {وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا} [آل عمران: 97]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مالک ہو توشہ اور سواری کا کہ پہنچادے اس کو بیت اللہ تک اور پھر حج نہ کیا تو کچھ فرق نہیں اس پر کہ مرے یہودی ہوکر یا نصرانی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنی کتاب میں کہ اللہ جل جلالہ کے واسطے ان لوگوں پر حج فرض ہے بیت اللہ کا جو سامان راہ طاقت رکھتے ہوں۔

تشریح: "قولہ ولم یحج فلا علیہ أن یموت یھودیا او نصرانیا" چونکہ اس شخص نے حج جیسی بڑی عبادت کو چھوڑ کر ایک اہم اشعار سے اعراض کیا، اس لیے یہود ونصاریٰ کے مشابہ ہو۔ یہود ونصاریٰ کے ساتھ مشابہت کیوں دی کیونکہ حج ملت ابراہیمیہ میں سے ہے۔ یہود ونصاریٰ نماز تو پڑھتے لیکن حج نہیں کرتے، اس لیے تارک حج کو ان کے مشابہ قرار دیا۔ ان کے برخلاف مشرکین حج تو کرتے تھے لیکن نماز نہیں پڑھتے تھے، اس لیے دوسری روایت میں تارک صلوٰۃ کو کفار ومشرکین کے مشابہ قرار دیا۔

"قال ابو عیسٰی ھذا حدیث غریب" یہ حدیث غریب ہے کیونکہ اس میں ایک راوی حارث ضعیف ہے۔ عند المحدثین اور دوسرا راوی ہلال بن عبداللہ مجہول ہے۔ اس وجہ سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث غریب کہا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِيجَابِ الْحَجِّ بِالزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ

زادِ راہ اور سواری کی ملکیت سے حج فرض ہوجاتا ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا يُوجِبُ الْحَجَّ قَالَ الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آیا ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور عرض کیا کس چیز سے حج فرض ہوتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا توشے اور سواری کے مقدور ہونے سے۔

تشریح وجوب حج کی متعدد شرائط ہیں۔ "منھا (۱) الحریة (۲) والبلوغ۔

(۳) والعقل" لہٰذا عبد صبی ومجنون پر حج فرض نہیں ہے اور اگر وہ حج کرلیں تو بعد الحریۃ وبعد البلوغ وبعد الافاقہ ان پر حج فرض ہیں۔ بشرطیکہ وہ غنی ہوں اور سابقہ حج کافی نہیں ہے۔ مستدرک حاکم میں "عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ای ما صبی حج ثم بلغ الحنث فعلیہ ان یحج حجۃ اخریٰ وقال صحیح علی شرط الشیخین وفیہ ایما عبد حج ثم اعتق فعلیہ ان یحج حجۃ اخریٰ"

(۴): صحت جوارح ہے عند ابی حنیفہ خلافاً لصاحبین لہٰذا مفصمن اپاہج پر اگر حج فرض ہوجائے یعنی غنی ہوجائے تو عند ابی حنیفہ، اس پر حج فرض نہیں ہے۔ "لانتفاء صحۃ الجوارح" لیکن صاحبین کے نزدیک اس پر حج فرض ہے۔ لہٰذا وہ وصیت بالحج کرے گا اور غیر کو نائب بنا کر بھیجے گا تو عند صاحبین صحت جوارح شرط ادا ہے نہ شرط وجوب اور یہی ایک روایت ہے۔ "عند ابی حنیفہ واختارہ ابن ھمام" اور اگر تندرستی کے وقت اس پر حج فرض ہوا تھا اور پھر عاجز ہوا یا اس طرح کوئی اور مانع در پیش ہوا تو بالاتفاق اس پر حج فرض ہے اور وہ ایصاء بالحج کرے گا اور غیر کو بھیجے گا۔ (۵): امن طریق۔

(۶): وجود محرم یا "زوج للمرأۃ" اور بقول ارجح عند الاحناف وجود محرم وزوج شرط ادا ہے نہ شرط وجوب۔

(۷): وجود زاد وراحلۃ اس کا کیا حکم ہے۔

قول اوّل: زاد اپنا خرچہ گھر والوں کا خرچہ راحلہ سواری کا انتظام ہو۔ یہ جمہور کا مذہب ہے۔

قول ثانی: مالکیہ کہتے ہیں کہ جو شخص پیدل چلنے پر قادر ہو، اس پر بھی حج فرض ہے اور جو شخص کمانے پر قادر ہو اس پر بھی حج فرض ہوجاتا ہے۔

جمہور کی دلیل: حدیث الباب ہے کہ استطاعت کا مصداق زاد وراحلہ ہے۔

مالکیہ کی دلیل: " واللہ علی النّاس حج البیت من استطاع" جو شخص کمانے پر قادر ہو اور پیدل چل سکے، اس کو استطاعت حاصل ہے۔

جواب: آیت کریمہ میں اجمال ہے اور حدیث میں اس کی تفصیل ہے۔

سوال: حج کی فرضیت کے لیے صرف زاد وراحلہ ہی تو ضروری نہیں راستے کا پُرامن ہونا اگر عورت ساتھ ہو تو اس کے لیے محرم کا ہونا بھی ضروری ہے۔

جواب: حدیث کا مدلول یہ ہے کہ من جملہ موجبات میں سے فرد کامل زاد وراحلہ ہیں، یہ مطلب نہیں اور موجبات ہی نہیں ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ كَمْ فُرِضَ الْحَجُّ کتنے حج فرض ہیں؟

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ {وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا} [آل عمران: 97] قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفِي كُلِّ عَامٍ فَسَكَتَ، فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفِي كُلِّ عَامٍ قَالَ لَا وَلَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ فَأَنْزَلَ اللَّهُ {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ} [المائدة: 101].

ترجمہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب اُتری یہ آیت: وللہ...... یعنی آدمیوں میں جس کو راہ کی طاقت ہو اس پر حج فرض ہے تو پوچھا لوگوں نے کیا ہر سال میں حج کرنا چاہیے یا رسول اللہ! تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چپ ہو رہے پھر کہا کیا ہر سال میں یا رسول اللہ! تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا سو اُتاری اللہ تعالیٰ نے یہ آیت: "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" یعنی اے ایمان والو! نہ پوچھو بہت سی چیزوں کو کہ اگر ظاہر ہوں تم پر تو بری لگیں تم کو یعنی شاق گزریں تم پر۔

تشریح حج مفروض کی مقدار کیا ہے؟ تو اس پر تو اجماع ہے کہ عمر میں ایک ہی مرتبہ حج فرض ہے، ایک وجہ تو کتاب میں مذکور ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حج کی فرضیت کا سبب بیت اللہ ہے اور اس میں تکرار نہیں تو حج کی فرضیت میں بھی تکرار نہیں۔ برخلاف صلوٰۃ وروزہ کے کیوں کہ ان کا سبب وجوب اوقات خمسہ اور شہر رمضان کا ہونا ہے۔ لہٰذا ان کے تکرار سے مامور بہ میں بھی تکرار ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ كَمْ حَجَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے حج کیے؟

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّ ثَلَاثَ حِجَجٍ حَجَّتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُهَاجِرَ وَحَجَّةً بَعْدَ مَا هَاجَرَ وَمَعَهَا عُمْرَةٌ فَسَاقَ ثَلَاثَةً وَسِتِّينَ بَدَنَةً وَجَاءَ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ بِبَقِيَّتِهَا فِيهَا جَمَلٌ لِأَبِي جَهْلٍ فِي أَنْفِهِ بُرَةٌ مِنْ فِضَّةٍ فَنَحَرَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كُلِّ بَدَنَةٍ بِبَضْعَةٍ فَطُبِخَتْ وَشَرِبَ مِنْ مَرَقِهَا۔

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حج کیے دو قبل از ہجرت اور ایک بعد ہجرت کے کہ اس کے ساتھ عمرہ بھی تھا اور ساتھ لائے تریسٹھ اونٹ قربانی کے اور باقی اونٹ اس میں کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن سے لائے یعنی سب پورے سو ہو گئے اس میں ابوجہل کا بھی اونٹ تھا کہ اس کے ناک میں حلقہ تھا چاندی کا سو ذبح کیا ان کو پھر حکم کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر ایک اونٹ میں سے

ایک ٹکڑا گوشت کا لیا اور سب کو پکایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا شوربا پی لیا۔

حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ كَمْ حَجَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ حَجَّةً وَاحِدَةً وَاعْتَمَرَ أَرْبَعَ عُمَرٍ عُمْرَةً فِي ذِي الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةَ الْحُدَيْبِيَةِ وَعُمْرَةً مَعَ حَجَّتِهِ، وَعُمْرَةَ الْجِعِرَّانَةِ إِذْ قَسَمَ غَنِيمَةَ حُنَيْنٍ.

ترجمہ حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کتنے حج کیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یعنی بعد فرض ہونے کے تو کہا انہوں نے ایک حج اور چار عمرے ایک عمرہ ذیقعد میں اور ایک صلح حدیبیہ کے سال میں اور ایک عمرہ حج کے ساتھ اور ایک عمرہ جعرانہ جب تقسیم کی غنیمت حنین کی۔

تشریح اس پر اجماع ہے کہ ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی حج کیا جو کہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ البتہ اس میں کلام ہے کہ قبل الہجرت کتنے حج کیے؟ تو بعض حضرات نے دو کا ذکر کیا ہے اور بعض حضرات نے دو سے زائد کا بھی ذکر کیا ہے۔ الغرض سب نے اپنے مشاہدے اور علم کے اعتبار سے ذکر کیا ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذوق کا مقتضی یہ ہے کہ ہر سال حج کرتے ہوں گے لیکن ان کے ساتھ کلام منطبق نہیں ہوتی، اس لیے ان کے بیان کا اہتمام نہیں کیا۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کیسے کیا؟

جواب: ملت ابراہیمی کے مطابق چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبوت سے بھی پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرفات میں دیکھا حالانکہ قریش عرفات میں نہ جاتے تھے مزدلفہ سے واپس لوٹ آتے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت اور نبوت سے کئی حج کیے لیکن رواۃ بیان نہیں کیا۔

"قولہ فساق ثلثة و ستین بدنة" نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے موقع پر ۱۰۰ بدنوں کی قربانی کی۔ بعض نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ذبح کیے اور بعض حضرت علی رضی اللہ عنہ نے۔ زیر بحث باب کی روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حج قران تھا اور یہ قربانی دم قران کے طور پر تھی نہ کہ دم جنایت کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کا شوربہ پیا اور دم جنایت کا استعمال جائز نہیں۔

سوال: یہاں بظاہر روایات میں تعارض ہے وہ اس طرح کہ زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۶۳ اونٹوں کی قربانی کی اور باقیوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قربانی کیا۔ دوسری روایت میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ۳۰ اونٹوں کی قربانی کی۔ تیسری روایت میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۷ اونٹوں کی قربانی کی۔ چوتھی روایت میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۷۰ اونٹوں کی قربانی کی؟

جواب: اس تعارض کو رفع کرنے کی تطبیق یہ ہے کہ پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۷ اونٹوں کی قربانی کی۔ پھر مزید ۶۳ اونٹوں کی قربانی کی تو یہ کل ۷۰ ہو گئے اور ۳۰ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قربانی کیا۔ فلا تعارض

"قوله فيها جمل لابی جهل فی انفه" ابوجہل کا اونٹ جو غزوۂ بدر میں مال غنیمت کے طور پر حاصل ہوا تھا۔

سوال: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اونٹ کو حجۃ الوداع کے موقع پر ذبح کیا تھا؟

جواب: یہ راوی کا تسامح ہے اس لیے کہ یہ اونٹ یا تو عمرۃ القضاء یا پھر جعرانہ کے موقع پر ذبح کر دیا گیا۔ "حدثنا اسحٰق بن منصور" اس حدیث میں عمروں کا ذکر ہے بطور وجود کہ نہ کہ بطور ترتیب کے۔

بَابُ مَا جَاءَ كَمْ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے عمرے کیے؟

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَمَرَ أَرْبَعَ عُمَرٍ عُمْرَةَ الْحُدَيْبِيَةِ وَعُمْرَةَ الثَّانِيَةِ مِنْ قَابِلٍ وَعُمْرَةَ الْقَضَاءِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةَ الثَّالِثَةِ مِنَ الْجِعِرَّانَةِ وَالرَّابِعَةِ الَّتِي مَعَ حَجَّتِهِ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے ایک عمرہ حدیبیہ دوسرا آئندہ سال اسی عمرہ کی قضاء ذیقعد میں اور تیسرا عمرہ جعرانہ اور چوتھا حج کے ساتھ۔

تشریح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے عمرے کیے؟ اس پر تو اجماع ہے کہ ہجرت کے بعد چار عمرے کیے۔

(۱) عمرۃ الحدیبیہ: اس کا عمرہ ہونا حکماً ہے صرف احرام باندھا گیا تھا رکاوٹ کی وجہ سے بالفعل افعال ادا نہیں کیے گئے۔

(۲) عمرۃ القضاء: سنہ ۷ ہجری میں ہوا۔

(۳) عمرہ جعرانہ: فتح مکہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حنین کی طرف تشریف لے گئے، واپسی پر جس جگہ مال غنیمت تقسیم کیا وہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام باندھا اور مکہ مکرمہ تشریف لائے اور عمرہ کیا۔

(۴) عمرہ مقرونہ بالحج: ان سب کا احرام ذوالقعدہ میں باندھا گیا۔ اگرچہ اخیری عمرہ کی ادائیگی بالفعل ذوالحجہ میں ہوئی اور باقی عمروں کی ادائیگی بالفعل ذوالقعدہ میں ہوئی اور مابعد میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عمرہ رجب میں کیا اور اس سے معلوم ہوا ہے کہ پانچ عمرے کیے اور اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عمرہ رمضان میں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ چھ عمرے کیے۔

جواب: محدثین نے ان دونوں روایتوں کو قبول نہیں کیا اور کہا کہ یہ سنداً ضعیف ہیں۔ البتہ بعض رواۃ نے صرف دو کو شمار کیا ہے، عمرۃ جعرانہ اور عمرۃ القضاء دوسرے دو مستقل نہ تھے اور بعض حضرات نے تین کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے حدیبیہ کو چھوڑا افعال ادا نہ ہونے کی وجہ سے یا عمرہ جعرانہ کو چھوڑا، اس لیے کہ وہ رات کو ہوا، بعض کو اس کا علم ہوا اور بعض کو اس کا علم نہیں ہوا۔

بَابُ مَا جَاءَ مِنْ أَيِّ مَوْضِعٍ أَحْرَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں سے احرام باندھا؟

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ لَمَّا أَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الحَجَّ أَذَّنَ فِي النَّاسِ فَاجْتَمَعُوا إِلَيْهِ فَلَمَّا أَتَى البَيْدَاءَ أَحْرَمَ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب ارادہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا آگاہ کردیا لوگوں کو سو جمع ہوگئے پھر جب پہنچے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیداء میں (ایک مقام ہے مکے مدینے کے بیچ میں) احرام باندھا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ البَيْدَاءُ الَّتِي يَكْذِبُونَ فِيهَا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ مَا أَهَلَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مِنْ عِنْدِ المَسْجِدِ مِنْ عِنْدِ الشَّجَرَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ بیداء ہے جہاں تم جھوٹ باندھتے ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر، قسم ہے اللہ کی لبیک نہیں پکاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مگر مسجد ذی الحلیفہ کے پاس درخت کے نزدیک سے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَتَى أَحْرَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کب احرام باندھا؟

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهَلَّ فِي دُبُرِ الصَّلَاةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لبیک پکاری نماز کے بعد۔

تشریح: اہل مدینہ کا میقات ذوالحلیفہ ہے اب اس میں مسئلہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں کس مقام پر احرام باندھا تو اس بارے میں تین قسم کی روایتیں ہیں۔

(۱) جن میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں مسجد میں دو رکعت احرام پڑھ کر فارغ ہوئے، پھر تلبیہ پڑھ کر محرم ہوگئے۔ مسجد ذوالحلیفہ میں احرام کی نیت کرلی، جب احرام کی نیت کرے اور تلبیہ پڑھے تو محرم بن جاتا ہے۔

(۲) وہ روایات جن میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دو رکعت پڑھ کر مسجد ذوالحلیفہ سے باہر تشریف لائے، اپنی ناقہ پر سوار ہوئے، پھر اس کے بعد تلبیہ پڑھا، پھر محرم ہوئے۔

(۳) وہ روایات جن میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذوالحلیفہ سے روانہ ہو کر مقام بیداء پر پہنچے

، یہ ایک ٹیلہ ہے وہاں تلبیہ پڑھ کر محرم ہوئے۔

بظاہر روایات میں تعارض ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں سوال ہوا کہ روایات مختلف ہیں، تطبیق کی صورت کیا ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تطبیق یہ ہے کہ در حقیقت اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کثیر التعداد صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد ذوالحلیفہ میں احرام کی دو رکعت پڑھ کر تلبیہ پڑھا، بعض کو سنائی دیا اور بعض کو نہیں جن کو علم ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ احرام ذوالحلیفہ سے باندھا اور جب باہر تشریف لائے، سواری پر سوار ہوئے اور تلبیہ پڑھا تو بعض کو اس وقت علم ہوا تو انہوں نے سمجھا کہ تلبیہ کا آغاز یہاں سے ہوا تو انہوں نے یہ روایت بیان کر دی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد سے باہر تشریف لائے اور اونٹنی پر سوار ہوئے، پھر تلبیہ پڑھا اور بعض کو اب بھی علم نہ ہوا، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام بیداء پر پہنچے تو اس وقت علم ہوا تو انہوں نے سمجھا کہ آغاز اب ہوا ہے اس لیے یہ روایت کی کہ مقام بیداء سے احرام باندھا حالانکہ حقیقت میں مسجد ذوالحلیفہ سے احرام باندھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِفْرَادِ الْحَجِّ افراد حج کے بیان میں

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْرَدَ الْحَجَّ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افراد کیا حج میں یعنی فقط حج کا احرام باندھا۔

تشریح پہلی بات: امام ترمذی رحمہ اللہ نے تین باب (۱) باب ماجاء فی افراد الحج (۲) باب ماجاء فی الجمع بین الحج والعمرۃ (۳) باب ماجاء فی التمتع مسلسل اور پے در پے ذکر کیے۔ اب اس میں مسئلہ یہ ہے کہ ان تینوں میں سے حج کی کون سی قسم افضل ہے، اس کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ حج کی تین انواع ہیں۔ (۱) حج افراد (۲) حج تمتع (۳)......

قسم اوّل حج افراد: حج افراد کہ میقات سے صرف حج کا احرام باندھے تو یہ شخص دس ذوالحجہ تک محرم رہے گا اور دس کو قصر یا حلق کروا کے حلال ہو جائے گا، درمیان میں حلال نہیں ہو سکتا بلکہ اسی طرح تا اختتام حج احرام میں رہے گا۔ اس پر قربانی واجب نہیں ہے اور یہ بیت اللہ پہنچ کر طواف قدوم کرے گا فقط اور سعی بھی کرے گا لیکن سعی ضروری نہیں ہے پھر دس تک محرم رہے گا۔

قسم ثانی حج تمتع: وہ یہ کہ میقات سے صرف عمرے کا احرام باندھے تو بیت اللہ پہنچ کر عمرہ ادا کرے گا یعنی طواف بیت اللہ و سعی بین الصفاء والمروۃ کرے گا، پھر حلق یا قصر کر کے حلال ہو جائے گا اور کپڑے پہن لے گا، پھر حج کے قریب چھٹی یا ساتویں یا آٹھویں کو احرام باندھے گا۔ متمتع پر دم تمتع واجب ہے۔ متمتع درمیان میں حلال ہوتا ہے بشرطیکہ وہ سوق ہدی نہ کر چکا ہو، اگر اس کے پاس ہدی ہو تو وہ حلال نہیں ہو سکتا دس ذوالحجہ تک۔

قسم ثالث حج قران: وہ یہ کہ میقات سے حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھے اور یوں تلبیہ پڑھے گا "لبیک بحجۃ و

عمرۃ" اور متمتع "لبیک بعمرۃ" اور مفرد "لبیک لحجۃ" پھر یہ قارن مکہ پہنچ کر دو طواف اور دو سعی کرے گا۔ ایک طواف و سعی للحج ہے پھر فوراً ایک طواف و سعی کرے گا للعمرۃ۔ پھر اسی طرح دس ذوالحجہ تک محرم رہے گا اور اس پر بھی قربانی واجب ہے بطور شکریہ کے کہ ایک سفر میں دو عبادتوں کے ادا کی توفیق ملی۔ تمتع و قران اہل مکہ نہیں کر سکتے اور نہ وہ لوگ جو میقات کے اندر ہوں بلکہ یہ آفاقی کر سکتا ہے۔ آفاقی وہ لوگ ہیں جو میقاتوں سے باہر ہیں، یہ تین انواع حج ہوئیں۔

اب اس پر آئمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ تینوں جائز ہیں۔

سوال: البتہ اس پر سوال ہے کہ کیسے بالاجماع جائز ہیں جبکہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما حج قران سے منع کرتے تھے۔ نیز احادیث میں ہے کہ حضرت عمر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما حج تمتع سے بھی منع کرتے تھے تو اجماع کیسے ہوا؟

توجیہ (۱): حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا قران سے منع کرنا نہی تنزیہی کے طور پر ہے۔ اصل مقصود یہ تھا کہ عمرہ کے لیے مستقل سفر اور حج کے لیے مستقل سفر کیا جائے تاکہ سارا سال بیت اللہ آباد رہے اور اطراف عالم سے آئے ہوئے لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم سے احکام سیکھیں اور ایسے ہی تمتع سے منع کرنا نہی تنزیہی کی بناء پر تھا۔

توجیہ (۲): جس تمتع سے یہ حضرات منع کرتے تھے وہ تمتع بالمعنی الاصطلاحی نہیں بلکہ تمتع بمعنی خاص یعنی فسخ الحج بالعمرہ، میقات سے حج کا احرام باندھ کر مکہ میں پہنچ کر عمرہ کے افعال کر کے احرام سے نکل جائے، اس سے منع کرتے، اس لیے کہ بیشک صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں کیا لیکن یہ صرف انہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی اسی سال کی خصوصیت تھی۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما اس تمتع سے منع کرتے تھے، اس صورت میں یہ نہی تحریمی ہے۔ پہلی توجیہ کے مطابق قران و تمتع سے منع کرتے تھے لیکن نہی تنزیہی تھی اور دوسری توجیہ کے مطابق نہی تحریمی ہے لیکن بالمعنی الخاص، الغرض حج کی تینوں انواع جائز ہیں۔

دوسری بات: مسئلہ اختلافی

بات میں اختلاف ہے کہ حج کی کون سی نوع افضل ہے؟

قول اوّل: احناف کے ہاں قران افضل ہے پھر تمتع پھر حج افراد۔

قول ثانی: شوافع و مالکیہ کے ہاں سب سے افضل حج افراد ہے پھر تمتع پھر قران۔

قول ثالث: حنابلہ کے نزدیک سب سے افضل حج تمتع اور پھر افراد اور پھر حج قران۔ مالکیہ کی ایک روایت اس کے موافق ہے۔ منشاءِ اختلاف کا یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حج کونسی نوع کا تھا، تینوں قسم کی روایات ہیں۔ جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے تینوں قسم کی روایات کے لیے مستقل باب قائم کیے حج افراد کے لیے مستقل باب قائم کیا اور حج قران کے لیے مستقل باب قائم کیا اور حج تمتع کے لیے مستقل باب قائم کیا۔ پہلی قسم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حج افراد تھا اور دوسری قسم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حج حج قران تھا اور تیسری قسم کی روایات سے معلوم

ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حج تمتع تھا تو وہ عندنا قارن تھے۔ عند الشافعی وہ مفرد تھے عند احمد و مالک متمتع تھے۔
امام نووی لکھتے ہیں کہ جو شخص سال میں الگ عمرہ کے لیے سفر کرنا چاہتا ہو، عندنا اس کے لیے افراد قران سے افضل ہے لیکن جو شخص عمرہ کے لیے الگ سفر نہیں کرنا چاہتا تو فرماتے ہیں تو عندنا بھی اس شخص کے لیے قران افضل ہے افراد سے کیونکہ عبادتیں افضل ہیں عبادت واحدۃ سے۔ بہرحال مناسک کی بحثیں بڑی طویل ہیں۔ اصل اختلاف مذاہب کی وجہ یہ ہے۔

دلائل امام شافعی، دلیل اوّل:

"عن عائشة رضی اللہ عنھا قالت خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلّم عام حجة الوداع فمنا من اهل بعمرة و منا من اهل لحجة و اهل رسول اللہ لحجة رواه الشیخان" معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مفرد تھے اور صرف حج کا تلبیہ پڑھا تھا۔
دلیل ثانی: ابن ماجہ میں ہے "عن جابر رضی اللہ عنه قال حج رسول اللہ اخبرتنی عائشه انه اول بدأ به الطواف بالبیت ثم لم تکن عمرة" اس میں تصریح ہے انتفاء عمرہ کی۔ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مفرد تھے۔ (فتح الملہم، ص: ۲۵۶، ج: ۳)
دلائل امام احمد، دلیل اوّل: "عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال تمتع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلّم و اهدی فساق مع الهدی من ادنی الحلیفة رواه الشیخان"
دلیل ثانی: "عن عمران عن عائشه تمتع رسول اللہ و تمتعنا معه متفق علیه"
دلیل ثالث: "عن عمران بن حصین رضی اللہ عنه تمتع رسول اللہ و تمتعنا معه رواه مسلم ابن همام و غیره"
احادیث تمتع کے جواب آگے توجیہ نمبر ۹ میں بھی آ رہا ہے، میں فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں تمتع سے مراد قران ہے اور لغتاً اور عرف صحابہ میں اور عرف قران میں تمتع کا قران پر اطلاق ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے "فمن تمتع بالعمرة الی الحج" یہاں تمتع سے باتفاق قران مراد ہے کیونکہ تمتع کا معنی ہے نفع اٹھانا اور متمتع و قارن ایک سفر میں دو عبادتوں کی ادائیگی کا نفع اٹھاتے ہیں، احادیث میں بھی اور صحابہ کے درمیان مکالمات سے بھی تمتع و متعہ کا قران پر اطلاق ثابت ہے۔ چنانچہ صحیحین کی روایت ہے "عن سعید بن المسیب اجتمع لی عثمان و عصفان و کان عثمان رضی اللہ عنه ینهی عن المتعة قال علی ما ترید الی ما ... رسول اللہ تنهی عنه فقال عثمان دعنا منک فقال علی عندی لا ادعک فلما رأی علی ذلک اهل بهما جمیعًا رواه مسلم و البخاری" معلوم ہوا کہ اس حدیث میں تمتع سے مراد قران ہے۔ بدلیل مخالفت "علی رضی اللہ عنه اهل بهما جمیعًا" اسی طرح اور بھی متعدد احادیث موجود ہیں جن میں تمتع و متعہ کا اطلاق قران پر ہوتا ہے۔

دلائل احناف، دلیل اوّل:

بخاری میں "عن عمر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلّم بوادی العقیق یقول اتانی لیلة آت من ربی صلی فی واد المبارک رکعتین وقل عمرة فی حجة" اس میں تصریح ہے کہ رب کا امر عمرے اور حج کے قران کا تھا اور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یقیناً اس کی تعمیل کی ہوگی۔ثابت ہوا کہ قران افضل ہے۔

دلیل ثانی: ابوداؤد ونسائی میں ہے "عن ابن معبد قال اھللت بھما فقال عمر رضی اللہ عنہ ھدیت سنۃ نبیک محمد دارقطنی" معلوم ہوا کہ قران اصل سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

دلیل ثالث: "عن انس رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ یلبی بالحج والعمرۃ جمیعًا کذا فی الصحیح" اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تلبیہ میں حج وعمرہ دونوں کا ذکر کرتے تھے۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے۔

دلیل رابع: "عن اُم سلمۃ رضی اللہ عنھا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یقول اھل یا آل محمد لعمرۃ فی حج رواہ احمد" اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قران کا امر فرمایا ہے کیونکہ عمرہ فی حج کا معنی ہے قران۔

دلیل خامس: "عن جابر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قرن الحج والعمرۃ وطاف لھما طوافا واحد رواہ احمد" ان احادیث سے معلوم ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کیا اور یہ اوضح ہیں تو یہ راجح ہوں گی۔

تیسری بات تطبیق وترجیح: چونکہ احناف کے نزدیک قران والی روایات ماھو المختار ہیں اس لیے ان کو اصل قرار دے کر باقی روایات کی توجیہ کی، کچھ توجیہات بصورت تطبیق ہیں اور کچھ توجہات بصورت ترجیح ہیں۔

ترجیح (۱): قارن کے لیے شرعاً توسع ہے کہ وہ اپنے تلبیہ میں حج اور عمرے دونوں کا ذکر کرے یا فقط عمرے کا ذکر کرے یا فقط حج کا ذکر کرے، اصل میں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قارن تھے چونکہ قارن کے لیے جائز ہے کہ وہ صرف حج کا ذکر کرے یا صرف عمرے کا ذکر کرے، اب جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے صرف حج کا ذکر سنا، انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مفرد بالحج ہیں اور جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے صرف عمرے کا ذکر سنا، انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قارن تھے۔

ترجیح (۲): آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتداءً مفرد بالحج تھے بقاءً قارن تھے چنانچہ مشکوٰۃ میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذوالحلیفہ سے روانہ ہوکر وادی عقیق پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "آتانی اٰتف من رّبی" یعنی فرشتہ آیا مجھے کہا کہ "کُنْ حج وعمرہ" اپنے تلبیہ میں حج اور عمرہ دونوں کا ذکر کرو تو یہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قارن بن گئے۔باقی رہی روایات تمتع ان میں تمتع کا لغوی معنی مراد ہے باقی وہ لغوی معنی یہ ہے کہ ایک سفر میں دو عبادتوں کو جمع کرنا یہ تمتع اصطلاحی کو بھی شامل ہے اور قران کو بھی شامل ہے۔تمتع لغوی اور قران میں کوئی منافات نہیں ہے۔

ترجیح (۳): اصل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قارن ہی تھے لیکن جن روایتوں میں تمتع اور افراد کا ذکر ہے ان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت مجازاً ہے، اجازت دینے کی وجہ سے کیوں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت ہے تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے افراد کیا اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے تمتع کیا اور روایات قران میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت حقیقی ہے۔چنانچہ ابوداؤد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انی سقتُ الھدی و قرنت"

ترجیح (۴): نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصل میں قارن ہی تھے لیکن جن روایات میں افراد کا ذکر ہے اُن میں معنی یہ ہے کہ ہجرت کے بعد ایک ہی حج کیا اور جن میں تمتع کا ذکر ہے وہ تمتع بمعنی لغوی ہے وہ قران کو بھی شامل ہے۔

ترجیح (۵): آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو قارن ہی تھے لیکن جن روایات میں افراد الحج کا ذکر ہے معنی یہ ہے کہ افعال حج کو مستقلاً کیا اور افعال عمرہ کو مستقلاً کیا، تداخل نہ کیا افعال عمرہ کا افعال حج میں اور جن میں تمتع کا ذکر ہے وہ بمعنی لغوی ہے اور وہ قران کو بھی شامل ہے۔

ترجیح (۶): احادیث صحیحہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے تلبیہ میں حج اور عمرہ دونوں کا ذکر ثابت ہے اور تلبیہ میں حج اور عمرہ دونوں کا تذکرہ صرف مختص ہے قارن کے ساتھ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعہ میں مفرد تھے یا متمتع تھے تو پھر سوال ہوگا کہ اپنے تلبیہ میں حج اور عمرہ دونوں کا ذکر کیوں کیا؟ اس کا کوئی بھی جواب نہیں، لاینحل مسئلہ ہو جائے گا۔

ترجیح (۷): روایات قران مثبت للزیادۃ ہیں کہ میقات سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ کے ساتھ حج کا احرام بھی باندھا جبکہ روایات افراد یا تمتع یہ مثبت للزیادۃ نہیں اس لیے روایات قران کو ترجیح حاصل ہوگی۔

ترجیح (۸): یہ ہے کہ روایات قران میں بعض روایتیں قران ہونے میں محکم ہیں جیسے حدیث علی رضی اللہ عنہ "انی سقتُ الھدی و قرنت" جبکہ روایات افراد اور تمتع محتملہ ہیں، ان میں مجاز کا احتمال ہے، چنانچہ یہ بھی احتمال ہے کہ ہجرت کے بعد ایک حج کیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ حج وعمرہ دونوں کے افعال مستقلاً بیان کیے۔ لہٰذا وہ روایات جو محکمہ ہیں وہ راجح ہوں گی۔

ترجیح (۹): یہ مقدمہ مسلمات میں سے ہے وہ نوع حج سب سے افضل ہوگی جس میں دو عبادتوں کا اجتماع ہو اور ہر عبادت کے لیے سفر من بلدہ ہو اور ایسی نوع حج خدا نے بند کر دی ہے، قران میں دو عبادتوں کا اجتماع بھی ہے اور سفر من بلدہ بھی ہے کیونکہ دونوں احرام میقات سے باندھے بخلاف مفرد بالحج کے اس میں دو عبادتوں کا سرے سے اجتماع ہی نہیں اور تمتع میں اگرچہ اجتماع ہے لیکن عمرے کے لیے صرف سفر من بلدہ ہے نہ کہ حج کے لیے بلکہ حج مکی ہے لہٰذا روایات قران مقدمہ مسلمہ کے موافق ہونے کی وجہ سے راجح ہیں۔

ترجیح (۱۰): روایات قران کو نقل کرنے والے کثیر التعداد صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ حافظ جمال الدین زیلعی فرماتے ہیں تقریباً ۲۲ بائیس صحابہ رضی اللہ عنہم روایات کر رہے ہیں، اگرچہ یہ کوئی وجہ ترجیح نہیں، یعنی کثرت تعداد رواۃ لیکن بایں ہمہ قوت حاصل ہو جاتی ہے اور حافظ ابن قیم نے تقریباً پندرہ بیان کی ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعتہً قارن تھے کیونکہ قران کو نقل کرنے والی زیادہ تعداد ہے اسی وجہ سے حنابلہ نے بھی اس بات کو تسلیم کر لیا لیکن عندہم افضل تمتع ہے۔ حنابلہ کے نزدیک اس وجہ سے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمتع کی آرزو کی صحابہ کے سامنے کہ اگر مجھے پتہ ہوتا تو میں بھی تمہاری طرح حلال ہو جاتا۔

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمتع کی آرزو اس لیے نہیں کی کہ یہ افضل ہے بلکہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی تطییب قلبی کے لیے تھا جن کو فسخ الحج بالعمرہ کا حکم دیا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الجَمْعِ بَيْنَ الحَجِّ وَ العُمْرَةِ ایک ہی احرام میں حج اور عمرہ کرنا

عَنْ أَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَقُولُ لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَ حَجَّةٍ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لبیک پکاری حج اور عمرے دونوں کے ساتھ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّمَتُّعِ تمتع کے بیان میں

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الحَارِثِ بْنِ نَوْفَلٍ أَنَّهُ سَمِعَ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ وَ الضَّحَّاكَ بْنَ قَيْسٍ وَ هُمَا يَذْكُرَانِ التَّمَتُّعَ بِالعُمْرَةِ إِلَى الحَجِّ فَقَالَ الضَّحَّاكُ بْنُ قَيْسٍ لَا يَصْنَعُ ذٰلِكَ إِلَّا مَنْ جَهِلَ أَمْرَ اللّٰهِ فَقَالَ سَعْدٌ بِئْسَ مَا قُلْتَ يَا ابْنَ أَخِي فَقَالَ الضَّحَّاكُ بْنُ قَيْسٍ فَإِنَّ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ قَدْ نَهَى عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ سَعْدٌ قَدْ صَنَعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ صَنَعْنَاهَا مَعَهُ.

ترجمہ حضرت محمد بن عبداللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ضحاک بن قیس کو کہ وہ دونوں ذکر کرتے تھے عمرہ ملانے کا حج کے ساتھ کہ جس کو تمتع کہتے ہیں سو کہا ضحاک بن قیس نے یہ تو وہی کرے گا جو اللہ کا حکم نہ جانے سو سعد نے کہا برا کہا تم نے اے بھتیجے میرے ضحاک نے کہا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا تمتع سے تو سعد نے کہا البتہ تمتع کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الشَّامِ وَ هُوَ يَسْأَلُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ عَنِ التَّمَتُّعِ بِالعُمْرَةِ إِلَى الحَجِّ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ هِيَ حَلَالٌ فَقَالَ الشَّامِيُّ إِنَّ أَبَاكَ قَدْ نَهَى عَنْهَا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ أَبِي نَهَى عَنْهَا وَ صَنَعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ أَأَمْرَ أَبِي نَتَّبِعُ أَمْ أَمْرَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ، فَقَالَ الرَّجُلُ بَلْ أَمْرَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ لَقَدْ صَنَعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ.

ترجمہ حضرت ابن شہاب سے روایت ہے کہ سالم بن عبداللہ نے بیان کیا ان سے کہ سنا سالم نے ایک شامی کو کہ پوچھتا تھا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عمرہ حج میں ملانے کو یعنی تمتع کو سو فرمایا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے وہ جائز ہے پھر کہا شامی نے تمہارے باپ تو منع کرتے تھے تمتع کو۔ سو فرمایا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھلا دیکھو تو سہی اگر میرے باپ منع کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی کام کریں تو میرے باپ کی تابعداری کی

جائے گی یا رسول اللہ کے کام کی تو کہا شامی نے بلکہ تابعداری کی جائے گی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کی تو کہا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے البتہ تمتع کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَمَتَّعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَأَوَّلُ مَنْ نَهَى عَنْهَا مُعَاوِيَةُ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ تمتع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اور پہلے جس نے منع کیا تمتع سے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

تشریح "فقال الضحاک بن قیس لا یصنع ذالک الخ"

سوال: ضحاک بن قیس تمتع کے بارے میں جو کہہ رہے ہیں "لا یصنع ذالک الا من جھلٍ" یعنی اس تمتع کو وہی کر سکتا ہے جو ناواقف ہو، جاہل ہو حکم خداوندی سے، اس سے مراد کون سا تمتع ہے؟

جواب: اس بارے میں دو احتمال ہیں۔

(۱) تمتع بمعنی فسخ الحج بالعمرۃ، یعنی میقات سے حج کا احرام باندھنا اور مکۃ المکرمہ جا کر عمرہ کرنا اور بعد میں عمرہ کے احرام سے فارغ ہو کر حج کا احرام باندھنا، اگر اس سے یہی تمتع مراد ہے تو پھر ضحاک بن قیس کا دعویٰ بالکل صحیح ہے اور اسی طرح دلیل بھی صحیح ہے کیونکہ یہ انہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی خصوصیت تھی اس لیے آیت کریمہ "اتموا الحج والعمرۃ" یہ فسخ الحج بالعمرۃ کے خلاف ہے۔ لہٰذا جس نے فسخ الحج کیا وہ اللہ کے اس حکم سے ناواقف ہے اور بالکل سعید بن ابی وقاص بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ یہ تمتع صحیح نہیں، یہ انہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی خصوصیت تھی اور اس کے باوجود "بئس ما قلت" کہنا کیسے صحیح ہے؟

جواب: ضحاک بن قیس نے کہا تھا کہ فسخ الحج بالعمرہ وہی کر سکتا ہے جو حکم الٰہی سے جاہل ہو، اس پر "بئس ما قلت" کہا اس لیے کہ اس میں سوء ادبی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا اور جس چیز کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم عمل کریں، اس کو کہنا کہ اس کو وہی کر سکتا ہے جو جاہل ہو یہ سوء ادبی ہے اس لیے رَد کیا اور آگے جو فرمایا "صنعھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" اس میں نسبت مجازی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا حکم دیا اور آگے فرمایا "وصنعناھا" اس میں نسبت حقیقی ہے۔

(۲) تمتع بمعنی العام ہو ایک سفر میں دو عبادتوں کو جمع کرنا جو تمتع اصطلاحی کو بھی شامل ہے اور قران کو بھی شامل ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ ضحاک نے کہا کہ تمتع اصطلاحی وہی کر سکتا ہے جو امر الٰہی سے ناواقف ہو اور حکم الٰہی ہے "اتموا الحج والعمرۃ"...... طریق استدلال یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حج کے لیے علیحدہ سفر اور عمرہ کے لیے علیحدہ سفر کیا جائے اور ظاہر ہے تمتع بالمعنی الاصطلاحی اس آیت کریمہ کی تفسیر کے خلاف ہے۔ بایں معنی تمتع اصطلاحی وہی شخص کر سکتا ہے جو حکم الٰہی سے ناواقف ہو کیونکہ تمتع اصطلاحی میں تو ایک سفر میں دونوں کو جمع کیا گیا ہے تو اس کے جواب میں سعید بن ابی وقاص

نے کہا "بئس ما قلت" اس پر انہوں نے کہا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تمتع سے منع فرمایا ہے تو اس پر پھر سعید بن ابی وقاص نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تمتع کیا ہے اور ہم نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمتع کیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیت کریمہ سے جب ضحاک بن قیس نے استدلال کیا کہ تمتع اصطلاحی وہی کر سکتا ہے جو حکم الٰہی سے ناواقف ہو، اس پر سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے رد کیا کہ "بئس ما قلت" یہ رَدّ کیسے ہوا تو رد یوں ہوا کہ آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حج کے لیے علیحدہ سفر کیا جائے اور عمرہ کے لیے علیحدہ سفر کیا جائے، علیحدہ علیحدہ سفر اولیٰ ہے اور اس کا خلاف غیر اولیٰ ہے اس کو عمل میں لانے کی وجہ سے جہالت کی نسبت کرنا صحیح نہیں، اس میں سوء ادبی ہے۔ باقی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منع فرمانا بطور نہی تنزیہی کے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمتع کرنا یہ نسبت حقیقی ہے اس لیے کہ یہ تمتع لغوی ہے تمتع اصطلاحی اور قران دونوں کو شامل ہے۔ اگر تمتع بمعنی العام کرلیں تو "صنعها رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم" میں نہی بطور حقیقت کے ہے۔ "حدّثنا ابو موسیٰ و اوّل من نهی عنه معاویه رضی اللہ تعالٰی عنه"

سوال: بعض حنابلہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج تمتع کیا ہے جس کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کوہ مروہ کے قریب مشقص کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں کا قصر کیا اور کوہ مروہ کے قریب قصر اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ سے فارغ ہوئے ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا حج تمتع تھا؟

جواب: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوہ مروہ کے قریب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں کا جو قصر کیا ہے، یہ واقعہ حج سے نہیں بلکہ عمرہ جعرانہ سے متعلق ہے جس کا احرام سنہ ۸ ہجری میں باندھا گیا۔

"قوله و اوّل من نهی عن معاویه رضی اللہ عنه" اس روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے تمتع سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے منع کیا لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقصد حج تمتع سے روکنا نہ تھا بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک فتویٰ کو رد کرنا مقصود تھا۔ انہوں نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ جو شخص حج افراد کا احرام باندھ کر آئے تو بیت اللہ کے طواف سے "فسخ الحج الی العمرة" ہو جائے گا وہ آدمی چاہے یا نہ چاہے۔ اس فتویٰ سے لوگوں میں بہت اضطراب پیدا ہوا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تردید کے لیے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ صرف حج افراد کا احرام باندھیں اور عمرہ کو اس کے ساتھ جمع نہ کریں، نہ قران کی صورت میں اور نہ تمتع کی صورت میں تو گویا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقصد تمتع یا قران سے منع کرنا نہیں تھا بلکہ اس مسئلہ کو واضح کرنا تھا کہ بغیر عمرہ کے حج افراد بلا کراہت جائز ہے۔

سوال: ماقبل میں گزرا کہ اوّل من نہی عنہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں بظاہر تعارض ہے؟

جواب: اوّل مانعین بطور شدت کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں اور نفس منع کے اعتبار سے اوّل مانعین حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّلْبِيَةِ لبیک کے بیان میں

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ تَلْبِيَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ تھا لبیک پکارنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح یعنی لبیک سے اخیر تک اور معنی اس کے یہ ہیں: حاضر ہوں میں تیری خدمت میں اے اللہ! تیرا کوئی شریک نہیں حاضر ہوں میں تیری خدمت میں البتہ سب تعریف اور نعمت تیری ہی ہے اور سلطنت میں بھی کوئی شریک نہیں تیرا۔

تشریح: تلبیہ ماثورہ پر اضافہ کرنا احناف کے نزدیک جائز ہے۔ دلیل عمل ابن عمر رضی اللہ عنہما اور اکابر صحابہ جو کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے۔ باقی اذا و تشہد کو اس پر قیاس کرنا جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو تلبیہ ہے وہ اقل مقدار پر محمول ہے زیادتی سے مانع نہیں۔ ''وھو حفظه التلبیه'' یہ دفع دخل مقدر کے شاید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تلبیہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یاد نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ التَّلْبِيَةِ وَالنَّحْرِ تلبیہ اور قربانی کی فضیلت

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْحَجِّ أَفْضَلُ قَالَ الْعَجُّ وَالثَّجُّ.

ترجمہ: حضرت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے پوچھا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون سا حج افضل ہے؟ تو فرمایا جس میں لبیک پکارنا بہت ہو اور خون بہانا یعنی قربانی کرنا۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُلَبِّي إِلَّا لَبَّى مَنْ عَنْ يَمِينِهِ أَوْ عَنْ شِمَالِهِ مِنْ حَجَرٍ أَوْ شَجَرٍ أَوْ مَدَرٍ حَتَّى تَنْقَطِعَ الْأَرْضُ مِنْ هَاهُنَا وَهَاهُنَا.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے کہ لبیک پکارے مگر پکارتے ہیں اس کے داہنے ہاتھ پتھر اور درخت اور کنکریاں یہاں تک کہ تمام ہو جاتی ہے زمین اس کی طرف اور اس طرف یعنی مغرب سے مشرق تک جہاں تک زمین ہے وہاں تک سب لبیک پکارتے ہیں۔

تشریح: ''الحج'' تلبیہ کا اونچی آواز میں پڑھنا۔ ''وَالثَّجُّ'' قربانی کے جانور کے خون کو بہانا۔

''ما من مسلم یلبی الا لبی من عن یمینه الخ'' مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان شخص تلبیہ پڑھتا ہے تو اس کے دائیں اور بائیں جانب جمادات شجر و حجر تلبیہ پڑھتے ہیں۔

سوال: ہمیں تو جمادات کا تلبیہ سنائی نہیں دیتا؟

جواب: ہم وہ کان کہاں سے لائیں جو جمادات ونباتات کا تلبیہ سنیں، جب مخبر صادق نے خبر دے دی تو یہ خبر دینا ہمارے سننے کے قائم مقام ہے۔

قال ابوعیسیٰ: یہاں سے امام ترمذی حدیث ابی بکر کی سند پر کلام کررہے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ محمد بن منکدر کا عبدالرحمن بن یربوع سے سماع ثابت نہیں اور جن حضرات نے متصلاً ذکر کیا انہوں نے درمیان عن سعید بن عبدالرحمن کا واسطہ ذکر کیا یہ متصلاً بیان کرنا ان کی خطاء ہے اور اس کی تائید میں امام احمد اور امام بخاری کا قول نقل کیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کو متصلاً بیان کرنا صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ منقطع ہے، اگرچہ محمد بن منکدر کی دوسری روایت بواسطہ سعید ثابت ہے وہ تلبیہ کے ماسوا ہے اور تلبیہ والی روایت منقطع ہے بلا واسطہ ہے۔ باقی منشاء خطاء یہ ہے کہ دیگر روایات سعید کا واسطہ ہے اور ثابت ہے۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ تلبیہ والی روایت بھی سعید کے واسطے سے عبدالرحمن سے سنی ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَفْعِ الصَّوْتِ بِالتَّلْبِيَةِ تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا

عَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَانِي جِبْرِيلُ فَأَمَرَنِي أَنْ آمُرَ أَصْحَابِي أَنْ يَرْفَعُوا أَصْوَاتَهُمْ بِالإِهْلَالِ وَالتَّلْبِيَةِ.

ترجمہ: حضرت خلاد بن سائب سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آئے میرے پاس جبرئیل اور حکم کیا مجھ کو کہ حکم کروں میں اپنے صحابیوں کو کہ بلند کریں اپنی آوازیں لبیک پکارنے کے ساتھ۔ راوی کو شک ہے کہ اہلال فرمایا یا تلبیہ معنی دونوں کے ایک ہیں۔

تشریح: باب کا مفہوم یہ ہے کہ تلبیہ میں رفع صوت مرد کے لیے ہے عورت کے لیے جہر کرنا جائز نہیں۔ "قال ابو عیسیٰ" امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس سند سے بھی مروی ہے۔ خلاد عن ابیہ اس سند سے حدیث حسن صحیح ہے اور ایک روایت میں یہ سند ہے عن خلاد بن السائب عن زید بن خالد عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سند صحیح نہیں، صحیح پہلے والی سند ہے۔ دوسری سند میں جو خلاد بن السائب ہیں یہ خلاد بن سائب بن خلاد بن سوید انصاری ہیں۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الاِغْتِسَالِ عِنْدَ الإِحْرَامِ احرام پہنتے وقت غسل کرنا

عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجَرَّدَ لِإِهْلَالِهِ وَاغْتَسَلَ

ترجمہ: حضرت خارجہ بن زید بن ثابت سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ دیکھا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ کپڑے اُتارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے احرام باندھنے کو یعنی سیئے ہوئے اور نہائے۔

تشریح: احرام کے وقت غسل کرنا یہ بالاجماع مسنون ہے، اس سے مقصود نظافت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حائضہ اور نفساء کو بھی غسل کا حکم ہے۔ یہی وجہ تیمم اس غسل کے قائم مقام نہیں کیونکہ تیمم سے نظافت حاصل نہیں ہوتی اور اس سے سنت ادا نہ ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَوَاقِيتِ الإِحْرَامِ لِأَهْلِ الآفَاقِ آفاق کیلئے احرام باندھنے کی جگہ

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ مِنْ أَيْنَ نُهِلُّ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ يُهِلُّ أَهْلُ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَأَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ وَأَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ، قَالَ وَأَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ پوچھا ایک مرد نے کہاں سے احرام باندھیں ہم یا رسول اللہ! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احرام باندھیں مدینے والے ذی الحلیفہ سے کہ چھ کوس ہے مدینہ سے اور دس منزل ہے مکہ سے اور شام والے جحفہ سے کہ ذی الحلیفہ کے برابر مکے مدینے کے بیچ میں شام کی جانب میں اور نجد کے لوگ قرن سے کہ قریب طائف کے ہے اور اس کو قرن منازل بھی کہتے ہیں اور وہ ایک پہاڑ ہے گول چکنا اور یمن کے لوگ احرام باندھیں یلملم سے کہ ایک پہاڑ ہے مکہ سے دو منزل۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَشْرِقِ الْعَقِيقَ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا پورب (مشرق) کے لوگوں کے لیے عقیق کو۔

تشریح **پہلی بات: مواقیت کی وضاحت**

مواقیت ایسا وقت یا ایسی جگہ ہے جو کسی کام کے لیے متعین ہو، اگر وقت سے ہو تو پھر میقات زمانی اور اگر مکان سے ہو تو پھر میقات مکانی، یہی وجہ ہے کہ حج کے مواقیت دو قسم پر ہیں۔ حج کے میقات زمانیہ اشہر حج ہیں۔ شوال، ذوالقعدہ دو ماہ مکمل اور دس دن ذوالحجہ کے اور مواقیت مکانیہ پانچ ہیں جن میں سے چار کا حدیث میں ذکر ہے اور پانچویں میقات مکانیہ ذات العرق ہے جو اہل عراق کے لیے ہے اور اربعہ مکانیہ جو حدیث میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں (۱) اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ (۲) اہل شام کے لیے جحفہ (۳) اور اہل نجد کے لیے قرن (۴) اہل یمن کی میقات یلملم ہے۔

دوسری بات: مسئلہ میقات سے بغیر احرام کے گزرنے کا کیا حکم ہے؟

کتاب نہر میں ہے ”الناس ثلاثة اصناف“

الاول: ”آفاقی ای من خارج المواقیت“ والثانی: حرمی، یعنی وہ لوگ جو حرم کے اندر ہوں۔

والثالث: حلی جو حرم سے باہر اور میقات سے اندر ہوں۔ ”فالآفاقی لایجوز یدخل بمکة بغیر احرام اما للحج واما للعمرة سواء اراد التجارة وغیر ذلک هذا عند ابی حنیفه“ لیکن بعض آئمہ کہتے ہیں کہ اگر حج وعمرہ کا ارادہ ہو تو پھر دخول بغیر احرام کے ممنوع ہے اور اگر حج یا عمرے کا ارادہ نہ ہو بلکہ تجارت وغیرہ کا ارادہ ہو تو دخول بغیر احرام جائز ہے وبہ قال حسن البصری ومالک فی روایة وشافعی فی روایة وداؤد الظاہری۔

قول اوّل: احناف کا ہے اور وہی امام شافعی کا مشہور قول ہے وبہ قال احمد والثوری تو حاصل یہ ہے کہ عند آئمہ الاربعۃ آفاقی مکہ میں بغیر احرام داخل نہیں ہوسکتا تعظیماً، لہٰذا البلد الامین، پھر اگر بغیر احرام داخل ہوا، فلاشیء علیہ عند الشافعی واساء فقال ابوحنیفہ علیہ حجۃ اوعمرۃ اور حرمی وحلی بھی ملحق بال آفاقی ہیں۔ اگر وہ میقات سے باہر نکل جائیں، کسی مقصد کے لیے پھر واپسی پر دخول مکہ کا ارادہ ہو۔ علماء لکھتے ہیں اگر آفاقی کا اصل مقصد حل میں کوئی جگہ ہو، نہ دخول مکہ تو وہ بغیر احرام میقات سے گزر سکتا ہے کیوں کہ اس کا ارادہ دخول مکہ نہیں ہے پھر حل میں پہنچ کر اس کا ارادہ دخول مکہ کا ہوا تو یہ آفاقی فی حکم حلی ہے یعنی بغیر احرام مکہ میں داخل ہوسکتا ہے کیونکہ حلی اور حرمی بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہوسکتے ہیں۔ ''دون للحرج وتسھیلا'' (فتح الملہم، ج:۲،ص ۲۱۳)

جمہور کی دلیل: حسن بصری واہل ظواہر کے خلاف حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے۔ ''مرفوعاً لایجاوز احد المیقات الا محرماً'' حسن بصری وداؤد ظاہری استدلال کرتے ہیں واقعہ فتح مکہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنی فوج کے بغیر احرام داخل ہوئے؟

جواب: یہ حکم مخصوص بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے خود حدیث فتح مکہ میں ہے ''قال علیہ السلام فی ذالک الیوم انہا لم تحل لاحد قبلی وتحل لاحد بعدی وانما حلت لی ساعۃ من نہار ثم عادت حراماً''

بَابُ مَاجَاءَ فِيمَا لَا يَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ لُبْسُهُ

محرم (احرام والے) کے لیے کیا پہننا جائز ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَاذَا تَأْمُرُنَا أَنْ نَلْبَسَ مِنَ الثِّيَابِ فِي الْحَرَمِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْبَسُوا الْقُمُصَ وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا الْخِفَافَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَحَدٌ لَيْسَتْ لَهُ نَعْلَانِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوا شَيْئًا مِنَ الثِّيَابِ مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ وَلَا الْوَرْسُ وَلَا تَنْتَقِبِ الْمَرْأَةُ الْحَرَامُ وَلَا تَلْبَسِ الْقُفَّازَيْنِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ کھڑا ہوا ایک مرد اور کہا اس نے یارسول اللہ! کون سے کپڑوں کے پہننے کا حکم کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حالت احرام میں تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تو احرام باندھے تو کرتا اور پاجامہ اور باران کوٹ نہ پہن اور عمامہ نہ باندھ اور موزے نہ پہن مگر جس کے پاس جوتے نہ ہوں تو پہنے موزے اور کاٹ دیں کعبین کے نیچے تک اور جس کپڑے میں زعفران یا ورس ہو یعنی ان میں رنگا ہو وہ بھی نہ پہنے اور منہ نہ ڈھانپے یعنی گھونگھٹ نہ لٹکائے عورت جو احرام باندھے اور دستانے ہاتھوں میں نہ پہنے۔

تشریح: ''قولہ لاتلبس القمیص ولا السراویلات'' محرم نہ تو قمیص پہن سکتا ہے اور نہ ہی شلوار بلکہ دو چادریں استعمال کرسکتے ہیں۔

"قولہ و لا الخفاف الا أن یکون الخ" اگر کسی کے پاس ایسے جوتے ہوں کہ ان کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ مثلاً ان سے ہڈی چھپ جاتی ہے، اب اگر اس کے پاس اس کے علاوہ جوتا نہ ہو تو اس کو اس طرح کاٹے کہ وسط قدم کی ہڈی ظاہر رہے، یہ کاٹنا جمہور کے ہاں واجب اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مستحب ہے۔

دوسری بات: عورت کے لیے ارشاد فرمایا کہ عورت نقاب نہ ڈالے۔ آئمہ اربعہ کے ہاں یہ اتفاقی حکم ہے کہ عام حالت میں نقاب نہ ڈالے مگر بے پردگی کا خطرہ ہو۔ مثلاً اجنبی لوگ ساتھ ہوں تو نقاب مستحب ہے لیکن اس طرح ڈالے کہ وہ چہرے کو نہ لگے۔

تیسری بات: قفازین، قفاز کی تثنیہ ہے بمعنی دستانہ یہ احرام کی حالت میں عورت کے لیے پہننا جائز نہیں، عورت کا احرام وجہ میں ہے، کفین کو بعض احرام میں داخل مانتے ہیں، بعض نہیں مگر قفازین کا استعمال سب کے ہاں مکروہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ السَّرَاوِيلِ وَالْخُفَّيْنِ لِلْمُحْرِمِ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْإِزَارَ وَالنَّعْلَيْنِ

اگر لنگی اور جوتے نہ ہوں تو شلوار اور موزے پہن لے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْمُحْرِمُ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْإِزَارَ فَلْيَلْبَسِ السَّرَاوِيلَ وَإِذَا لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے جب کہ محرم تہبند نہ پائے تو پاجامہ پہنے اور جب جوتیاں نہ ہوں تو موزے پہن لے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: محرم سلا ہوا کپڑا پہن سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پہن لے تو فدیہ آئے گا یا نہیں؟

قول اوّل: امام شافعی، امام احمدؒ کے نزدیک محرم کو ازار مہیا نہ ہو تو سلا ہوا، پاجامہ پہن سکتا ہے اور اس کے پہننے کی وجہ سے اس پر فدیہ بھی واجب نہیں۔

قول ثانی: حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس صورت میں سلا ہوا پاجامہ پہننا جائز نہیں، اگر اس کے پاس شلوار موجود ہو تو اسے پھاڑ کر اسے ازار بنالے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر شلوار پہن لے لیکن اس صورت میں فدیہ کا اداء کرنا ضروری ہے۔

ہماری دلیل: وہ احادیث جن میں سلے ہوئے کپڑے پہننے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

امام شافعی کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے وہ اس کے ظاہر حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ بعد الشق پر محمول ہے۔ اس پر امام شافعی رحمہ اللہ اعتراض کرتے ہیں کہ بعد الشق یہ اضاعت المال ہے؟

جواب: یہ اضاعت مال نہیں بلکہ اس کو دوسرے طریقہ سے استعمال کرنا ہے، اضاعت مال تب ہوگا جب اس کو پھاڑ کر پھینک دیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يُحْرِمُ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ أَوْ جُبَّةٌ جو شخص قمیص یا جبہ پہن کر احرام باندھے

عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْرَابِيًّا قَدْ أَحْرَمَ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ فَأَمَرَهُ أَنْ يَنْزِعَهَا.

ترجمہ: حضرت عطاء سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں یعلی بن اُمیہ سے کہا دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو احرام باندھے ہوئے اور اس کے بدن پر جبہ تھا تو فرمایا اُتار ڈال اس کو۔

تشریح: مسئلہ، کسی نے نیت کی اور تلبیہ پڑھ کر محرم بن گیا۔اس نے قمیص پہنی ہوئی تھی، اس کو مسئلے کا علم نہ تھا، جب علم ہوا تو اب یہ قمیص کس طرح اُتارے گا۔معتاد طریقے سے اُتارے گا یا پھاڑ کر۔

قول اوّل: ابراہیم نخعی اور امام شعبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس کو پھاڑ کر نکالے گا۔

قول ثانی: امام اعظم، امام شافعی، امام احمد اور امام مالک رحمہم اللہ کے ہاں معتاد طریقے کے مطابق نکالے۔باب کی حدیث جمہور کی مستدل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ مِنَ الدَّوَابِّ

محرم کا کن جانوروں کو مارنا جائز ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ فَوَاسِقَ يُقْتَلْنَ فِي الْحَرَمِ الْفَأْرَةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْغُرَابُ وَالْحُدَيَّا وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ فاسق مارے جاتے ہیں احرام میں، ایک چوہا، دوسرا بچھو، تیسرا کوا، چوتھا چیل، پانچویں کٹکھنا (کاٹنے والا) کتا۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ السَّبُعَ الْعَادِيَ وَالْكَلْبَ الْعَقُورَ وَالْفَأْرَةَ وَالْعَقْرَبَ وَالْحِدَأَةَ وَالْغُرَابَ.

ترجمہ: حضرت ابی سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محرم کو درست ہے (مارنا) ہر درندے کاٹنے والے کو مارنا اور کٹکھنے (کاٹنے والے) کتے کو اور چوہے اور بچھو اور چیل اور کوے کو۔

تشریح: فواسق کو قتل کرنے کی علت کیا ہے؟ اس مسئلہ میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں ان جانوروں کے قتل کرنے کی علت غیر ماکول اللحم ہونا ہے۔ان کو قتل کرنا اس لیے جائز ہے کہ ان کو کھایا نہیں جاتا۔

قول ثانی: امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک ان جانوروں کو قتل کرنے کی علت اذی ہے۔ گویا ہر وہ جانور جو اذیت کا سبب بنے، اس کو قتل کرنا جائز ہے۔

دلیل احناف: حدیث ابوسعید خدری ہے جس میں "السبع العادی" کے الفاظ ہیں، اسی طرح کلب عقور کا ذکر ہے۔

"الکلب العقور" احناف اور جمہور کے ہاں اس سے عام کتا مراد ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس سے شیر مراد لیتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الحِجَامَةِ لِلْمُحْرِمِ محرم کا پچھنے لگانا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگائے احرام میں۔

تشریح: مسئلہ اختلافی: حالت احرام میں حجامہ لگوانے کا کیا حکم ہے؟

اس مسئلہ میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، امام احمد و امام اسحاق، امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک محرم کے لیے حجامہ لگوانا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ حجامت کی وجہ سے بال نہ کاٹے جائیں، اگر بال کاٹے گئے تو فدیہ لازم آئے گا۔

قول ثانی: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بغیر ضرورت شدیدہ کے حجامہ لگوانے کی ضرورت نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مستدل یہ حدیث الباب ہے۔ جب امام مالک اس حدیث کو ضرورت شدیدہ پر محمول کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ تَزْوِيجِ الْمُحْرِمِ احرام کی حالت میں نکاح کرنا مکروہ ہے

عَنْ نُبَيْهِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ أَرَادَ ابْنُ مَعْمَرٍ أَنْ يُنْكِحَ ابْنَهُ فَبَعَثَنِي إِلَى أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ وَهُوَ أَمِيرُ الْمَوْسِمِ بِمَكَّةَ فَأَتَيْتُهُ، فَقُلْتُ إِنَّ أَخَاكَ يُرِيدُ أَنْ يُنْكِحَ ابْنَهُ فَأَحَبَّ أَنْ يُشْهِدَكَ ذٰلِكَ قَالَ لَا أُرَاهُ إِلَّا أَعْرَابِيًّا جَافِيًا إِنَّ الْمُحْرِمَ لَا يَنْكِحُ وَلَا يُنْكِحُ، أَوْ كَمَا قَالَ. ثُمَّ حَدَّثَ عَنْ عُثْمَانَ مِثْلَهُ يَرْفَعُهُ.

ترجمہ: حضرت نبیہ ابن وہب سے روایت ہے کہا ارادہ کیا ابن معمر نے کہ نکاح کریں اپنے بیٹے کا سو بھیجا مجھ کو ابان بن عثمان کے پاس کہ امیر یعنی سردار تھے حاجیوں کے سو گیا میں ان کے پاس اور کہا میں نے ان سے کہ بھائی تمہارے نکاح کیا (کرنا) چاہتے ہیں اپنے بیٹے کا اور چاہتے ہیں کہ گواہ کریں تم کو اس بات پر تو فرمایا انہوں نے میں اس کو ایک گنوار، بے عقل جانتا ہوں اس لیے کہ البتہ محرم نہ خود نکاح کرے اور نہ کسی دوسرے کا نکاح کرائے یعنی وکالۃ یا دلالۃ یا ایسا ہی کچھ کہا۔ پھر حدیث بیان کی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی کے مثل اور مرفوع کیا اس کو۔

عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ تَزَوَّجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ حَلَالٌ وَبَنَى بِهَا وَهُوَ

حَلَالٌ وَكُنْتُ أَنَا الرَّسُولَ فِيمَا بَيْنَهُمَا.

ترجمہ حضرت ابی رافع سے روایت ہے کہ نکاح کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی میمونہ سے اور وہ بے احرام کے تھے اور صحبت کی اور وہ بے احرام کے تھے اور میں پیغام لانے والا تھا ان دونوں کے بیچ میں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذَٰلِكَ محرم کے لیے نکاح کی اجازت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نکاح کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ رضی اللہ عنہا سے احرام میں اور مراد اس سے عقد نکاح ہے۔

عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ

ترجمہ ایوب نے روایت کی عکرمہ سے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نکاح کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ رضی اللہ عنہا سے احرام میں اور مراد اس سے عقد نکاح ہے۔

عَنْ مَيْمُونَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ حَلَالٌ وَبَنَى بِهَا حَلَالًا وَمَاتَتْ بِسَرِفَ وَدَفَنَّاهَا فِي الظُّلَّةِ الَّتِي بَنَى بِهَا فِيهَا.

ترجمہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا جب احرام نہ تھا اور صحبت بھی کی جب محرم نہ تھے اور کہا راوی نے وفات پائی میمونہ رضی اللہ عنہا نے سرف میں اور دفن کیا ہم نے ان کو اسی لان (رہائش) میں کہ جہاں صحبت کی تھی ان سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

تشریح ان دونوں ابواب میں ایک معرکۃ الاراء مسئلہ کا بیان ہے۔

مسئلہ اختلافی: محرم حالت احرام میں نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ حالت احرام میں جماع بالاتفاق جائز نہیں، اختلاف اس میں ہے کہ حالت احرام میں عقد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک احرام کی حالت میں نکاح جائز ہے، البتہ جماع اور دواعی جماع ناجائز ہیں۔

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ رحمہ اللہ کا بڑا سخت مؤقف ہے کہ محرم کا نکاح سرے سے جائز ہی نہیں بلکہ باطل ہے، اگر منعقد کر لیا تو وجودہ وعدمہ سواء یعنی اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

منشاء اختلاف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ احرام کی حالت میں ہوا یا عدم احرام میں، احناف کہتے ہیں حالت احرام میں ہوا۔ آئمہ ثلاثہ کا مؤقف یہ ہے کہ عدم احرام میں ہوا۔

احناف کا مستدل: "باب ماجاء فی رخصة فی ذلک" میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما "ان النبی صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم تزوّج میمونۃ وھو محرم" دو تین سندوں کے ساتھ نقل کیا اور اس کی مزید تائید قیاس سے ہوتی ہے، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے محرم آدمی حالت احرام میں اُمہ کو خرید لے تو یہ شراء بالکل جائز ہے اور بالا جماع جائز ہے باوجود اس کے مفضی الی الجماع ہے ایسے ہر نکاح بھی حالت احرام میں جائز ہونا چاہیے، یہ بھی مفضی الی الجماع ہے۔

شوافع رحمہ اللہ کا مستدل: "باب ماجاء فی کراھیۃ تزویج المحرم" میں حدیث ابی رافع "ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تزوّج میمونۃ وھو حلال"

(۲) حدیث یزید بن اصم، "ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تزوّج میمونۃ وھو حلال" جب غیر محرم کی حالت میں ہوا تو معلوم ہوا کہ احرام کی حالت میں جائز نہیں، اس کی مزید تائید حدیث عثمان حدیث قولی سے بھی ہوتی ہے، "لا ینکح ولا یُنکح ولا یخطُب" اور مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب حالت احرام میں، معمر نے اپنے بیٹے کا نکاح کرنا چاہا اور ابان بن عثمان کو مجلس نکاح میں شریک کرنا چاہا تو ابان بن عثمان نے شریک ہونے سے انکار کر دیا اور حدیث قولی پیش کر دی۔

احناف کی تائید قیاس سے ہوتی ہے جبکہ آئمہ ثلاثہ کی تائید حدیث قولی سے ہوتی ہے چونکہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما احناف کے موافق ہے اس لیے اس پر اعتراض کر دیئے۔

اعتراض (۱): اس حدیث میں "وھو محرم" کے جو الفاظ ہیں، وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نقل کیے ہیں۔

اعتراض (۲): امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس میں "وھو محرم" کا معنی یہ ہے کہ نکاح عدم احرام میں ہوا لیکن اس کا چرچا اور شہرت حالت احرام میں ہوئی۔

اعتراض (۳): "وھو محرم" کا معنی یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح حالت احرام میں کیا بلکہ معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل فی الحرم تھے۔ باقی رہی یہ بات کہ اس کا یہ معنی یعنی داخل فی الحرم استعمال ہوتا ہے یا نہیں تو فصحاء بلغاء کی کلام میں ایسا واقع ہوتا ہے جیسے شاعر نے شعر کہا "قتلوا عثمان بن عفان الخلیفۃ محرمًا" یہاں محرم داخل فی الحرم کے معنی میں ہے کیونکہ یہ شہید کیے گئے مدینہ میں وہاں احرام والا معنی نہیں کر سکتے، داخل فی الحرم ہی معنی ہوگا جیسے مکہ کا حرم ہے ایسے ہی مدینہ کا حرم بھی ہے۔ پس حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں بھی محرم کا معنی داخل فی الحرم ہوگا۔

اعتراض (۴): یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما فعلی حدیث ہے جو دال ہے محرم کے نکاح کے جواز پر اس کے مقابلے میں حدیث عثمان قولی ہے جو محرم کے نکاح کے عدم جواز پر دال ہے اور قولی فعلی حدیث میں جب تعارض ہو جائے تو قولی حدیث اولیٰ بالاستدلال ہوتی ہے۔

اعتراض (۵): اگر اس سے بھی قطع نظر کر لیں تو حدیث ابو رافع اور حدیث یزید بن اصم اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں تعارض ہے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما دال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حالت احرام میں ہوا اور دوسری دونوں حدیثیں دال ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح غیر محرم ہونے کی حالت میں ہوا اور ظاہر ہے کہ حدیث ابو رافع اور

حدیث یزید بن اصم راجح ہیں، حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے۔

وجہ ترجیح: ابو رافع اس نکاح کے معاملے میں پیغام رساں ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے درمیان اور ظاہر ہے کہ قاصد کو اس کا زیادہ علم ہوگا کہ نکاح حالت احرام میں ہوا یا غیر احرام میں اور یزید بن اصم راجح اس لیے ہے کہ یزید بن اصم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں اور براہِ راست حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کررہے ہیں، گویا کہ صاحب واقعہ ہوئے۔

اعتراض (٦): اگر ان سے بھی قطع نظر کرلیں تو پھر حالت احرام میں نکاح کرنا خصوصیت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔

اعتراض اوّل کا جواب (١): یہ دعویٰ وہم ہے اس پر دلیل نہیں اور دعویٰ بلا دلیل معتبر نہیں۔

جواب (٢): امام ابوداودؒ نے سعید بن مسیب کا قول نقل کیا، اس کی سند میں رجل مجہول ہے۔ "عن رجل عن سعید بن المسیب" لہٰذا اس کا قول سعید بن مسیب ہونا خود ہی وہم ہے۔

جواب (٣): ابن عباس رضی اللہ عنہما پر اعتراض وہ شخص کرے جو علم وفضل میں ان سے بھی زیادہ فائق ہو، ہاں اگر خلفاء راشدین یا اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ہے تو پھر تسلیم کرتے ہیں لیکن یہاں پر تو قول سعید بن مسیب ہے، کیا سعید بن مسیب علم وفضل میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بڑھے ہوئے ہیں، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے مؤطا امام محمد کے بعض حواشی میں ایک قصہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک بڑھیا جس کو برص بیماری تھی وہ طواف کیا کرتی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم گھر میں بیٹھ کر نوافل پڑھ لیا کرو کعبۃ اللہ کے طواف کے لیے نہ آیا کرو، اس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے اس بڑھیا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے کی وجہ سے طواف چھوڑ دیا اور گھر میں نوافل پڑھنے شروع کردیئے، چلتے چلاتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوگئی اس کے بعد اس بڑھیا کو کسی نے کہا کہ جس نے تم کو روکا تھا ان کی وفات ہوگئی ہے اب رُکاوٹ نہیں، اب طواف کرو، اس پر اُس نے کہا کہ میں وہ بڑھیا نہیں ہوں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حیات میں حکم کو بجالائے اور وفات کے بعد مخالفت کرے، بعض علماء نے لکھا کہ اس بڑھیا نے تنبیہ کی اس بات پر کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مجھ کو طواف سے منع کرنا، ان کے اجتہاد کی وجہ سے تھا، اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کو وہی توڑ سکتا ہے جو علم وفضل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھا ہوا ہو، بالکل ایسے ہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اجتہاد کو وہی شخص توڑ سکتا ہے جو ان سے علم وفضل میں بڑھا ہوا ہو۔ آج کے غیر مقلدوں کی سمجھ اس بڑھیا سے بھی گئی گزری ہے۔

اعتراض ثانی کا جواب:

بیشک یہ احتمال ہے کہ اس کا چرچا اور شہرت حالت احرام میں ہوا لیکن یہ احتمال ناشی من غیر دلیل ہے واقعہ پر منطبق نہیں بلکہ معاملہ برعکس ہے۔ چنانچہ طحاوی اور دیگر کتابوں میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام سرف میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا، جب مکہ پہنچے تو تین دن کی صلح ہوئی تھی جب مدت صلح ختم ہوئی تو روسا مکہ نے کہا کہ چلے جائیں۔ اس پر نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا ہے، اس میں تم کو بھی شریک کرنا چاہتا ہوں تو انہوں نے کہا کہ ہمیں ضرورت نہیں، بس آپ چلے جائیں، ان روایات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ حالت عدم احرام میں نکاح کا چرچا ہوا کیونکہ افعال عمرہ سے فارغ ہوکر اظہار ہو۔

سوال: اس پر تو اجماع ہے کہ یہ نکاح مکہ کی طرف جاتے ہوئے مقام سرف میں ہوا ہے عمرۃ القضاء کے وقت سنہ ۷ ہجری میں؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح غیر محرم ہونے کی حالت میں ہوا تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذوالحلیفہ سے مقام سرف تک غیر محرم رہے، اس سے لازم آئے گا تجاوز المیقات بغیر احرام اور میقات سے بغیر احرام کے تجاوز صحیح نہیں۔ احناف کے مذہب کے مطابق تجاوز المیقات بغیر احرام لازم نہیں آتا اور شوافع حضرات کہتے ہیں کہ ابھی میقات مقرر نہیں ہوئے تھے لیکن یہ احتمال ناشی من غیر دلیل ہے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ کے لیے سنہ ۶ ہجری میں تشریف لے گئے اور ذوالحلیفہ سے احرام باندھا تھا۔ لہٰذا احناف کا شبہ بدستور باقی رہا۔

اعتراض ثالث کا جواب: "نحن لا نسلّم" ہم تسلیم نہیں کرتے کہ محرم کا معنی داخل فی الحرم ہے۔ باقی حضرت عثمان کے واقعہ کی سند کا جواب یہ ہے کہ اس میں بھی محرماً کا معنی داخل فی الحرم نہیں، پھر کیا معنی ہے اور احناف والا معنی بھی نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ حضرت عثمان حالت احرام میں نہیں تھے بلکہ اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ بے قصور تھے، اب اس کا معنی یہ ہوا کہ باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اس حال میں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بے قصور تھے، اب زیادہ سے زیادہ یہ سوال ہوگا کہ بے قصور محرم کا معنی فصحاء بلغاء کی کلام میں استعمال ہوا ہے یا نہیں؟

جواب: استعمال ہوتا ہے چنانچہ دوسرا شاعر کسریٰ کے بارے میں کہتا ہے "قتلوا کِسری بلیل محرمًا" شاعر اپنے زعم کے مطابق کہتا ہے کہ وہ محرم تھا، اب ظاہر ہے کہ وہ نہ تو حالت احرام میں تھا اور نہ ہی داخل فی الحرم بلکہ وہ بے قصور تھا۔ چنانچہ ہارون الرشید کی دربار علمی میں مناظرہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ امام اصمعی اور امام کسائی جمع ہوگئے تو ہارون الرشید نے ان سے کہا کہ علمی مناظرہ ہونا چاہیے تو امام اصمعی رحمہ اللہ نے امام کسائی سے پوچھا کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں "وھو محرمٌ" کا کیا معنی ہے تو امام کسائی نے فرمایا کہ داخل فی الحرم ہے۔ امام اصمعی نے کہا کہ دلیل امام کسائی نے "قتلوا عثمان بن عفان محرِمًا" پیش کیا، پھر امام اصمعی نے کہا کہ "قتلوا کسریٰ بلیل محرمًا" کا کیا معنی کیا ہے تو امام کسائی خاموش ہوگئے۔ ہارون الرشید نے پوچھا کہ پھر اس کا کیا معنی ہے تو انہوں نے کہا کہ معنی اس کا بے قصور ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں "وھو محرمٌ" کا معنی داخل فی الحرم کیوں تسلیم نہیں کرتے، اس لیے کہ اس پر اجماع ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح مقامِ سرف میں ہوا اور سرفِ مقام خارج عن الحرم ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کیا در آں حالانکہ داخل فی الحرم تھے اور مقام سرف میں تھے اور حالانکہ سرف مقام تو حرم میں نہیں۔

چوتھے اعتراض کا جواب (۱): قولی حدیث کو تب ترجیح ہوتی ہے جب سنداً اصح ہو اور مدلول میں محکم ہو جبکہ حدیث

ابن عباس رضی اللہ عنہما اصح سنداً ہے۔ شیخین کی حدیث ہونے کی وجہ سے اور حدیث عثمان قولی اصح سنداً نہیں ہے۔ نیز حدیث عثمان رضی اللہ عنہ محکم بھی نہیں، یہ احتمال ہے کہ "لا یَنکِحُ" میں نہی تنزیہی ہو، تحریمی نہ ہو، اس پر قرینہ بھی ہے "لایخطب" ظاہر ہے پیغام نکاح سے نہی تنزیہی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ نکاح بمعنی وطی ہے اور وطی کے حرام ہونے کے ہم بھی قائل ہیں۔ شوافع کہتے ہیں کہ "لاینکح" پر یہ معنی وطی والا منطبق نہیں ہوتا۔

جواب (۲): "لا یَنکِحُ" کا معنی وطی پر قدرت نہ دینا ہے۔

اعتراض خامس کا جواب: بے شک ابورافع قاصد ہیں، پیغام نکاح کے بعد علیحدہ ہو گئے، مجلس نکاح میں شریک نہیں ہوئے، باقی حضرت یزید بن اصم بھانجے ہیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی بھانجے ہیں اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی فضیلت کو نہیں پہنچے ہوئے، باقی رہی یہ بات کہ صاحب واقعہ سے نقل کر رہے ہیں لیکن حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا مجلس نکاح سے دور تھیں۔

اعتراض سادس کا جواب:

دعویٰ خصوصیت بے دلیل نہیں ورنہ تو ساری شریعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہوگی، اصل عموم ہے خصوصیت اصل نہیں۔

آئمہ ثلاثہ کی دلیلوں کا جواب: حدیث ابورافع اور حدیث یزید بن اصم مؤوّل ہیں۔

تاویل (۱): کہ تزوج بمعنی رخصتی اور شب زفاف کے ہے یعنی جماع حالت غیر احرام میں کیا۔

تاویل (۲): حدیث ابورافع اور حدیث یزید بن اصم میں "وھو حلال" کا معنی یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت حل میں تھے یہ ۱۰۰ فیصد واقع کے مطابق ہے کیونکہ سرف مقام حل میں ہے بخلاف شوافع کی توجیہ کے کہ اس صورت میں تجاوز المیقات بغیر الاحرام لازم آئے گا۔

تاویل (۳): کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح کا چرچا حالت عدم احرام میں ہوا۔

جواب (۲): یہاں دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حدیثین میں یعنی حدیث ابورافع اور حدیث یزید بن اصم میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت احرام میں نکاح ہوا اور حدیثین سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح حالت عدم احرام میں ہوا، اب ہم کہتے ہیں، حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما راجح ہے۔ وجوہ ترجیح مندرجہ ذیل ہیں۔

وجوہ ترجیح (۱): حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اصح سنداً ہونا یہی وجہ ہے کہ یہ صحیحین میں موجود ہے اور بخاری میں دو جگہ موجود ہے اور حدیث ابورافع اور حدیث یزید بن اصم یہ دونوں سنن کی ہیں۔

وجہ ترجیح (۲): حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں راوی ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جو فقاہت کا مقام حاصل ہے وہ مقام ابورافع اور یزید بن اصم کو حاصل نہیں۔

وجہ ترجیح (۳): حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما غیر مضطرب ہے جبکہ حدیث ابورافع مضطرب ہے مسنداً ہے یا مرسلاً ہے۔ ترمذی شریف میں دونوں طرح ہے اور اسی طرح حدیث یزید بن اصم میں اضطراب ہے کہ حضرت میمونہ

رضی اللہ عنہا سے براہِ راست نقل کر رہے ہیں یا بالواسطہ۔

وجہ ترجیح (۴): حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما مثبت للزیادۃ ہے اصل جو ہے حالت عدم احرام ہے اور حالت احرام ایک امر زائد ہے۔

وجہ ترجیح (۵): حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما موافق قیاس ہے کیونکہ "شراء للامۃ" بالاجماع جائز ہے وطی جائز نہیں تو اسی طرح عقد نکاح بھی جائز ہے۔

حدیث قولی کا جواب (۱): اس میں نہی تنزیہی ہے نہ کہ نہی تحریمی، اس پر قرینہ "ولا یخطب" ہے کہ پیغام نکاح سے نہی تنزیہی ہے۔اسی طرح اس سے بھی نہی تنزیہی ہے۔

جواب (۲): حدیث قولی کے مقابلے میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما اصح سنداً ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الصَّيْدِ لِلْمُحْرِمِ محرم کا شکار کا گوشت کھانا

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَيْدُ الْبَرِّ لَكُمْ حَلَالٌ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ مَالَمْ تَصِيدُوهُ أَوْ يُصَدْ لَكُمْ.

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگل کے شکار کا گوشت تم کو حلال ہے حالت احرام میں جب تک تم نے خود شکار نہ کیا ہو یا تمہارے حکم سے شکار نہ کیا گیا ہو یعنی اگر تم خود شکار کرو یا تمہارے حکم سے ہو تو اس کا کھانا حلال نہیں۔

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّهُ كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِبَعْضِ طَرِيقِ مَكَّةَ تَخَلَّفَ مَعَ أَصْحَابٍ لَهُ مُحْرِمِينَ وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ، فَرَأَى حِمَارًا وَحْشِيًّا فَاسْتَوَى عَلَى فَرَسِهِ فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ أَنْ يُنَاوِلُوهُ سَوْطَهُ فَأَبَوْا فَسَأَلَهُمْ رُمْحَهُ فَأَبَوْا عَلَيْهِ فَأَخَذَهُ ثُمَّ شَدَّ عَلَى الْحِمَارِ فَقَتَلَهُ فَأَكَلَ مِنْهُ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَى بَعْضُهُمْ فَأَدْرَكُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلُوهُ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ إِنَّمَا هِيَ طُعْمَةٌ أَطْعَمَكُمُوهَا اللهُ.

ترجمہ حضرت ابی قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہیں راہ میں مکے کے پھر پیچھے رہ گئے اپنے کچھ یاروں کے ساتھ اور وہ یار احرام باندھے ہوئے تھے اور ان کو احرام نہ تھا سو دیکھا قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک وحشی گدھا سو چڑھے اپنے گھوڑے پر اور سوال کیا اپنے لوگوں سے کہ کوڑا دیں سو انکار کیا ان لوگوں نے پھر نیزہ مانگا ان سے تو بھی انکار کیا انہوں نے تو آپ ہی لے لیا انہوں نے یعنی کوڑا اور نیزہ پھر دوڑے اس گدھے پر اور اس کو مارا اور کھایا اس میں سے بعض صحابیوں نے یعنی محرموں نے اور بعض نے انکار کیا

پھر ملے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ایک کھانا تھا کہ اللہ نے تم کو کھلا دیا یعنی وہ تم کو حلال تھا اگر چہ تم احرام میں ہو۔

تشریح اس کے متعلق ابحاث آنے والے باب میں آ رہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ لَحْمِ الصَّيْدِ لِلْمُحْرِمِ

شکار کا گوشت محرم کو کھانا مکروہ ہے

عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ الصَّعْبَ بْنَ جَثَّامَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهِ بِالأَبْوَاءِ أَوْ بِوَدَّانَ فَأَهْدَى لَهُ حِمَارًا وَحْشِيًّا فَرَدَّهُ عَلَيْهِ فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فِي وَجْهِهِ مِنَ الْكَرَاهِيَةِ فَقَالَ إِنَّهُ لَيْسَ بِنَا رَدٌّ عَلَيْكَ وَلَكِنَّا حُرُمٌ.

ترجمہ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خبر دی ان کو کہ صعب بن جثامہ نے خبر دی ان کو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صعب کو لے گئے اپنے ساتھ ابواء میں یا ودان کہ وہ دونوں مقام مکے کے بیچ میں ہیں۔ سو ہدیہ لائے صعب ایک حمار (گدھا) وحشی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھیر دیا، پھر جب دیکھا ملال ان کے چہرے میں تو کہا یہ ہم نے اس لیے پھیر دیا کہ ہم احرام باندھے ہوئے ہیں یعنی مجبوری ہے۔

تشریح مسئلہ (۱): محرم کے لیے سمندری شکار بالاجماع جائز ہے۔

مسئلہ (۲): صید البر اس کے متعلق اجماع ہے کہ حالت احرام میں حرام ہے۔ البتہ تفصیلات میں اختلاف ہے۔

(۱) اگر محرم نے خود شکار کیا ہو یا شکاری کی اعانت کی ہو، عام ازیں اعانت قولاً ہو یا دلالۃً ہو یا اشارۃً ہو یا فعلاً ہو تو پھر اجماع ہے کہ یہ شکار محرم کے لیے حرام ہے۔

(۲) غیر محرم نے اپنے کھانے کے لیے شکار کیا، محرم کی اعانت کو اس میں بالکل دخل نہیں، ایسا شکار محرم کے لیے کھانا بالاجماع جائز ہے۔

(۳) غیر محرم نے محرم کو کھلانے کے ارادے سے شکار کیا ہو لیکن محرم کی اعانت کو دخل نہیں، اس صورت میں جو شکار غیر محرم نے محرم کو کھلانے کے ارادے سے کیا اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

بعنوان آخر: حرمت لحم صید میں نیت مؤثر ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے ہاں مؤثر نہیں۔ لہٰذا اس تیسری صورت میں شکار کا کھانا جائز ہے۔

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ کے ہاں نیت مؤثر ہے یعنی محرم کے لیے ایسے شکار کا گوشت کھانا جائز نہیں۔

احناف کی دلیل اوّل: حدیث ابوقتادہ ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اپنے محرم ساتھیوں کے ساتھ تھے، ایک حمارِ وحشی کو دیکھا تو ساتھیوں کو کہا کہ وہ چیز یعنی دُرّہ پکڑاؤ، انہوں نے انکار کر دیا تو خود نیزہ پکڑا اور شکار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو فرمایا، ''انماھی طعمہ اطعمکموھا'' اور ظاہر ہے کہ اتنا بڑا شکار اپنے ساتھیوں کے کھلانے کے لیے ہی کیا ہوگا۔

سوال: اس صورت میں تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا تجاوز المیقات بغیر الاحرام لازم آئے گا؟

جواب: ان کا مکہ میں جانے کا ارادہ نہیں تھا، ان کو کسی اور کام کے لیے بھیجا تھا، ایسی صورت میں میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں ہوتا۔

دلیل ثانی: حدیث طلحہ ہے ''انہ اھدی لحمہ علیہ السلام لحم طیر وھو محرم فاوفق لحمہ وقال اکلناہ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم، اخرجہ مسلم'' معلوم ہوا کہ محرم کو اگر کوئی لحم صید بطور ہدیہ پیش کر دے تو یہ جائز ہے تو اس کا اکل جائز ہے۔ نیز اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں پوچھا کہ یہ شکار کہیں میرے لیے تو نہیں کیا تھا، معلوم ہوا کہ غیر محرم کے شکار کا لحم محرم کے لیے مطلقاً جائز ہے، خواہ اس نے محرم کے لیے نیت کی ہو یا نہ ہو۔

دلیل ثالث: بیہقی کی روایت ہے ''ان الصعب أھدی للنبی صلی اللہ علیہ وسلّم عجز حمار وحش وھو بالجحفۃ فاکل منہ واکل القوم'' بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جب گوشت پیش کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار کیا اور فرمایا ''انا محرمون'' علماء لکھتے ہیں کہ دونوں حدیثوں میں تعارض ہے تطبیق یوں ہوگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو رد فرمایا وہ زندہ شکار کیا اور جو قبول کیا وہ لحم صید تھا۔

دلیل رابع: روایت میں ہے حضرت بہز ''انہ خرج مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرید مکۃ'' تو بہز نے راستہ میں حمار وحش کا شکار کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گوشت پیش کیا، ''فامر رسول اللہ ابا بکر فقسمہ . . . وھم محرمون رواہ احمد والنسائی''

آئمہ ثلاثہ کی دلیل: حدیث جابر رضی اللہ عنہ، باب کے شروع میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''صید البرّ لکم حلال وانتم حرم مالم تصیدوہ'' یعنی تم نے شکار نہ کیا ہو ''اویصد لکم'' اور تمہارے ارادے سے شکار نہ کیا گیا ہو، اب اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر کھلانے کے ارادے سے کیا ہو تو لا یجوز۔

جواب (۱): مؤوّل ہے ''یُصید لکم'' میں لام اجلیہ نہیں بلکہ توقیتی ہے یعنی جب تک تمہارے حکم سے شکار نہ کیا ہو اور جس وقت ''لامر کم'' میں لام ''اجلیہ'' ہو تو یعنی تمہارے حکم کی وجہ سے ہو تو لا یجوز۔

جواب (۲): یہ حدیث سنداً منقطع ہے جابر کے نیچے جو راوی مطلب ہیں ان کا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ نیز مطلب ضعیف ہیں اور ان سے نیچے دو راوی عمرو بن عمرا اور مصعب پر بھی کلام ہے۔

دلیل (۲): حدیث صعب بن جثامہ ''باب ماجاء فی کراھیۃ لحم الصید للمحرم'' کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام بواء یا مقام بودان سے حضرت صعب کے پاس گزرے، انہوں نے حمار وحشی ہدیہ میں پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

واپس کردیا، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول نہ کیا تو حضرت صعب پریشان ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تطییب قلبی کے لیے فرمایا کہ ہم نے جو ہدیہ واپس کیا ہے اس لیے کہ ہم حالت احرام میں تھے، اب ظاہر ہے کہ صعب نے جو حمار پیش کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھلانے کے ارادے سے پیش کیا ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ حرمت لحم صید میں نیت مؤثر ہے۔

جواب: حضرت صعب بن جثامہ نے جس حمار وحشی کو پیش کیا تھا وہ زندہ تھا اور زندہ جانور کی طرف محرم تعرض نہیں کرسکتا۔قرینہ اس پر یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر عنوان قائم کیا کہ جب محرم کو زندہ شکار دیا یا پیش کیا جائے اس عنوان سے یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ وہ زندہ تھا۔

سوال: ترمذی کی بعض روایتوں میں ہے کہ لحم پیش کیا؟ جواب (۱): جن روایتوں میں لحم کا ذکر ہے وہ سنداً کمزور ہیں۔

جواب (۲): ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا ہو کہ صعب نے جو شکار پیش کیا ہے اس میں کسی محرم کی اعانت کا دخل ہے اور ظاہر ہے ایسی صورت میں شکار محرم کے لیے جائز نہیں۔

فائدہ: ابتدائے بحث سے معلوم ہوا کہ صید بحر محرم کے لیے باتفاق جائز ہے اور صید بر باتفاق حرام ہے اور علماء نے لکھا ہے باتفاق محرم آدمی بکری اونٹ وغیرہ ذبح کرسکتا ہے کیونکہ یہ صید نہیں ہے یہ مانوس حیوان ہیں اور صید متنفر ہوتا ہے۔لہٰذا تعریف صید ضروری ہے۔فقہاء صید بمعنی مصید کی یہ تعریف کرتے ہیں "والحیوان الممتنع المتوحش من الناس فی اصل الخلق اما بقوائمہ او جناحہ" لہٰذا ذبح بقر وابل محرم پر رام نہیں ہے اسی طرح وہ بطخ جو گھروں میں رہتی ہے لیکن جو بطخ اُڑتی ہے وہ صید ہے اور جو کبوتر جنگلی ہیں وہ صید ہیں اور گھریلو کبوتر صید نہیں ہیں، کلب بھی صید نہیں ہے کیونکہ یہ سب مانوس وغیر متوحش ہیں فطرتاً، لہٰذا اگر اونٹ بھگوڑا ہوا کر متوحش ہو جائے تو یہ پھر بھی صید نہیں ہے کیونکہ یہ وحشت عارضی ہے۔اسی طرح جو ہرن گھر میں پالے وہ صید ہے کیونکہ فطرتاً متوحش ہے اور اس کا انس عارضی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَيْدِ الْبَحْرِ لِلْمُحْرِمِ

سمندری جانوروں کا شکار محرم کو حلال ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ فَاسْتَقْبَلَنَا رِجْلٌ مِنْ جَرَادٍ فَجَعَلْنَا نَضْرِبُهُ بِسِيَاطِنَا وَعِصِيِّنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوهُ فَإِنَّهُ مِنْ صَيْدِ الْبَحْرِ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نکلے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کو یا عمرے کو تو ہمارے سامنے آ گئی ایک ٹکڑی ٹکڑی یعنی ملخ کی سو ہم مارنے لگے اپنے کوڑوں اور لاٹھیوں سے اور فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھاؤ اسے یہ تو دریا کا شکار ہے۔

تشریح: محرم کے لیے بحری شکار بالاتفاق جائز ہے لیکن بعض جانوروں کے بحری اور بحری نہ ہونے میں اختلاف ہے مثلاً

ٹڈی اس میں جزاء ہے یا نہیں؟ منشاء اختلاف کا یہ ہے کہ صید البر ہے یا بحر ہے۔

قول اوّل: جمہور کے نزدیک صید البر میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ پانی میں داخل کرنے سے مرجاتی ہے، اگر بحری ہوتی تو کیوں مرتی۔ لہٰذا اگر حالت احرام میں قتل کردیا تو اس پر صدقہ واجب ہوگا اور جزاء کی کل چار قسمیں ہوتی ہیں۔

(۱) بدنہ یہ خاص ہے ساتھ گائے اور اونٹ کے (۲) دم یہ خاص ہے ساتھ بکری کے (۳) فدیہ یہ خاص ہے ساتھ تین صاع طعام کے (۴) صدقہ جتنا بھی آسانی سے میسر ہو جیسے مؤطا امام مالک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے "لتمرة خیر من جرادة"

قول ثانی: بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اس کو قتل کرنے پر جزاء لازم نہ ہوگی کیونکہ یہ ان کے نزدیک صید البحر ہے۔

دلیل: حدیث الباب "کلوہ فانه صید البحر"

جواب (۱): یہ محمول تشبیہ پر یعنی "انه لصید البحر" کہ جس طرح اُن کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، اسی طرح اس کو بھی ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔

جواب (۲): اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی ہے ابوالمہزم جسے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الضَّبُعِ يُصِيبُهَا الْمُحْرِمُ محرم کے لیے بجّو کا حکم

عَنِ ابْنِ أَبِي عَمَّارٍ قَالَ قُلْتُ لِجَابِرٍ الضَّبُعُ أَصَيْدٌ هِيَ قَالَ نَعَمْ، قَالَ قُلْتُ آكُلُهَا قَالَ نَعَمْ، قَالَ قُلْتُ أَقَالَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ.

ترجمہ حضرت ابن ابی عمار سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے جابر بن عبداللہ سے کہا ضبع یعنی گوہ شکار میں داخل ہے؟ کہا انہوں نے ہاں پھر پوچھا میں نے کیا کھاؤں میں اس کو؟ یعنی جب احرام نہ ہو تو کہا انہوں نے ہاں! پھر پوچھا میں نے کیا فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہاں۔

تشریح پہلی بات: ضبع کے بارے میں دو مسئلے ہیں۔ (۱) ضبع شکار ہے یا نہیں تو یہ بالاجماع شکار ہے اگر اس کو محرم آدمی نے قتل کردیا تو جزاء لازم ہوگی۔ (۲) ضبع کا کھانا حلال ہے یا حرام ہے؟ احناف و مالکیہ کے ہاں حرام ہے۔ شوافع وحنابلہ کے ہاں حلال ہے۔ چنانچہ احادیث دونوں قسم کی ہیں تو حرمت کی احادیث راجح ہیں۔ (۲) حرمت والی احادیث اباحت والی احادیث کیلئے ناسخ ہیں۔

احناف و مالکیہ کی دلیل مشہور "کل ذی ناب من السباع فهو حرام" اس قاعدہ کلیہ سے ضبع بھی اس میں شامل ہے۔

شوافع وحنابلہ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے۔ احناف فرماتے ہیں کہ اس حدیث پر دو اشکالات ہیں اس لیے یہ استدلال بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

دوسری بات: قال ابو عیسیٰ: پہلا اشکال

یحییٰ بن سعید القطان نے کہا کہ حدیث کے راوی ابن ابی عمار نے اس کو مرفوعاً روایت کرکے غلطی کی ہے۔ دراصل یہ

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف تھی جیسا کہ خود امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کا موقوف ہونا بیان کیا ہے، اور کہا ہے حدیث ابن جریج اصح گویا، اس میں مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے۔

دوسرا اشکال: یہی روایت ابوداؤد میں مذکور ہے اس میں کھانے کا ذکر نہیں، روایت کے الفاظ یہ ہیں "قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم عن الضبع فقال هو صيد، ويجعل فيه كبش اذا اصاده المحرم" اس سے معلوم ہوا کہ کسی راوی نے ضبع کے صید ہونے پر یہ سمجھا کہ وہ حلال ہے حالانکہ شکار تو حرام جانوروں کا بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا راوی نے تسامحاً اکل والا حصہ بھی بڑھا دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاغْتِسَالِ لِدُخُولِ مَكَّةَ مکے میں داخل ہونے کیلئے غسل کرنا

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اغْتَسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِدُخُولِهِ مَكَّةَ بِفَخٍّ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ غسل کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے میں جانے کے لیے فخ میں کہ ایک موضع ہے قریب مکے کے۔

تشریح: اس پر اجماع ہے کہ مکہ میں داخل ہونے کے وقت غسل کرنا مستحب ہے۔ زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں دخول کے لیے غسل کیا۔ یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے جیسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے خود اس کے ضعف کی تصریح کی ہے لیکن اس کے باوجود یہ حدیث دو وجہ سے مقبول ہے۔ (۱) یہ کہ حدیث مؤید بالتعامل ہے۔ (۲) کہ فضائل میں ضعیف حدیث بھی مقبول ہوتی ہے۔

فائدہ: فضائل میں ضعیف حدیث مطلقاً مقبول نہیں بلکہ اس کے لیے تین شرائط ہیں (۱) اس کا ضعف بہت شدید نہ ہو۔

(۲) اس حدیث کا مضمون شریعت کے ثابت شدہ اُصول کے خلاف نہ ہو۔

(۳) ضعیف حدیث پر عمل کرتے وقت اس کے ثابت ہونے کا اعتقاد نہ ہو بلکہ احتیاط کا اعتقاد ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دُخُولِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ مِنْ أَعْلَاهَا وَخُرُوجِهِ مِنْ أَسْفَلِهَا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بلندی کی طرف سے داخل اور پستی کی طرف سے باہر نکلے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى مَكَّةَ دَخَلَ مِنْ أَعْلَاهَا، وَخَرَجَ مِنْ أَسْفَلِهَا

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب پہنچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکے کو تو اندر گئے مکے کے اونچی جانب سے اور باہر نکلے نیچے کی جانب سے۔

تشریح مکۃ المکرمہ میں اپنے اختیار سے داخل ہو تو پھر جنت المعلیٰ کی جانب سے ہو، اس لیے کہ اس صورت میں پہلی نظر کعبۃ اللہ پر پڑے گی اور خروج اسفل جانب ہو۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کی طرف آئے تو مشرقی جانب سے آتے، اس جگہ کا نام کداء ہے اور جب اُترتے تو مغربی جانب سے اُترتے اس کا نام کدیٰ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دُخُولِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ نَهَارًا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں دن کو گئے

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ نَهَارًا.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دن کو مکے میں داخل ہوئے۔

تشریح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امر مستحب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکۃ المکرمہ میں دن کے وقت داخل ہوتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ رُؤْيَةِ الْبَيْتِ

بیت اللہ کے دیکھنے کے وقت ہاتھ اُٹھانا مکروہ ہے

عَنِ الْمُهَاجِرِ الْمَكِّيِّ قَالَ سُئِلَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ أَيَرْفَعُ الرَّجُلُ يَدَيْهِ إِذَا رَأَى الْبَيْتَ فَقَالَ حَجَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَكُنَّا نَفْعَلُهُ.

ترجمہ حضرت مہاجر مکی سے روایت ہے کہ پوچھا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا ہاتھ اُٹھائے آدمی جب دیکھے بیت اللہ کو؟ تو فرمایا انہوں نے ہم نے حج کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو کیا ہم کہیں ہاتھ اُٹھاتے تھے یعنی نہیں اُٹھاتے تھے۔

تشریح بیت اللہ کو دیکھ کر دُعا کرنے کے لیے متعدد احادیث سے ثابت ہے ان میں سے ایک روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر بھی ہے "ان عمر کان اذا نظر الی البیت قال اللّٰھم انت السلام و منک السلام فحینا ربنا بالسلام"

مسئلہ اختلافی: اس کے لیے ہاتھ اُٹھائے جائیں گے یا نہیں؟ اس میں مختلف اقوال ہیں

قول اوّل: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہ میں اس کے متعلق کراہت کا حکم لگاتا ہوں اور نہ ہی استحباب کا البتہ ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا اچھا ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے ترک رفع کو ترجیح دی ہے۔

قول ثانی: احناف کے ہاں رفع یدین مستحب ہے۔

استحباب کے قائلین کی پہلی دلیل: "ترفع الایدی علی سبعۃ مواطن" ان میں سے ایک بیت اللہ شریف کو دیکھ کر رفع یدین کو شمار کیا ہے۔

دوسری دلیل: "ترفع الایدی فی الصلوۃ واذا رأی البیت، وعلی الصفا والمروۃ" لیکن اس میں ایک راوی سعید بن سالم القداح متکلم فیہ ہے۔ بہر حال بعض حضرات نے اس کو سنت قرار دینے سے انکار کیا ہے لیکن مجموعی طور پر ان احادیث کو قابل استدلال کرتے ہوئے غنیۃ الناسک نے کہا کہ حدیث جابر "المثبت مقدم علی النافی" ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر رؤیت پہلی بار ہو تو ہاتھوں کو اُٹھایا جائے اور بار بار کی رؤیت کے وقت نہ اُٹھایا جائے، اب احادیث میں تعارض نہ ہوگا جن میں اجازت ہے وہ محمول ہیں پہلی بار پر اور جن احادیث میں نہی ہے وہ محمول ہیں بار بار کی رؤیت پر۔

بَابُ مَا جَاءَ كَيْفَ الطَّوَافُ طواف کی کیفیت

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَاسْتَلَمَ الْحَجَرَ ثُمَّ مَضَى عَلَى يَمِينِهِ فَرَمَلَ ثَلَاثًا وَمَشَى أَرْبَعًا ثُمَّ أَتَى الْمَقَامَ، فَقَالَ {وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى} [البقرة: 125] فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَالْمَقَامُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْبَيْتِ ثُمَّ أَتَى الْحَجَرَ بَعْدَ الرَّكْعَتَيْنِ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّفَا أَظُنُّهُ قَالَ {إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ} [البقرة: 158]

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب آئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے میں داخل ہوئے مسجد حرام میں اور ہاتھ لگایا حجر اسود کو یا بوسہ دیا پھر چلے اس کی داہنی طرف یعنی طواف شروع کیا سو کود کود کر چلے شانے اُچھالتے ہوئے تین بار یعنی کعبے کے گرد اور اپنی میٹھی چال پر چلے چار بار پھر آئے مقام ابراہیم کے پاس اور فرمایا: "وَاتَّخِذُوا" یعنی مقرر کرو مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ پھر پڑھیں دو رکعتیں اور مقام ابراہیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کعبے کے بیچ میں تھا پھر آئے حجر اسود کے پاس بعد دو رکعتوں کے اور چوما اس کو پھر نکلے صفا کی طرف کہا راوی نے گمان کرتا ہوں کہ پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت: "إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ" یعنی صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔

تشریح طواف کا طریقہ بتلایا گیا ہے کہ جب مسجد الحرام میں داخل ہو تو سب سے پہلے استلام حجر کرے، پھر دائیں طرف سے تین شواط میں رمل کرے اور چار شواط میں چلے۔ پھر مقام ابراہیم پر آئے دو رکعت پڑھے، پھر نماز سے فراغت کے بعد حجر کا استلام کرے، پھر صفا و مروہ کی طرف چل پڑے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّمَلِ مِنَ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ

حجر اسود سے رمل شروع کرنا اور اسی پر ختم کرنا

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَلَ مِنَ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ ثَلَاثًا وَمَشَى أَرْبَعًا.

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کود کر شانے اٹھا کر چلے حجر اسود سے حجر

اسود تک یعنی طواف کے تین بار اور میٹھی چال چلے چار بار۔

تشریح: بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ رمل حجر اسود سے لے کر حجر اسود تک ہوگا جبکہ بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ رمل انہیں جوانب میں ہوگا جو مشرکین کے سامنے تھیں، یہ رمل سنت ہے اس کے ترک پر دم لازم نہیں آتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اسْتِلَامِ الحَجَرِ، وَالرُّكْنِ اليَمَانِي دُونَ مَا سِوَاهُمَا

حجر اسود اور رُکن یمانی کے علاوہ کسی چیز کو بوسہ نہ دے

عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمُعَاوِيَةُ لَا يَمُرُّ بِرُكْنٍ إِلَّا اسْتَلَمَهُ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَسْتَلِمُ إِلَّا الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ وَالرُّكْنَ الْيَمَانِيَ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ لَيْسَ شَيْءٌ مِنَ الْبَيْتِ مَهْجُورًا۔

ترجمہ: حضرت ابی الطفیل سے روایت ہے کہ ہم تھے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ حج میں اور معاویہ طواف میں نہیں گزرتے تھے کسی رُکن پر مگر اس کو چوم لیتے تھے تو کہا ان سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو فقط حجر اسود اور رُکن یمانی ہی کو بوسہ دیتے تھے تو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا بیت اللہ میں سے کوئی چیز چھوڑنا نہ چاہیے۔

تشریح: کعبۃ اللہ کے چار کونے ہیں دو رُکن یمانی ہیں اور دو رُکن عراقی، کعبۃ اللہ کی جنوبی جانب جو مشرقی جانب ہے اس میں حجر اسود ہے اس کے مقابلے میں رُکن یمانی ہے، حجر اسود اس کا استلام بھی ہے اور تقبیل ہے جبکہ رُکن یمانی کا استلام ہے اگر استلام نہ کرسکے تو چھوڑ دے اور جو رُکن عراقی ہے یا شامی ان کا نہ تو استلام اور نہ تقبیل صرف حجر اسود اس کا استلام بھی ہے اور تقبیل بھی اس کی وجہ یہ ہے کہ حجر اسود والا کونہ جو رُکن یمانی ہے اس کو ایک فضیلت حاصل ہے اور حجر اسود والے کو دو فضیلتیں حاصل ہیں۔ (۱) جنت سے لایا گیا۔ (۲) بنیاد ابراہیمی پر ہے اور یمانی کو جو فضیلت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ وہ صرف بنیاد ابراہیمی علیہ السلام پر ہے اور باقی دو کونے رکنین عراقیین کو کوئی فضیلت حاصل نہیں، اس وجہ سے نہ استلام ہے اور نہ تقبیل ہے۔ جمہور کا بھی یہی مذہب ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد یہ ہے کہ چاروں کونوں کو استلام ہے جس طرح ہر ہر جز کے استلام کے ترک سے مہجور ہونا لازم نہیں آتا، اسی طرح رکنین کے عدم استلام سے بھی مہجور ہونا لازم نہیں آتا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ مُضْطَبِعًا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اضطباع کی حالت میں طواف کیا

عَنِ ابْنِ يَعْلَى عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ بِالْبَيْتِ مُضْطَبِعًا وَعَلَيْهِ بُرْدٌ۔

ترجمہ حضرت ابن ابی یعلی سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کیا حالت اضطباع میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدنِ مبارک پر ایک چادر تھی۔

تشریح اضطباع: دائیں کندھے کے نیچے سے چادر کو نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْبِيلِ الْحَجَرِ حجر اسود کو بوسہ دینا

عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَيَقُولُ إِنِّي أُقَبِّلُكَ وَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ لَمْ أُقَبِّلْكَ.

ترجمہ حضرت عابس بن ربیعہ سے روایت ہے کہ دیکھا میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بوسہ لیتے ہوئے حجر اسود کا اور فرماتے تھے کہ میں تجھ کو بوسہ لیتا ہوں اور جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے یعنی کچھ نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا اور اگر میں نہ دیکھتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ لیتے تھے تجھ کو تو کبھی بوسہ نہ لیتا۔

تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجر اسود کو بوسہ دیا، اس تلبس کی وجہ سے جو ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ تھا۔

پہلی بات: حجر اسود کے بوسے کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل علم سے اس کے استحباب کا قول نقل کیا ہے کیونکہ عمرۃ القضاء اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے حجر اسود کا بوسہ لیا، تقبیل کی صورت یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اس پر رکھے اور اس طرح بوسہ لے کہ منہ اور پیشانی لگے لیکن منہ سے آواز نکالنا مکروہ ہے، یہ تقبیل اس وقت ہے جب کسی مسلمان کو بغیر تکلیف دینے کے ممکن ہو، اگر بدون ایذاء مسلم ممکن نہ ہو تو پھر تقبیل کرنا جائز نہیں کیونکہ ایذاء مسلم حرام ہے، استحباب کے لیے حرام کا ارتکاب جائز نہیں۔

دوسری بات: "اعلم انک حجر" ایک روایت میں ہے "لا تنفع ولا تضر" اس قول کا مقصد فقط تعلیم دینا تھا کہ جو لوگ قریب العہد بالاسلام تھے چونکہ وہ زمانہ جاہلیت میں حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کے بزرگوں اور انبیاء کے صورتوں کے بت بنا کر ان کی عبادت کرتے تھے تو فرمایا کہ ہماری تقبیل اس اعتبار سے نہیں جس اعتبار سے تم کرتے تھے بلکہ ہم تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کرتے ہیں۔

اب آپ نے تقبیل کیوں کی؟ یہ جنت کا پتھر ہے اور یہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ بالکل سفید رنگ میں اُترا تھا کیونکہ آدم علیہ السلام کو جنت کی یاد ستاتی تھی، وہ سکون حاصل کرنے کے لیے اس کا بوسہ لیتے تھے، تعمیر کعبہ کے وقت اس میں رکھا گیا، اس لیے آپ بوسہ لیتے تھے۔

(۲) حدیث میں اس کو یمین اللہ فی الارض کہا گیا ہے جس نے اس کی تقبیل کی تو گویا اس نے یمین اللہ کی تقبیل کی اور جس نے استلام کیا تو گویا اس نے اللہ کا استلام کیا۔ روافض میں سے ابو ہارون ایک رافضی راوی ہے اس نے ایک روایت گھڑی ہے کہ

جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا کہ "اعلم انک حجر" تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یاامیر المومنین یہ تو نفع و نقصان پہنچاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وجہ پوچھی تو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جس نے اس کی تقبیل کی یہ قیامت کے دن شفاعت کرے گا تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں اس قوم سے پناہ مانگتا ہوں جس میں ابوالحسن ہو۔ معارف السنن میں اس روایت کے راوی ابوہارون کو رافضی کذاب، وضاع کہا ہے اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ازالۃ الخلفاء میں اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يَبْدَأُ بِالصَّفَا قَبْلَ الْمَرْوَةِ سعی صفا سے شروع کرنا

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَدِمَ مَكَّةَ طَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا فَقَرَأَ {وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى} [البقرة: 125] فَصَلَّى خَلْفَ الْمَقَامِ، ثُمَّ أَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهُ، ثُمَّ قَالَ نَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللهُ بِهِ، فَبَدَأَ بِالصَّفَا وَقَرَأَ {إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ} [البقرة: 158]

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں آئے تو طواف کیا بیت اللہ کا سات بار اور ہر بار کو ایک شوط کہتے ہیں اور آئے مقام ابراہیم میں اور پڑھی یہ آیت: "وَاتَّخِذُوا" سے "مُصَلًّى" تک۔ یعنی مقرر کرو مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ پھر نماز پڑھی پیچھے مقام کے یعنی مقام حضرت کے اور قبلے کے بیچ میں تھا پھر حجر اسود کے پاس آئے اور اس کو بوسہ دیا اور فرمایا ہم بھی شروع کرتے ہیں اس چیز سے جہاں سے شروع کیا اللہ نے تو سعی کو شروع کیا صفا سے اور پڑھی یہ آیت: "اِنَّ الصَّفَا" سے آخر تک یعنی صفا اور مروہ دونوں نشانیاں ہیں اللہ کی نشانیوں سے۔

تشریح سعی کی ابتداء صفا سے اور انتہاء مروہ پر ہے یہ ایک چکر ہے جمہور کی رائے کے مطابق جبکہ امام طحاوی رحمہ اللہ کی رائے صفا سے لے کر مروہ تک اور مروہ سے لیکر صفا تک ایک چکر ہے۔

مسئلہ اختلافی: "سعی بین الصفاء والمروۃ" کا کیا حکم ہے؟ اس میں آئمہ مجتہدین کے تین قول ہیں۔

قول اوّل: امام شافعی اور امام اسحٰق اور ایک روایت میں امام مالک اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سعی حج کے ارکان اور فرائض میں سے ہے اگر کسی نے اس کو ترک کیا تو اس کا حج ادا نہیں ہوگا۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، ابوسفیان الثوری اور امام مالک رحمہا اللہ ایک روایت کے مطابق فرماتے ہیں کہ سعی واجب ہے، اگر یہ ترک ہو جائے تو اگر انسان قریب ہو تو اس کو ادا کرے اور اگر گھر چلا جائے تو دم واجب ہوگا۔

قول ثالث: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔ احادیث سے قول ثانی کے قائلین کی تائید ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّعْيِ بَيْنَ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةِ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّمَا سَعَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةِ لِيُرِيَ الْمُشْرِكِينَ قُوَّتَهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سعی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کی یعنی طواف کیا اور سعی کی صفا اور مروہ کی اس لیے کہ دکھلائیں مشرکوں کو اپنا زور اور غلبہ۔

عَنْ كَثِيرِ بْنِ جُمْهَانَ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَمْشِي فِي السَّعْيِ فَقُلْتُ لَهُ أَتَمْشِي فِي السَّعْيِ بَيْنَ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةِ قَالَ لَئِنْ سَعَيْتُ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْعَى وَلَئِنْ مَشَيْتُ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِي وَأَنَا شَيْخٌ كَبِيرٌ.

ترجمہ: حضرت کثیر بن جمہان سے روایت ہے کہ دیکھا میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو میٹھی چال چلتے صفا اور مروہ کے بیچ میں تو کہا میں نے ان سے تم رساں رساں (دھیمی چال سے) چلتے ہو یہاں پر تو جواب دیا انہوں نے اگر میں دوڑ کر چلوں تو بھی ہوسکتا ہے کہ دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوڑتے ہوئے اور اگر رساں رساں (دھیمی چال) چلوں تو بھی جائز ہے کہ دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رساں رساں چلتے اور میں بہت بوڑھا ہوں۔

تشریح: صفا اور مروہ کے درمیان میلین اخضرین ہے وہاں تیزی سے چلنا پڑتا ہے، پھر اپنی ہیئت کے مطابق جو معمول چلنے کا ہے اور اس کو مشی کہتے ہیں اور جہاں تیزی سے چلا جاتا ہے وہ ہے سعی۔ ''حدّثنا یوسف بن عیسیٰ'' ابن عمر رضی اللہ عنہما سعی میں معمول کے مطابق چل رہے تھے حالانکہ تیز چلنا تھا، میں نے کہا آپ معمول کے مطابق چل رہے ہیں تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر میں تیزی سے چلوں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے تیزی سے چلتے بھی دیکھا ہے، اگر میں معمول کے مطابق چلوں تو اس طرح بھی دیکھا ہے یعنی جس جگہ میں تیز چلنا چاہیے اس جگہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آہستہ چلتے بھی دیکھا ہے اور میں سعی میں معمول کے مطابق چل رہا ہوں بوڑھا ہونے کی وجہ سے عذر کی وجہ سے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الطَّوَافِ رَاكِبًا سوار ہو کر طواف بیت اللہ کرنا

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَاحِلَتِهِ فَإِذَا انْتَهَى إِلَى الرُّكْنِ أَشَارَ إِلَيْهِ

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ طواف کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر جب آتے حجر اسود پر تو اشارہ کرتے طرف اس کی۔

تشریح: اختلافی مسئلہ: راکبا طواف کرنے کا کیا حکم ہے؟

اس میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک اور امام ترمذی رحمہا اللہ کے بقول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سواری پر طواف کرنا بغیر عذر کے جائز نہیں اور اگر بغیر عذر کے سواری پر طواف کیا تو اس پر دم واجب ہوگا، گویا پیدل کرنا واجب ہے۔ اس لیے کہ حج کے احکام میں دم واجب کے ترک پر لازم آتا ہے۔ قول ثانی: امام احمد اور امام شافعی رحمہا اللہ کا مسلک یہ ہے کہ افضل تو یہ ہے کہ طواف ماشیاً کرے لیکن اگر کسی نے راکباً طواف کیا تو بھی جائز ہے، دم واجب نہیں ہوگا۔

قول ثانی والوں کی مستدل باب کی حدیث ہے، احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ سنن ابوداؤد میں حدیث ہے کہ "قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکة وهو یشتکی" تو اس عذر بیماری کی وجہ سے راکباً طواف کیا، سنن ابوداؤد کی حدیث سنداً ضعیف ہے کیونکہ اس میں یزید بن ابی زیاد ضعیف راوی ہے۔ دوسری وجہ بعض نے یہ بیان کی ہے کہ آپ کے راکباً طواف کی علت یہ ہے کہ یہ بعد النبوۃ پہلا اور آخری حج تھا، اس لیے لوگوں کی تعداد کثیر تھی اور مقصد یہ تھا کہ لوگ احکام حج سیکھ لیں، اس لیے کئی مقامات پر آپ نے یہ اعلان کیا کہ احکام سیکھ لو۔ لہٰذا یہ راکباً طواف تعلیم فعلی کے لیے کیا جو کہ اوقع فی النفس ہے تو طواف راکباً آپ کے لیے عذر تھا اس لیے کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹنی پر طواف کیا اس کو باقی اونٹنیوں پر قیاس نہ کیا جائے، باقی صفا اور مروہ کے درمیان جانور کو لیجانا باعث اشکال نہیں لیکن طواف کرنا مناسب نہیں، مسجد کے متلوث بالنجاست ہونے کے اندیشے سے یہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے، حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کرنے کا فرمایا، ممکن ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کیا ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الطَّوَافِ طواف کی فضیلت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ خَمْسِينَ مَرَّةً خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے طواف کیا بیت اللہ کا پچاس بار وہ صاف ہو کے نکلا اپنے گناہوں سے مانند اس دن کے کہ جنا سے اس کی ماں نے۔

تشریح: "قوله من طاف بالبیت خمسین مرةً خرج من ذنوبه کیوم ولدته امه" خمسین مرةً کا معنی ظاہر اور راجح معنی یہ ہے کہ پچاس طواف ان کے چکر بنیں گے، ساڑھے تین سو باقی متوالیاً یا وقفے وقفے سے دونوں احتمال ہیں۔ قول ثانی یہ ہے کہ "خمسین مرةً" یعنی جس نے پچاس چکر لگائے، اب یہ سات طواف بنیں گے لیکن تغلیباً پچاس کہا گیا، "الراجح هو الاوّل"

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ، وَ بَعْدَ الصُّبْحِ فِی الطَّوَافِ لِمَنْ يَطُوفُ

فجر اور عصر کے بعد دو رکعتیں طواف کی پڑھنا

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلَّى أَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ.

ترجمہ حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مت منع کرواے اولاد عبد مناف کی کسی شخص کو جو طواف کرے اس گھر کا اور نماز پڑھے جس گھڑی میں چاہے رات ہو یا دن یعنی اوقاتِ مکروہہ میں بھی منع نہ کرو۔

تشریح قول اوّل: احناف کے نزدیک اوقات مکروہہ میں طواف تو جائز ہے لیکن دو رکعت طواف کے بعد کی وہ مکروہ وقت میں جائز نہیں۔

دلیل اوّل: احادیث نہی "لا صلوٰۃ بعد العصر و لا صلوٰۃ بعد الفجر"

دلیل ثانی: عمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے ہے کہ انہوں نے فجر کے بعد طواف کیا لیکن دو رکعت نہ پڑھی حتیٰ کہ حرم سے نکل کر مقام ذی طویٰ پہنچے، پھر پڑھی۔

دلیل ثالث: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے "لم نکن نطوف بعد صلاۃ الصبح حتیٰ تطلع الشمس ولا بعد العصر حتیٰ تغرب"

دلیل رابع: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ "اذا ارادت الطواف بالبیت بعد صلوٰۃ الفجر او العصر فطف و آخر الصلوٰۃ حتیٰ تغیب الشمس او حتیٰ تطلع فصل لکل اسبوع رکعتین"

دلیل خامس: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے "أنه طاف بعد الصبح فلما فرغ جلس حتی طلعت الشمس"

دلیل سادس: حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے طواف کی رکعتیں حرم میں نہ پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ فجر کے بعد ان کا پڑھنا درست نہیں تھا ورنہ وہ حرم کی فضیلت نہ چھوڑتیں۔ الفاظ حدیث یہ ہیں "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قال وھو بمکۃ واراد الخروج ولم تکن أم سلمۃ طافت بالبیت و ارادت الخروج یصلون ففعلت ذلک ولم تصل حتیٰ خرجت"

قول ثانی: شوافع حضرات ان احادیث سے مکہ مکرمہ کا استثناء کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مکہ میں اوقات مکروہہ کے اندر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

دلیل حدیث الباب "قال یا بنی عبد مناف لا تمنعوا احد طاف بھذا البیت و صلی ایۃ ساعۃ شاء"

جواب (۱): "ایۃ شاء" یہ اوقات مکروہہ کے ماسوا پر محمول ہے۔

جواب (۲): یہ ارباب انتظام یعنی عبد مناف کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم کسی کو نہ روکو، نمازیوں کو یہ حکم نہیں دیا جا رہا کہ تم ہر وقت نماز پڑھو۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُقْرَأُ فِي رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ طواف کی دو رکعتوں میں کیا پڑھنا چاہیے؟

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ بِسُورَتَيِ الْإِخْلَاصِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کی دو رکعتوں میں دو سورتیں اخلاص کی پڑھیں، ایک رکعت میں قل یاایھا الکافرون اور دوسری میں قل ھو اللہ احد۔

تشریح: طواف کی دو رکعتوں میں کون کون سی سورت پڑھے تو پہلی رکعت میں "قل یا ایھا الکفرون" اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص حدیث میں دونوں سورتوں کو سورۃ اخلاص سے تعبیر کیا گیا "تغلیبا" جیسے شمسین، قمرین، عمرین، ابوین۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الطَّوَافِ عُرْيَانًا ننگے طواف کرنا حرام ہے

عَنْ زَيْدِ بْنِ أُثَيْعٍ قَالَ سَأَلْتُ عَلِيًّا بِأَيِّ شَيْءٍ بُعِثْتَ قَالَ بِأَرْبَعٍ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ وَلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ وَلَا يَجْتَمِعُ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا وَمَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهْدٌ فَعَهْدُهُ إِلَى مُدَّتِهِ وَمَنْ لَا مُدَّةَ لَهُ فَأَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ.

ترجمہ: حضرت زید بن اثیع سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا حکم دے کر تم بھیجے گئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے تو کہا بھیجا گیا تھا میں چار حکم دے کر ایک تو یہ کہ جنت میں کوئی داخل نہ ہوگا مگر مسلمان شخص اور دوسرے یہ کہ طواف نہ کرے کوئی بندہ بیت اللہ کا ننگے ہو کر اور تیسرے یہ کہ حج میں مسلمانوں کے ساتھ مشرک جمع نہ ہوں اس سال کے بعد اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جس کے بیچ میں صلح ہے ایک مدت مقرر تک تو اس کی صلح اسی مدت تک رہے گی اور جس کی صلح میں کچھ مدت مقرر نہیں اس کو چار مہینے تک مہلت ہے۔

تشریح: سورت براۃ جب نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۹ ہجری کو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور فرمایا کہ اس سورت میں جو اعلان ہے یہ تم کردو، بعد میں کسی نے مشورہ دیا کہ عرب کا قاعدہ ہے کہ اگر کسی کی جانب سے اعلان ہو تو اس کا نسبی اعلان کرتا ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور چند اور آدمی بھیجے۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے چار باتوں کا اعلان کیا۔

(۱) جنت میں صرف مسلمان داخل ہوں گے غیر مسلم داخل نہیں ہوں گے۔

(۲) آج کے بعد کوئی آدمی بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر نہ کرے۔

(۳) اس سال کے بعد کوئی مشرک زمین حرم میں داخل نہیں ہوسکتا۔

(۴) کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی قوم یا قبیلے کے ساتھ معاہدہ کیا ہوا ہے اور اس معاہدہ کی مدت مقرر ہے تو یہ معاہدہ اپنی مدت تک باقی رہے گا اور اگر مدت مقرر نہیں تو آج کے بعد یہ معاہدہ چار مہینے تک باقی رہے گا۔ اس میں دوسری بات ترجمۃ الباب سے مطابقت رکھتی ہے اسی کے متعلق بحث ہوگی۔

بیت اللہ کا طواف عریاناً حرام ہے یہاں پر کراہیت سے مکروہ تحریمی مراد ہے مشرکین کا عقیدہ تھا کہ بغیر ایمان کے بیت اللہ کے طواف سے آگ سے خلاصی ہوگی، اس کے رد کے لیے فرمایا "لایدخل الجنۃ الا نفس مسلمۃ" اور وہ اپنے خیالات فاسدہ کی وجہ سے ننگے طواف کرتے تھے ان کے خیالات فاسدہ یہ تھے کہ جن کپڑوں میں ہم گناہ کرتے ہیں ان کپڑوں میں بیت اللہ کا طواف کرنا بے ادبی ہے۔ اس کے رد کے لیے فرمایا "لا یطوف بالبیت عریانًا" یا مشرکین بطور تفاؤل کے ننگے طواف کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں گناہوں سے اس طرح پاک کردیں گے جیسے ہم کپڑوں سے پاک ہیں اور تیسری صورت میں چونکہ مسلمان اور کفار اکٹھے طواف کرتے تھے اس لیے فرمایا "لایجتمعوا المسلمون والمشرکون بعد عامھم ھذا"

ننگے بدن کا طواف کرنے کا کیا حکم ہے؟ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور فقہاء کوفہ کے ہاں عند الطواف ستر عورت واجب ہے اس لیے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی نے عریاناً طواف کیا، پھر ستر عورت کر کے طواف کا اعادہ کر دیا تو صحیح ہے لیکن اگر اعادہ نہیں کیا بلکہ عریاناً ہی طواف کیا تو اس پر دم لازم ہوگا کیونکہ نفس طواف تو فرض ہے۔ "ولیطوفوا بالبیت العتیق" آیت کی وجہ سے لیکن اخبار آحاد سے جو امور ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً ستر عورت یہ واجب ہوں گے، اگر یہ بھی فرض ہو جائیں تو قطعی الثبوت اور ظنی الثبوت سے ثابت ہونے والے اُمور میں فرق نہیں رہے گا حالانکہ ان میں فرق بدیہی ہے۔

اعتراض: معارف السنن میں مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے مذکور ہے کہ ستر عورت عام حالات میں فرض ہے۔ جب عام حالات میں فرض ہے تو طواف میں واجب کیسے ہوا؟

جواب (۱): ان دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے بسا اوقات ایک چیز فی نفسہ فرض ہوتی ہے لیکن وہ غیر کے لیے واجب ہوتی ہے۔

جواب (۲): کسی چیز کی مختلف حیثیات ہوتی ہیں۔ ان مختلف حیثیات کی وجہ سے اس سے مختلف احکام ثابت ہوتے ہیں۔ یہاں بھی ستر عورت کی حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت عام حالت کی ہے اور ایک حیثیت خاص طواف کی حالت کی ہے۔ اب کسی نے ننگے طواف کیا تو دونوں حیثیتوں کو دیکھیں گے۔ عام حالات میں فرض ہے اس کی اگر خلاف ورزی کی تو مرتکب کبیرہ ہونے کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور طواف میں ستر عورت واجب ہے اس کی بھی اگر خلاف ورزی کی تو دم لازم آئے گا۔ امام شافعی، امام احمد اور امام مالک رحمہم اللہ کے ہاں ستر عورت طواف میں شرط ہے اور فرض ہے اس لیے کوئی ننگے طواف کرے تو اس کا طواف نہ ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دُخُولِ الْكَعْبَةِ کعبہ کے اندر جانے کے متعلق

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِي وَهُوَ قَرِيرُ الْعَيْنِ طَيِّبُ النَّفْسِ فَرَجَعَ إِلَيَّ وَهُوَ حَزِينٌ فَقُلْتُ لَهُ فَقَالَ إِنِّي دَخَلْتُ الْكَعْبَةَ وَوَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ فَعَلْتُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ أَكُونَ أَتْعَبْتُ أُمَّتِي مِنْ بَعْدِي.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نکلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے اوران کی آنکھیں ٹھنڈی تھیں مزاج خوش تھا پھر جب لوٹ کر آئے تو وہ غمگین تھے سو پوچھا میں نے سبب غم کا تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں اندر گیا کعبہ کے اور دوست رکھتا میں کہ نہ گیا ہوتا میں اور مجھے خوف ہے کہ تکلیف میں ڈالا میں نے اپنی اُمت کو بعد اپنے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اندر تشریف لے گئے تو ساری اُمت کو ادائے سنت کے لیے جانا ضرور ہوا اور نبی شفیق کو اتنی بھی تکلیف اُمت کی گوارا نہیں۔

تشریح: دخول کعبہ کا کیا حکم ہے؟ عمدۃ القاری میں شرح مسلم کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ بغیر کسی اعتراض کے دخول کعبہ مستحب ہے۔ آئمہ اربعہ کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ دخول کعبہ حج کے ارکان میں سے نہیں ہے بلکہ مستحب ہے عام حالات میں ہو یا موسم حج میں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ دخول کعبہ ارکان حج میں سے ہے مگر غلط ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ کعبے کے اندر نماز پڑھنا

عَنْ بِلَالٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَمْ يُصَلِّ وَلٰكِنَّهُ كَبَّرَ

ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی کعبہ کے اندر تو کہا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نہیں پڑھی لیکن تکبیر کہی یعنی اللہ اکبر کہا۔

تشریح: مسئلہ اختلافی: کعبۃ اللہ میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ تو نوافل کے جواز کے متعلق تو اجماع ہے کہ جائز ہیں، البتہ فرض نماز میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: جمہور کے نزدیک جائز ہے۔ پھر جمہور کا آپس میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی رحمہما اللہ کے یہاں ہر نماز جائز ہے۔ مالکیہ اور امام احمد کے نزدیک نوافل جائز ہیں، فرائض جائز نہیں۔

دلیل: کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرض نماز کعبۃ اللہ میں پڑھی ہو۔ نوافل ثابت ہیں نوافل میں توسع ہے لہٰذا فرائض کو نوافل پر قیاس نہیں کیا جا سکتا؟

جواب: فرائض اور نوافل میں فرق نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ نوافل کے جتنے ارکان ہیں وہی فرائض کے ہیں۔ صاحب ہدایہ

نے امام شافعی کا مذہب مالکیہ والا نقل کر دیا لیکن یہ مسامحات ہدایہ میں سے ہے۔ دراصل یہ اختلاف روایات کے مختلف ہونے پر ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اُسامہ بن زید سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت اللہ میں نماز نہیں پڑھی ہے۔ بعض نے تطبیق یہ دی ہے:

(۱) کہ نفی اور اثبات میں تعارض ہو تو اثبات کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ مثبت کے پاس اضافہ ہوتا ہے جو نفی کے پاس نہیں ہوتا۔

(۲) بعض کہتے ہیں کہ اُسامہ اور بلال دونوں اندر گئے تھے اور یہ فتح مکہ کا واقعہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے داخل ہونے سے پہلے باہر کے بت گرائے۔ ایک بت بیت اللہ کے اوپر تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر کھڑے ہوئے مگر علی رضی اللہ عنہ بوجھ برداشت نہ کر سکے، اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیچے ہوئے اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کندھے پر کھڑے ہو کر بت کو توڑ دیا۔ پھر اندر آئے تو تصویریں بنی ہوئی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسامہ کو پانی لانے کے لیے بھیجا تاکہ صاف کریں۔ اُسامہ پانی لائے اور تصویریں صاف کیں، جب نماز پڑھی تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا اور اُسامہ اس وقت پانی لانے کے لیے گئے ہوئے تھے۔

(۳) انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پسند کیا ہے جو زرقانی نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو مرتبہ داخل ہوئے، ایک مرتبہ نماز پڑھی اور ایک مرتبہ نہیں پڑھی۔ "قولہ اخاف ان اکون اتعبت امتی" اس کا مطلب یہ ہے کہ میں داخل ہوا ہوں، اب بعد میں لوگ سمجھیں گے کہ شاید داخل ہونا رکن ہے اور بھیڑ کی وجہ سے اگر داخل نہ ہو سکے یا حکام نے داخل نہ ہونے دیا تو لوگ پریشان ہوں گے کہ ہمارا حج ہی نہیں ہوا، اس لیے آپ نے فرمایا کہ میں نے اُمت کو تھکا دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَسْرِ الْكَعْبَةِ خانہ کعبہ کو توڑ کر بنانے کے بیان میں

عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، أَنَّ ابْنَ الزُّبَيْرِ، قَالَ لَهُ حَدِّثْنِي بِمَا كَانَتْ تُفْضِي إِلَيْكَ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ يَعْنِي عَائِشَةَ، فَقَالَ حَدَّثَتْنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا لَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثُو عَهْدٍ بِالْجَاهِلِيَّةِ لَهَدَمْتُ الْكَعْبَةَ وَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ.

ترجمہ حضرت اسود بن یزید سے روایت ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ان سے کہ بیان کرو مجھ سے جو کہتی تھیں تم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو کہا اسود نے بیان کیا مجھ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سے اگر تیری قوم کے لوگ ابھی جاہلیت چھوڑ کر نئے مسلمان نہ ہوتے تو میں کعبے کو توڑتا اور پھر بناتا اس میں دو دروازے تھے پھر جب اختیار ہوا ابن زبیر کا یعنی حاکم ہوئے مکے کے تو کھود کر کعبے شریف کو پھر بنایا اور اس میں دو دروازے کر دیئے۔

تشریح مسئلہ (۱): بیت اللہ شریف کی تعمیر کتنی بار ہوئی اس بارے میں مختلف اقوال مؤرخین نے لکھے ہیں:

(۱) پہلی مرتبہ تو ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے کی تھی۔

(۲) دوسری مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کی۔

(۳) تیسری مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام کے صاحبزادہ نے تعمیر کیا اور یہ تعمیر طوفانِ نوح تک برقرار رہی۔

(۴) چوتھی مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کی۔ بعض حضرات نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بانی اوّل قرار دیا۔

(۵) پانچویں مرتبہ قوم عمالقہ نے تعمیر کی۔

(۶) چھٹی مرتبہ قبیلہ جرہم نے تعمیر کی۔

(۷) ساتویں مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا قصی بن کلاب نے تعمیر کی۔

(۸) آٹھویں مرتبہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت ملنے سے پہلے تعمیر کی جبکہ آپ کی عمر پینتیس سال کی تھی اور یہ تعمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت ملنے سے پانچ سال پہلے ہوئی۔

(۹) پھر عبداللہ بن زبیر نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشاء کے مطابق بنیاد ابراہیمی پر تعمیر کی۔

(۱۰) پھر حجاج بن یوسف نے قریش کی طرح تعمیر کر دیا۔ پھر جب ہارون الرشید کا دور خلافت آیا تو انہوں نے بنیاد ابراہیمی پر تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تو امام مالک کی طرف رجوع کیا تو امام مالک نے منع فرمایا اور کہا کہ ایسے یہ بادشاہوں کے لیے زائچہ اطفال بن جائے گا اس لیے ایسا کرنا جائز نہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مصلحت اور فتنہ میں تعارض ہو جائے تو مصلحت کو چھوڑ کر فتنہ سے اجتناب کیا جائے۔

سوال: حضرت زینب کے ساتھ نکاح میں فتنہ تھا، اس سے کیوں نہ اجتناب کیا؟

جواب: زمانہ جاہلیت میں متبنٰی کی بیوی سے نکاح کو حرام سمجھتے تھے، اس کی تردید فرض تھی بخلاف کعبۃ اللہ کے کہ اس کی تعمیر فرض واجب نہ تھی۔

سیرت حلبیہ میں ہے کہ کعبہ کی تعمیر صرف تین بار ہوئی۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی۔

(۲) قریش نے کی اور ان دونوں بناؤں (بناء ابراہیم اور بنائے قریش) کے درمیان سترہ سو پچھتر (۱۷۷۵) سال کا فاصلہ ہے۔

(۳) تیسری مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کرائی اور ان دونوں تعمیروں (تعمیر قریش اور تعمیر ابن الزبیر) کے درمیان بیاسی سال کا فاصلہ ہے اور بہر حال ملائکہ کا تعمیر کرنا اور حضرت آدم علیہ السلام کا تعمیر کرنا یہ دونوں ثابت نہیں ہیں اور قبیلہ جرہم و قوم عمالقہ اور قصی بن کلاب، ان تینوں نے کعبہ کی صرف مرمت کرائی، از سر نو نہیں بنوایا اور کعبہ کی از سر نو تعمیر صرف دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مرتبہ تو قریش نے کی، دوسری مرتبہ عبداللہ بن زبیر نے کرائی۔ (ماخوذ ذخیرہ معلومات، ص:۷۱۔۷۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي الحِجْرِ حطیم میں نماز پڑھنا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أُحِبُّ أَنْ أَدْخُلَ البَيْتَ فَأُصَلِّيَ فِيهِ فَأَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِي فَأَدْخَلَنِي الحِجْرَ فَقَالَ صَلِّي فِي الحِجْرِ إِنْ أَرَدْتِ دُخُولَ البَيْتِ فَإِنَّمَا هُوَ قِطْعَةٌ مِنَ البَيْتِ، وَلَكِنَّ قَوْمَكِ اسْتَقْصَرُوهُ حِينَ بَنَوُا الكَعْبَةَ فَأَخْرَجُوهُ مِنَ البَيْتِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں چاہتی تھی کہ بیت اللہ کے اندر جاؤں اور اس میں نماز پڑھوں سو پکڑ لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اور داخل کیا مجھ کو حجر میں اور فرمایا نماز پڑھ تو حجر میں اگر جانا چاہے تو بیت اللہ کے اندر اس لیے کہ وہ بھی ٹکڑا ہے بیت اللہ کا لیکن تمہاری قوم نے چھوٹا کر دیا ہے کعبے کو بناتے وقت اور باہر رہنے دیا اس کو یعنی حجر کو بیت اللہ سے یعنی خرچ کم ہونے کے سبب سے۔

تشریح حجر سے مراد حطیم ہے۔

سوال: جب حطیم بھی کعبۃ اللہ کا حصہ ہے تو پھر اگر نمازی کا رُخ صرف حطیم کی طرف ہو اور کعبۃ اللہ کے کسی اور اجزاء کی طرف نہ ہو تو نماز جائز ہونی چاہیے حالانکہ بالاجماع نماز جائز نہیں ہوتی؟

جواب: استقبال قبلہ کا ثبوت نص قطعی سے ہے۔ لہٰذا استقبال تب صحیح ہوگا جب اس حصہ کا بیت اللہ ہونا نص قطعی سے ثابت ہو اور حطیم کا کعبۃ اللہ ہونا نص قطعی سے ثابت نہیں بلکہ یہ دلیل ظنی سے ثابت ہے بخلاف طواف کے کہ طواف تب صحیح ہوگا جب حطیم کے باہر سے ہو اس میں احتیاط کا مقتضی یہ ہے کہ حطیم کعبۃ اللہ میں داخل ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الحَجَرِ الأَسْوَدِ، وَالرُّكْنِ، وَالمَقَامِ

حجر اسود اور رُکن یمانی اور مقام ابراہیم کی فضیلت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ الحَجَرُ الأَسْوَدُ مِنَ الجَنَّةِ وَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اُترا تھا حجر اسود جنت سے تو وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا پھر کالا کر دیا اس کو بنی آدم کے گناہوں نے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ رَجَاءٍ أَبِي يَحْيَى، قَالَ سَمِعْتُ مُسَافِعًا الحَاجِبَ، قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو، يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ الرُّكْنَ وَالمَقَامَ يَاقُوتَتَانِ مِنْ يَاقُوتِ الجَنَّةِ طَمَسَ اللهُ نُورَهُمَا وَلَوْ لَمْ يَطْمِسْ نُورَهُمَا لَأَضَاءَتَا مَا بَيْنَ المَشْرِقِ وَالمَغْرِبِ.

ترجمہ روایت کی قتیبہ نے یزید بن زریع سے انہوں نے رجاء سے جن کی کنیت ابی یحییٰ ہے، سنا میں نے مسافع حاجب سے کہتے تھے سنا میں نے عبداللہ بن عمرو سے کہتے تھے سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے رُکن اور مقام ابراہیم دونوں یاقوت ہیں جنت کے یاقوتوں سے کہ مٹادیا اللہ نے ان کا نور اور اگر نہ مٹاتا نور ان کا تو روشن کردیتے مشرق سے مغرب تک۔

تشریح امام ترمذی رحمہ اللہ نے حجر اسود اور رُکن یمانی کی فضیلت میں صرف دو حدیثیں ذکر کی ہیں اور یہ حدیثیں صرف ترمذی میں ہیں۔

سوال: جب عصاۃ کے ہاتھ لگتے ہیں تو نفوس قدسیہ کے بھی ہاتھ لگتے ہیں تو پھر حجر اسود کے مس کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی بیاض اپنے حال پر باقی رہتی؟

جواب (۱): "عبرۃ للناس" باقی نہیں رہی، اس بات کو بتلانے کے لیے کہ اے عصاۃ تمہارے گناہوں کی وجہ سے جنت سے لایا گیا پتھر سیاہ ہوگیا تو تمہارے دل بطریق اولیٰ سیاہ ہوجائیں گے۔

جواب (۲): شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نتیجہ اخس ارذل کے تابع ہوتا ہے اور نیکیوں اور گناہوں میں اخس ارذل گناہ ہے۔

جواب (۳): سفید رنگ پر کالا رنگ جلدی اثر کرتا ہے لیکن کالے کو سفید کرنا ہو تو یہ مشکل ہے۔ اگر صاف بھی ہوجائے تو دھبے باقی رہتے ہیں۔

جواب ۴: دُنیا میں کثرت گناہوں کی ہے کیونکہ صرف مسلمان کی بات نہیں بلکہ خطایا بنی آدم کا ذکر ہے اور کثرت گناہوں کی ہے۔

سوال: تاریخی لحاظ سے کوئی ایسا زمانہ نہیں کہ جس میں حجر اسود دودھ سے زیادہ سفید دکھائی دیا گیا ہو؟

جواب: ایک طرف حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور ایک طرف تمہاری تاریخ ہے جب حدیث اور تاریخ میں تعارض ہوجائے تو حدیث کو سر آنکھوں پر رکھا جائے گا اور تاریخ کو پھینک دیا جائے گا اور خصوصاً قدیم تاریخ محفوظ بھی نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الخُرُوجِ إِلَى مِنًى وَالمُقَامِ بِهَا منیٰ کی طرف جانا اور قیام کرنا

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى الظُّهْرَ، وَالعَصْرَ، وَالمَغْرِبَ، وَالعِشَاءَ، وَالفَجْرَ، ثُمَّ غَدَا إِلَى عَرَفَاتٍ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ امامت کی ہماری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء اور فجر کی نماز کی پھر سویرے چلے عرفات کو۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِمِنًى الظُّهْرَ وَالفَجْرَ ثُمَّ غَدَا إِلَى عَرَفَاتٍ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی نماز ظہر کی اور فجر کی منیٰ میں پھر عرفات کو چلے۔

تشریح خلاصہ یہ ہے کہ آٹھویں ذی الحجہ کو طلوع شمس کے بعد منیٰ کی طرف نکلنا ہوگا اور پانچ نمازیں منیٰ میں پڑھی جائیں، حج وغیرہ کا کوئی کام نہیں جبکہ مسجد حرام میں رہتا تو ایک نماز کا ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا، اس اہل بدعت کی بدعت جو ہے اس کی رگ کٹ جاتی ہے۔ پھر نویں تاریخ کو عرفات کی طرف روانگی ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ مِنًى مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ منیٰ میں پہلے پہنچنے والا قیام کا زیادہ حقدار ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ أَلَا نَبْنِي لَكَ بَيْتًا يُظِلُّكَ بِمِنًى قَالَ لَا مِنًى مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ عرض کیا ہم لوگوں نے یارسول اللہ! کیا بنالیں ہم ایک مکان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُترنے کے لیے منیٰ میں؟ تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ضرور نہیں منیٰ اسی کا مکان ہے جو پہلے آئے۔

تشریح منیٰ میں جس جگہ پر جب بھی پہنچ جائے تو وہیں پر برقرار رہنا صحیح ہے لیکن موجودہ زمانہ میں انتظام کو برقرار رکھنے کے لیے ٹھکانوں کو مقرر کیا جاتا ہے۔ اس سے احناف نے ایک اختلافی مسئلہ پر استدلال کیا ہے کہ ارض مکہ کا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف اور امام مالک رحمہما اللہ کے ہاں جائز نہیں کیونکہ یہ ارض موقوفہ ہے۔

قول ثانی: امام شافعی اور احمد رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ ارض مکہ کی بیع وشراء جائز ہے۔ باب کی حدیث میں ہے کہ "المنی مناخ من سبق" کہ کسی کی ملکیت نہیں، اس لیے جو جہاں خیمہ لگائے وہ اس کی جگہ ہے۔ یہ احناف کی دلیل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْصِيرِ الصَّلَاةِ بِمِنًى منیٰ میں نماز قصر پڑھنا

عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى آمَنَ مَا كَانَ النَّاسُ وَأَكْثَرَهُ رَكْعَتَيْنِ

ترجمہ حضرت حارثہ بن وہب سے روایت ہے کہ پڑھی میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بمعیت بہت لوگوں کے بے خوف وخطر دو رکعتیں یعنی چار رکعت کی دو رکعتیں جیسے سفر میں پڑھتے تھے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: منیٰ میں نماز قصر ہوگی یا نہیں؟ تو اس میں اختلاف ہے اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ منیٰ میں قصر سفر شرعی کی وجہ سے ہے یا مناسک حج میں ہونے کی وجہ سے، جن کے ہاں اس کا منشاء سفر شرعی ہے ان کے نزدیک اہل مکہ کے لیے قصر کرنا جائز نہیں، مسافت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے اور جن کے نزدیک مناسک حج میں سے ہے ان کے نزدیک قصر کرنا ہوگا۔

قول اوّل: جمہور کے نزدیک قصر سفر شرعی ہونے کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا اہل مکہ قصر نہ کریں۔

قول ثانی: مالکیہ کے نزدیک منیٰ میں قصر مناسک حج کی وجہ سے ہے۔

جمہور کی دلیل: نصوص کثیرہ جو دال ہیں کہ قصر کی علت سفر ہے جیسے "واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ" اس میں قصر کا مبنی سفر ہے۔

مالکیہ کی دلیل: حدیث الباب حدیث حارثہ بن وہب "صلّیت مع النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم" یعنی لوگوں نے امن میں ہونے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں دو رکعت پڑھی اور ساتھ مقدمہ لگالیں کہ حارثہ بن وہب مکی ہے۔

جواب (۱): آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے، بعد میں دو رکعت پڑھنے کا ذکر نہیں۔

جواب (۲): حارثہ بن وہب کا مسافر نہ ہونا اور اہل مکہ میں سے ہونا مسلم نہیں، اس لیے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ مسافر ہوں، اہل مکہ میں سے نہ ہوں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوُقُوفِ بِعَرَفَاتٍ وَالدُّعَاءِ بِهَا عرفات میں کھڑے ہونا اور دُعا کرنا

عَنْ يَزِيدَ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ أَتَانَا ابْنُ مِرْبَعٍ الْأَنْصَارِيُّ وَنَحْنُ وُقُوفٌ بِالْمَوْقِفِ مَكَانًا يُبَاعِدُهُ عَمْرٌو فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْكُمْ يَقُولُ كُونُوا عَلَى مَشَاعِرِكُمْ فَإِنَّكُمْ عَلَى إِرْثٍ مِنْ إِرْثِ إِبْرَاهِيمَ.

ترجمہ حضرت یزید بن شیبان سے روایت ہے کہ آئے ہمارے پاس بیٹے مربع انصاری کے اور ہم کھڑے تھے کھڑے ہونے کی جگہ میں یعنی عرفات میں ایسی جگہ میں کہ دور رکھتے تھے اس کو عمرو یعنی امام کی جگہ سے بہت دور تھے تو کہا ابن مربع نے میں پیغام لانے والا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہارے پاس کہ فرماتے تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے رہو تم اپنی اپنی جگہ میں کہ تم پانے والے ہو ورثہ ابراہیم علیہ السلام کا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ قُرَيْشٌ وَمَنْ كَانَ عَلَى دِينِهَا وَهُمُ الْحُمْسُ يَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ يَقُولُونَ نَحْنُ قَطِينُ اللَّهِ وَكَانَ مَنْ سِوَاهُمْ يَقِفُونَ بِعَرَفَةَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى {ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ} [البقرة:199].

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرمایا انہوں نے قریش اور جو لوگ تابع تھے ان کے دین کے کہ ان کو حمس کہتے تھے یعنی شجاع اور مضبوط سب کھڑے ہوتے تھے مزدلفہ میں کہ حرم میں ہے اور عرفات کو نہ جاتے اور کہتے کہ ہم خادم اور رہنے والے بیت اللہ کے ہیں یعنی براہ تکبر اور فخر عرفات کو نہ جاتے مزدلفے سے پھر آتے اور سوا ان کے جو لوگ کھڑے ہوتے تھے عرفات میں تو اُتاری اللہ عزوجل نے یہ آیت "ثُمَّ أَفِيضُوا" سے آخر تک یعنی پھر تم اے قریش! جہاں سے پھرتے ہیں سب لوگ یعنی تم بھی عرفات تک جاؤ اور لوگوں کے ساتھ لوٹو۔

تشریح ایک وقوف عرفہ اور دوسرا اس میں دُعا کرنا۔ تمام آئمہ کا اس میں اتفاق ہے کہ وقوف عرفات حج کے ان ارکان میں سے ہے جن کے بغیر حج ادا نہیں ہوتا بلکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بعض حضرات کے ہاں وقوف اور طواف زیارت فرائض حج میں سے ہے۔ حدیث میں ہے "الحج العرفة" کہ حج وقوف عرفہ کا نام ہے یعنی وقوف عرفہ حج کا رُکن اعظم ہے۔

"الحمس": یہ احمس کی جمع ہے جس کا معنی ہے صاحب قوت۔ یہ قریش اور چند دیگر قبائل کا لقب ہے بنو کنانہ، جدیلہ قیس، بنو عامر بن صعصعہ۔ ان لوگوں کا یہ لقب اس لیے ہے کہ انہوں نے ایام حج میں اپنے اوپر بہت زیادہ پابندیاں مقرر کی ہوئی تھیں جن میں سے ایک پابندی یہ تھی کہ ہم لوگ میدان مزدلفہ کا وقوف کریں گے کہ یہ حرم کی حدود میں ہے۔ میدانِ عرفات کا وقوف نہیں کریں گے کہ یہ حرم کی حدود سے باہر ہے اور ہم بیت اللہ کے متولی ہیں، ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم زمین حرم سے باہر نکلیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس پابندی کو ختم کرنے کے لیے یہ حکم دیا "ثم افیضوا من حیث افاض الناس" کہ میدانِ عرفات کا وقوف کر کے میدان مزدلفہ میں آؤ جس طرح دوسرے لوگ کرتے ہیں۔

"قولہ نحن قطین اللہ ای قطین بیت اللہ" یعنی ہم بیت اللہ کے باشندے ہیں ہمیں فوقیت حاصل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ عَرَفَةَ كُلَّهَا مَوْقِفٌ عرفات پورا ٹھہرنے کی جگہ ہے

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ وَقَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَةَ، فَقَالَ هٰذِهِ عَرَفَةُ وَهُوَ الْمَوْقِفُ وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ ثُمَّ أَفَاضَ حِينَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَأَرْدَفَ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ وَجَعَلَ يُشِيرُ بِيَدِهِ عَلَى هِيئَتِهِ وَالنَّاسُ يَضْرِبُونَ يَمِينًا وَشِمَالًا يَلْتَفِتُ إِلَيْهِمْ وَيَقُولُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمُ السَّكِينَةَ، ثُمَّ أَتَى جَمْعًا فَصَلَّى بِهِمُ الصَّلَاتَيْنِ جَمِيعًا، فَلَمَّا أَصْبَحَ أَتَى قُزَحَ فَوَقَفَ عَلَيْهِ، وَقَالَ هٰذَا قُزَحُ وَهُوَ الْمَوْقِفُ وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ ثُمَّ أَفَاضَ حَتَّى انْتَهَى إِلَى وَادِي مُحَسِّرٍ فَقَرَعَ نَاقَتَهُ فَخَبَّتْ حَتَّى جَاوَزَ الْوَادِيَ فَوَقَفَ وَأَرْدَفَ الْفَضْلَ ثُمَّ أَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا ثُمَّ أَتَى الْمَنْحَرَ فَقَالَ هٰذَا الْمَنْحَرُ وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ وَاسْتَفْتَتْهُ جَارِيَةٌ شَابَّةٌ مِنْ خَثْعَمٍ فَقَالَتْ إِنَّ أَبِي شَيْخٌ كَبِيرٌ قَدْ أَدْرَكَتْهُ فَرِيضَةُ اللّٰهِ فِي الْحَجِّ، أَفَيُجْزِئُ أَنْ أَحُجَّ عَنْهُ؟ قَالَ حُجِّي عَنْ أَبِيكِ، قَالَ وَلَوَى عُنُقَ الْفَضْلِ فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لِمَ لَوَيْتَ عُنُقَ ابْنِ عَمِّكَ؟ قَالَ رَأَيْتُ شَابًّا وَشَابَّةً فَلَمْ آمَنِ الشَّيْطَانَ عَلَيْهِمَا، ثُمَّ أَتَاهُ رَجُلٌ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي أَفَضْتُ قَبْلَ أَنْ أَحْلِقَ قَالَ احْلِقْ أَوْ قَصِّرْ وَلَا حَرَجَ، قَالَ وَجَاءَ آخَرُ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ، قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ، قَالَ ثُمَّ أَتَى الْبَيْتَ فَطَافَ بِهِ ثُمَّ أَتَى زَمْزَمَ، فَقَالَ يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَوْلَا أَنْ يَغْلِبَكُمْ عَلَيْهِ النَّاسُ عَنْهُ لَنَزَعْتُ.

ترجمہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ کھڑے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں اور فرمایا یہ عرفات ہے اور یہ کھڑے رہنے کی جگہ ہے اور عرفہ سب کی سب کھڑے رہنے کی جگہ ہے پھر لوٹے جب آفتاب ڈوبا اور اپنے پیچھے بٹھالیا، اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یعنی اونٹنی مبارک پر اور اشارہ کرنے لگے ہاتھ سے اور وہ اپنے حال پر تھے اور آدمی اونٹوں کو مارتے چلے آتے تھے داہنے اور بائیں اور حضرت پھر پھر کر دیکھتے تھے ان کی طرف اور فرماتے تھے اے آدمیو! آہستہ آہستہ چلو پھر پہنچے جمع میں جس کو مزدلفہ کہتے ہیں تو پڑھیں وہاں پر دو نمازیں ملا کر یعنی مغرب اور عشاء پھر جب صبح ہوئی تو تشریف لائے قزح میں اور قزح ایک مقام ہے جہاں امام کھڑا ہوتا ہے مزدلفے میں اور کھڑے رہے وہاں اور فرمایا یہ قزح ہے اور کھڑے رہنے کی جگہ ہے اور مزدلفہ سب کا سب کھڑے رہنے کی جگہ ہے پھر ٹھہرے یہاں تک کہ پہنچے وادی محسر کو کہ وہ ایک نالہ ہے منیٰ اور مزدلفہ کے بیچ میں جہاں اصحاب الفیل ہلاک ہوئے پھر مارا اپنی اونٹنی کو کوڑا سو دوڑی یہاں تک کہ نکل گئے اس نالے سے پھر ٹھہرے اور پیچھے بٹھایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یعنی اُسامہ کے بدلے پھر آئے جمرے پر اور پتھر مارے اس کو پھر آئے منحر میں یعنی قربانی کی جگہ میں اور فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منحر ہے اور منیٰ سب کا سب ذبح کرنے کی جگہ ہے پھر مسئلہ پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک جوان لڑکی نے جو قبیلہ خثعم سے تھی سو کہا میرا باپ بہت بوڑھا ہے اور پایا اللہ کے فریضہ حج نے اس کو یعنی اس پر حج فرض ہوا کیا کفایت کرتا ہے کہ میں اس کی طرف سے حج کروں؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کر اپنے باپ کی طرف سے کہا راوی نے اور پھیر دی حضرت نے گردن فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یعنی لڑکی کی طرف سے سو عرض کیا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یا رسول اللہ! کیوں پھیر دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن اپنے چچا کے بیٹے کی؟ فرمایا دیکھا میں نے جوان لڑکا اور جوان لڑکی سو نہ مامون ہوا میں شیطان سے ان پر پھر ایک مرد آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے طوافِ افاضہ کر لیا سر منڈانے سے پہلے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب منڈالو کچھ حرج نہیں یا ہاں کتروالو کچھ حرج نہیں، کہا راوی نے پھر آیا دوسرا اور پوچھا یا رسول اللہ! میں نے ذبح کیا قبل کنکریاں پھینکنے کے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب کنکریاں مارلو کچھ حرج نہیں۔ کہا راوی نے پھر آئے بیت اللہ میں اور طواف کیا یعنی طوافِ افاضہ اور افاضہ کہتے ہیں لوٹنے کو پھر آئے زمزم پر اور فرمایا اے عبدالمطلب کی اولاد! اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ لوگ تم کو بھرنے نہ دیں گے تو میں بھی زمزم کے ڈول نکالتا یعنی اگر میں نکالوں گا تو تب لوگ سنت سمجھ کر بھرنے لگیں گے اور پھر تم کو نہ بھرنے دیں گے۔

تشریح عرفات میں کسی جگہ بھی وقوف ہو جائے تو وقوف عرفہ ادا ہو جائے گا۔ ”علی هینته“ اس ہیئت کے مطابق چلو، اس میں دو روایتیں ہیں هینته اور هیئته کیونکہ عرفات سے بیک وقت واپسی ہوتی ہے، دوسروں کو اس میں تکلیف نہ ہو۔ ”واستفته

جاریۃ شابۃ من خثعم" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ فانی پر حج فرض ہے جبکہ شیخ فانی پر حج فرض نہیں ہوتا۔

جواب: مطلب یہ ہے کہ حالت صحت وشباب میں فرض ہوا تھا ادا نہ کیا، وہ شیخ فانی مراد ہے۔

سوال: فضل ابن عباس اس عورت کی طرف کیوں دیکھنے لگے؟

جواب: عادت یہ ہے کہ جب کوئی کسی سے سوال کرتا ہے تو اس کی طرف دوسرے لوگ بھی متوجہ ہوتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ سائل کیا سوال کر رہا ہے اور مجیب کیا جواب دے رہا ہے اس عادت کے مطابق فضل ابن عباس بھی متوجہ ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی گردن کو موڑ دیا کہیں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ شیطان کو وسوسہ کا موقع نہ مل جائے اس لیے فضل ابن عباس بھی خوبصورت اور نوجوان تھے اور وہ عورت بھی خوبصورت اور نوجوان تھی۔

اس پر اجماع ہے کہ عرفات اور مزدلفہ میں جمع بین الصلوٰتین جمع حقیقی وقتی ہے لیکن ان میں فرق ہے۔

(۱) عرفات میں جمع بین الصلوٰتین حقیقی تقدیمی ہے جبکہ مزدلفہ میں جمع بین الصلوٰتین حقیقی تاخیری ہے۔

(۲): عرفات میں جمع بین الصلوٰتین جمہور کے نزدیک جماعت کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے اور بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ ضروری نہیں اور جمع بین الصلوٰتین مزدلفہ میں جماعت شرط نہیں۔

(۳): عرفات میں ایک اذان ہے اور دو اقامت ہیں جبکہ مزدلفہ میں ایک ہی اذان اور ایک ہی اقامت ہے۔
باقی عرفہ اور مزدلفہ میں دیگر شرائط یہ ہیں۔

(۱) احرام کے ساتھ ہو۔ (۲) عرفہ کا میدان ہو۔ (۳) اور عرفہ کا دن ہو۔ (۴) جماعت کے ساتھ ہو۔ (۵) خلیفۃ المسلمین ہو یا اس کا نائب ہو، البتہ مزدلفہ کے لیے جماعت کا ہونا ضروری نہیں۔ (۶) ظہر عصر سے مقدم ہو۔ "افعل و لا حرج"
دس تاریخ کی صبح کو مزدلفہ کو وقوف کے بعد کچھ احکام ہیں۔

(۱) پہلا امر یہ ہے کہ منیٰ میں رمی کرنا ہے۔ (۲) پھر نحر اور پھر حلق کرنا ہے۔ (۳) حلق یا قصر (۴) پھر طواف زیارت کر کے مکمل حلال ہو جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ان امور اربعہ میں ترتیب واجب ہے یا نہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پہلے تین میں ترتیب واجب ہے۔ اگر کسی نے اس ترتیب کو ترک کر دیا تو دم واجب ہوگا۔ امام مالک کے نزدیک اگر حلق کو رمی پر مقدم کیا تو دم واجب ہوگا لیکن اگر حلق کو قربانی پر یا قربانی کو رمی پر مقدم کیا تو دم واجب نہیں ہوگا اور اگر طواف زیارت کو رمی پر مقدم کیا تو یہ جائز نہیں، طواف زیارت کا اعادہ ہوگا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مناسک اربعہ میں ترتیب مسنون ہے جسے ساقط کرنے سے دم واجب نہیں ہوگا۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگر مناسک اربعہ میں ترتیب عمداً ترک کر دی تو دم واجب ہوگا ورنہ نہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک ترتیب مطلقاً واجب ہے اور ترتیب کے ساقط ہونے سے دم مطلقاً واجب ہوگا اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک فی الجملہ ترتیب واجب نہیں۔

دلیل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ: امام صاحب کا استدلال طحاوی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک فتویٰ سے

ہے۔اس میں یہ مذکور ہے کہ جو آدمی ان مناسک میں تقدیم وتاخیر کرے گا، اس پر دم واجب ہوگا۔

دلیل آئمہ ثلاثہ: آئمہ ثلاثہ کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ میں نے حلق سے پہلے طواف زیارت کرلیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "احلق ولا حرج" ایک دوسرے آدمی نے کہا کہ میں نے رمی سے پہلے قربانی کرلی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ارم ولا حرج" اس سے معلوم ہوا کہ مناسک اربعہ میں ترتیب واجب نہیں ہے۔

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا حرج" فرما کر گناہ کی نفی کی ہے نہ کہ دم کی۔اس پر قرینہ یہ ہے کہ یہی روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا فتویٰ یہ ہے کہ دم واجب ہوگا۔اس سے معلوم ہوا کہ "لا حرج" سے گناہ کی نفی ہے وجوب دم کی نفی نہیں ورنہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ روایت اور فتویٰ کے درمیان تعارض لازم آئے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الإِفَاضَةِ مِنْ عَرَفَاتٍ عرفات سے لوٹنے کے بیان میں

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْضَعَ فِي وَادِي مُحَسِّرٍ وَزَادَ فِيهِ بِشْرٌ وَأَفَاضَ مِنْ جَمْعٍ وَعَلَيْهِ السَّكِينَةُ وَأَمَرَهُمْ بِالسَّكِينَةِ، وَزَادَ فِيهِ أَبُو نُعَيْمٍ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَرْمُوا بِمِثْلِ حَصَى الخَذْفِ وَقَالَ لَعَلِّي لَا أَرَاكُمْ بَعْدَ عَامِي هٰذَا.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلدی چلے وادی محسر میں اور اس کی تحقیق اوپر کی حدیث میں گزری اور زیادہ کیا اس روایت میں بشر نے کہ لوٹے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفے سے تسکین کے ساتھ اور حکم کیا لوگوں کو آہستہ چلنے کا اور زیادہ کیا ابونعیم نے کہ حکم کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کنکریاں مارنے کا جو دو انگلیوں میں پکڑی جائیں یعنی کھجور کی گٹھلی کے برابر اور فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید نہ دیکھو میں تم کو اسی سال کے بعد یعنی یہ اشارہ ہے اپنی ذات کی طرف اور اسی سبب سے اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں۔

تشریح: اضافت کا معنی ہے واپسی، یعنی میدانِ عرفات سے واپسی سے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الجَمْعِ بَيْنَ المَغْرِبِ وَالعِشَاءِ بِالمُزْدَلِفَةِ

مغرب اور عشاء مزدلفہ میں ایک ساتھ پڑھنا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ صَلَّى بِجَمْعٍ فَجَمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ بِإِقَامَةٍ وَقَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ مِثْلَ هٰذَا فِي هٰذَا المَكَانِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ البتہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نماز پڑھی مزدلفے میں اور ملا کر پڑھیں دو نمازیں ایک ہی تکبیر سے اور فرمایا دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے ہوئے اس مکان میں۔

تشریح: مزدلفہ میں اقامت کے بارے میں دو قسم کی روایتیں ہیں، اقامت واحدہ کی اور اقامتین کی بھی روایات ہیں اور ظاہر ہے ان میں یا تو تطبیق ہوگی یا ترجیح۔

تطبیق: اگر مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز درمیان فصل نہ ہو تو اقامت واحدہ اور اگر فصل ہو جائے تو اقامتین، یہ صاحب ہدایہ نے تطبیق پیش کی لیکن اس پر اشکال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمع بین الصلوٰتین فرمائی تو اس میں وقفہ ہوا ہوگا یا نہیں، اگر وقفہ ہو تو پھر دو اقامت اور اگر وقفہ نہ ہو، پھر ایک اقامت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حج ایک ہی ہے۔

صحیح جواب یہ ہے کہ جن روایات میں اقامت واحدہ کا ذکر ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ہیں اور جن صحابہ رضی اللہ عنہم سے فصل ہوا تقریباً ایک لاکھ صحابہ رضی اللہ عنہم سے فصل ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم عشاء کے لیے دوبارہ اقامت کہو، مجازاً امر ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت کر دی گئی۔

ترجیح: بعض حضرات نے ترجیح دی ہے کہ قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ عرفات میں دو اقامتیں ہوں اس لیے کہ جب ظہر کی نماز ہوگی تو سب کے ذہنوں میں یہ بات ہوگی کہ عصر کی نماز اپنے وقت میں ہوگی تو ان کو اطلاع دینے کے لیے مستقل اقامت کہی جائے اور مزدلفہ میں مغرب کی نماز عشاء کی نماز کے وقت میں ادا کی جاتی ہے، جب مغرب کی نماز ادا کی گئی تو کسی کے ذہن میں نہیں کہ عشاء کی نماز تاخیر سے ہوگی کہ ان کو اطلاع دینے کی ضرورت ہو۔ لہٰذا یہاں پر ایک اقامت ہونی چاہیے۔ لہٰذا قیاس سے اقامت واحدہ کو ترجیح دیں گے۔

سند پر کلام: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما دو طریق سے مروی ہے۔ (۱) بطریق عبداللہ بن مالک (۲) بطریق سعید ابن جبیر۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما بطریق عبداللہ بن مالک ہیں، ابو اسحق کا ذکر ہے یہ تو صحیح ہے لیکن سعید بن جبیر میں ابو اسحق کا ذکر خطاء ہے کیونکہ ابو اسحق عبداللہ بن مالک کے شاگرد ہیں نہ کہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ أَدْرَكَ الإِمَامَ بِجَمْعٍ فَقَدْ أَدْرَكَ الحَجَّ

جو شخص (وقوف عرفہ کے بعد) مزدلفہ میں امام کے ساتھ وقوف میں شریک ہو جائے اس کا حج ہو گیا

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْمَرَ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ أَتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِعَرَفَةَ فَسَأَلُوهُ فَأَمَرَ مُنَادِيًا فَنَادَى الحَجُّ عَرَفَةُ مَنْ جَاءَ لَيْلَةَ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوعِ الفَجْرِ فَقَدْ أَدْرَكَ الحَجَّ أَيَّامُ مِنًى ثَلَاثَةٌ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ قَالَ وَزَادَ يَحْيَى وَأَرْدَفَ رَجُلًا فَنَادَى بِهِ.

ترجمہ حضرت عبدالرحمن بن یعمر سے روایت ہے کہ کچھ لوگ نجد سے آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں تھے سوسوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یعنی حج کے وقت کا اور فوت ہونے کا تو حکم کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پکارنے والے کو پکار دے حج عرفات میں کھڑے ہونے کا نام ہے یعنی جو نویں تاریخ ذی الحجہ کے زوال کے بعد سے دسویں تاریخ کے طلوعِ فجر تک عرفات میں کھڑا ہو جائے اس نے حج پالیا اور دن منیٰ میں ٹھہرنے کے تین ہیں سو جو جلدی چلا گیا وہ دن میں تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو دیر کر کے گیا تیسرے دن میں اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔ کہا محمد نے اور زیادہ کیا یحییٰ نے اس روایت میں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اپنی سواری پر پیچھے بٹھالیا تھا وہ یہی پکارتا تھا۔

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ مُضَرِّسِ بْنِ أَوْسِ بْنِ حَارِثَةَ بْنِ لَامِ الطَّائِيِّ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُزْدَلِفَةِ حِينَ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي جِئْتُ مِنْ جَبَلَيْ طَيِّئٍ أَكْلَلْتُ رَاحِلَتِي وَأَتْعَبْتُ نَفْسِي وَاللهِ مَا تَرَكْتُ مِنْ حَبْلٍ إِلَّا وَقَفْتُ عَلَيْهِ فَهَلْ لِي مِنْ حَجٍّ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَهِدَ صَلَاتَنَا هٰذِهِ وَوَقَفَ مَعَنَا حَتَّى نَدْفَعَ وَقَدْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَقَدْ أَتَمَّ حَجَّهُ وَقَضَى تَفَثَهُ.

ترجمہ حضرت عروہ بن مضرس اوس بن حارثہ بن لام الطائی سے روایت ہے کہ آیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مزدلفہ میں جب نکلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو تو عرض کیا میں نے یا رسول اللہ! میں آیا ہوں پہاڑوں سے طے کے جو ایک قبیلہ ہے اور میں نے خوب تھکایا اپنی اونٹنی کو یعنی دوڑانے سے اور تکلیف میں ڈالا اپنی جان کو یعنی جلد آنے میں اور کوئی پہاڑ یا ٹیلہ ریت کا نہ چھوڑا میں نے قسم ہے اللہ کی مگر کھڑا رہا میں وہاں یعنی عرفات کے خیال سے تو میرا حج ہوا یا نہیں؟ تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آ ملے ہماری اس نماز میں مزدلفہ میں اور وقوف کرے ہمارے ساتھ اور عرفات میں کھڑا ہو چکا اس سے پہلے رات کو یا دن کو سو پورا ہو چکا حج اس کا اور اُتار ڈالے وہ اپنا میل کچیل یعنی احرام کھولے۔

تشریح اس پر اجماع ہے کہ عرفات میں دسویں ذی الحجہ کے صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے عرفات میں حاضر ہو گیا تو اس کا حج اداء ہو جائے گا، اگر دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق ہو جائے اور وقوف نہ ہو تو حج فوت ہو جائے گا، اگلے سال قضاء لازم ہو گی لیکن احرام سے کیسے نکلے گا تو امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ افعال عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام سے نکل جائے۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ وقوف عرفہ کا ابتدائی وقت کیا ہے۔

قول اوّل: جمہور فقہاء کے نزدیک نویں ذی الحجہ کے زوال کے بعد شروع ہوگا۔

قول ثانی: حنابلہ کے نزدیک نویں ذی الحجہ کے سورج کے طلوع ہونے کے بعد وقوف عرفہ کا وقت شروع ہو جائے گا۔
ثمرہ اختلاف: نویں ذی الحجہ کے زوال سے پہلے اگر کوئی شخص عرفہ میں آیا اور زوال سے پہلے نکل گیا تو جمہور کے نزدیک اس کا وقوف عرفہ ادا نہ ہوگا، معتبر نہیں ہوگا اور حنابلہ کے نزدیک اس کا وقوف عرفہ معتبر ہوگا۔
جمہور کی دلیل: عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عمل خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یہ حضرات وقوف عرفہ زوال کے بعد فرماتے تھے۔
حنابلہ کی دلیل: حدیث عروہ بن مضرس: ''قال آتیتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم بالمزدلفة حین خرج الی الصلوٰۃ'' (فجر) ''فقلت یا رسول اللہ من جبلی طیِّ اکللت راحلتی و اَتعبْتُ نفسی ماترکت من جبل الا وقفت'' (اس نیت سے کہ کہیں عرفہ نہ ہو) ''فھل لی من حجّ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم من شھد صلوتنا ھذہ و وقف معنا حتّی یدفع و قد وقف بعرفة قبل ذالک لیلاً او نھارا فقد تم حجّہ و قضی تفثہ'' اس حدیث میں جس طرح لیل سے مطلق لیل مراد ہے کوئی حصہ اور جزء بھی ہو، اسی طرح نھار سے بھی مطلق نھار مراد ہے، کسی حصہ میں بھی ہو اور دن شروع ہوتا طلوع شمس سے یعنی جس طرح رات میں عموم ہے، اسی طرح دن میں بھی عموم ہے؟
جواب: رات کے بارے میں کوئی مانع موجود نہیں لہٰذا اس کو تو اپنے عموم پر رکھیں گے کہ کسی جزء میں ہو جبکہ نھار کو مقید کریں، اپنے عموم پر باقی نہیں رکھیں گے، اس لیے کہ یہاں پر مانع ہے اور وہ یہ ہے کہ اس صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل کے خلاف لازم آتا ہے، لہٰذا اس کو زوال کے بعد کے ساتھ مقید کریں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْدِيمِ الضَّعَفَةِ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ

ضعیف لوگوں کو مزدلفہ سے جلدی روانہ کرنا

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَقَلٍ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ بھیجا مجھ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسباب کے ساتھ مزدلفہ سے رات ہی کو۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ وَقَالَ لَا تَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے روانہ کیا اپنے گھر کے ضعیفوں یعنی لڑکے بالوں کو یعنی مزدلفہ سے منٰی کو اور فرمایا کنکریاں نہ مارنا جب تک آفتاب نہ نکلے۔

تشریح: مزدلفہ کے وقوف کا وقت طلوع فجر کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اگرچہ لوگ رات کو آجاتے ہیں، اب کوئی بیمار ہو یا بوڑھا ہو کہ ازدحام کی وجہ سے اس کو تکلیف ہو تو رات کو یہ منٰی جا سکتا ہے۔ اس مسئلہ میں مزدلفہ میں رات گزارنا مسنون ہے۔

مسئلہ اختلافی: البتہ وقوف کی کیا حیثیت ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔
قول اوّل: احناف کے نزدیک واجب ہے بلا عذر ترک کرنے سے دم واجب ہوگا، اگر عذر ہو تو دم واجب نہیں۔
دلیل: حدیث الباب حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کمزور ازواج کے ساتھ مجھے بھی پہلے ہی منیٰ کی طرف بھیج دیا، وقوف نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ فرض نہیں ہے۔
قول ثانی: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ دیگر آئمہ کے نزدیک فرض ہے جبکہ شیخ الحدیث نے اوجز المسالک میں لکھا ہے کہ دیگر آئمہ کے نزدیک مسنون ہے۔ ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔
باقی مزدلفہ سے ضعفاء منیٰ میں پہلے آ تو سکتے ہیں لیکن جمرہ عقبہ کی رمی صبح طلوع ہونے سے پہلے کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔
قول اوّل: احناف کے نزدیک نہیں کر سکتے۔
قول ثانی: شوافع کے نزدیک صبح طلوع ہونے سے پہلے بھی رمی کر سکتا ہے۔
دلیل: حدیث اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہ انہوں نے قبل طلوع الفجر رمی کی۔
جواب: قبل طلوع الفجر سے مراد قبل طلوع الشمس ہے۔ اگر چہ مستحب وقت بعد طلوع الشمس ہوتا ہے۔
سوال: یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما بلا واسطہ نقل کر رہے ہیں، یا فضل کے واسطہ کے ساتھ؟
جواب: امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بلا واسطہ نقل کر رہے ہیں کیونکہ یہ ان کا اپنا واقعہ ہے ان کو کیا ضرورت ہے کہ فضل کے واسطہ کے ساتھ ذکر کریں، لہٰذا فضل کا واسطہ مشاش کی خطاء ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَمْيِ يَوْمِ النَّحْرِ ضُحًى نحر کے دن رمی کا بیان

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى وَأَمَّا بَعْدَ ذٰلِكَ فَبَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کنکریاں پھینکتے تھے نحر کے روز یعنی دسویں تاریخ ذی الحجہ کو چاشت کے وقت یعنی دن چڑھے اور بعد اس کے اور دونوں میں زوالِ آفتاب کے بعد۔

تشریح: دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی ہوتی ہے، اس کا وقت جواز احناف کے نزدیک صبح طلوع کے ہونے کے بعد طلوع شمس کے وقت مستحب، پھر زوال کے بعد غروب شمس تک وقت جواز بلا کراہت ہوتا ہے اور پھر مغرب سے اگلے دن یعنی گیارہ کی صبح صادق طلوع ہونے تک وقت جواز مع الکراہت ہوتا ہے، اس کے بعد وقت ہو جاتا ہے اور اگر کسی نے رمی نہ کی تو دم لازم ہوتا ہے۔ بخلاف گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں ذی الحجہ کو تینوں جمروں کی رمی ہوگی اور ان تینوں میں وقت جواز زوال کے بعد شروع ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الإِفَاضَةَ مِنْ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ

مزدلفے سے آفتاب نکلنے سے پہلے لوٹنا چاہیے

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَاضَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوٹے یعنی مزدلفے سے آفتاب نکلنے سے پہلے۔

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ مَيْمُونٍ يُحَدِّثُ يَقُولُ كُنَّا وُقُوفًا بِجَمْعٍ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِنَّ الْمُشْرِكِينَ كَانُوا لَا يُفِيضُونَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَكَانُوا يَقُولُونَ أَشْرِقْ ثَبِيرُ وَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالَفَهُمْ، فَأَفَاضَ عُمَرُ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ.

ترجمہ حضرت ابی اسحٰق سے روایت ہے کہ سنا میں نے عمرو بن میمون سے کہتے تھے ہم کھڑے تھے مزدلفہ میں سو کہا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ مشرکین نہیں لوٹتے تھے جب تک آفتاب نہ نکلے اور کہتے تھے چمک جاتے ثبیر اور ثبیر ایک پہاڑ ہے کہ جب دھوپ اس پر چمکتی تب روانہ ہوتے تھے البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف کیا پھر لوٹے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آفتاب نکلنے سے پہلے۔

تشریح مزدلفہ سے منیٰ کی طرف واپسی سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ہے اور منیٰ سے عرفات کی طرف روانگی سورج کے طلوع ہونے کے بعد ہے بخلاف زمانہ جاہلیت کے وہ مزدلفہ میں ٹھہرتے جب سورج طلوع ہوتا اور ثبیر نامی پہاڑ پر جب دھوپ ظاہر ہوتی تو منیٰ کی طرف واپس ہوتے ہم نے مشرکین اور اہل جاہلیت کی مخالفت کرنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مزدلفہ میں فجر کی نماز غلس میں پڑھیں گے اور نماز کے بعد وقوف ہوگا اور طلوع شمس سے پہلے پہلے منیٰ کی طرف روانگی ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْجِمَارَ الَّتِي يُرْمَى بِهَا مِثْلُ حَصَى الْخَذْفِ چھوٹی کنکریاں مارنے کے بیان میں

عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي الْجِمَارَ بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ.

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کنکریاں مارتے تھے جمروں کو مثل حذف کے اور حذف انگلیوں میں کنکریاں رکھ کر مارنے کو کہتے ہیں۔ مراد اس سے چھوٹی کنکری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّمْيِ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ زوال آفتاب کے بعد کنکریاں مارنا

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي الْجِمَارَ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنکریاں مارتے جمروں کو بعد زوالِ شمس کے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَمْيِ الْجِمَارِ رَاكِبًا سوار ہو کر کنکریاں مارنا

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَى الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ رَاكِبًا.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں ماریں جمرے پر نحر کے دن سوار ہو کر۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَمَى الْجِمَارَ مَشَى إِلَيْهَا ذَاهِبًا وَرَاجِعًا.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کنکریاں مارتے تھے جمروں کو تو پیدل جاتے تھے اور پیدل ہی آتے۔

تشریح رمی راکباً اور ماشیاً دونوں طرح جائز ہے۔ البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: احناف کے نزدیک ماشیاً افضل ہے کیونکہ اس میں تواضع ہے اور ایذاء کا پہلو بھی کم پایا جاتا ہے۔

قول ثانی: ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ رمی جس کے بعد اور رمی ہو تو ماشیاً افضل ہے اور ہر وہ رمی جس کے بعد دوسری رمی نہ ہو وہ راکباً افضل ہے۔ امام ابو یوسف مرض الوفات میں تھے، شاگرد سے پوچھا کہ کس طرح رمی افضل ہے؟ کہا کہ ماشیاً افضل ہے تو قاضی صاحب نے فرمایا تجھ سے خطاء ہوئی، پھر شاگرد نے کہا کہ دھاگہ اور ثقیلہ یہ ہے کہ جوتے کو گلے میں ڈال دیا جائے۔ حدیث میں معمولی قسم کے دھاگے اور ڈوری کا اثبات ہے اور احناف جو قلادہ کا انکار کرتے ہیں اور ناجائز قرار دیتے ہیں وہ قلادہ ثقیلہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ كَيْفَ تُرْمَى الْجِمَارُ رمی کیسے کی جائے

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ لَمَّا أَتَى عَبْدُ اللّٰهِ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ اسْتَبْطَنَ الْوَادِيَ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَجَعَلَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ عَلَى حَاجِبِهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ رَمَى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ مِنْ هٰهُنَا رَمَى الَّذِي أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ.

ترجمہ حضرت عبدالرحمن بن یزید سے روایت ہے کہ جب آئے عبداللہ جمرہ عقبہ کے پاس بیچ میں کھڑے ہوئے میدان کے اور منہ کیا کعبے کی طرف اور کنکریاں مارنے لگے داہنے ابرو کے مقابل پھر ماریں سات کنکریاں اللہ اکبر کہتے تھے ہر کنکری پر پھر فرمایا قسم ہے اس اللہ عزوجل کی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی جگہ سے کنکریاں ماری تھیں انہوں نے جن پر سورۂ بقرہ اُتری تھی یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اور تخصیص سورۂ بقرہ کی شاید اس واسطے فرمائی کہ اس میں احکام حج بہت مذکور ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا جُعِلَ رَمْيُ الْجِمَارِ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِإِقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کنکریاں مارنا جمروں پر اور دوڑنا صفا اور مروہ کے بیچ میں اللہ کی یاد کرنے کے لیے مقرر ہوا ہے یعنی تا کہ ہاجرہ اور اسماعیل کا ہجرت کرنا اور اللہ کی راہ میں جان فدا کرنا یاد آئے۔

تشریح اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام جمرات کی رمی کسی بھی جانب سے کسی بھی کیفیت کے ساتھ کی جاسکتی ہے اور اس بات میں بھی اتفاق ہے کہ جمرۃ اولیٰ اور جمرۃ وسطیٰ کی رمی کے وقت استقبال قبلہ مستحب ہے۔ حدیث الباب میں جمرۃ عقبہ کی رمی میں بھی استقبال قبلہ کا ذکر ہے لیکن اس کی سند درست نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ طَرْدِ النَّاسِ عِنْدَ رَمْيِ الْجِمَارِ

رمی کے وقت لوگوں کو دھکیلنے کی کراہت

عَنْ قُدَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي الْجِمَارَ عَلَى نَاقَةٍ لَيْسَ ضَرْبٌ وَلَا طَرْدٌ وَلَا إِلَيْكَ إِلَيْكَ.

ترجمہ حضرت قدامہ بن عبیداللہ سے روایت ہے کہ دیکھا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ کنکریاں مارتے تھے اپنی اونٹنی پر سے (اور) نہ مارنا تھا نہ ہانکنا تھا نہ دھکیلنا تھا لوگوں کو اور نہ ہٹو بچو تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاشْتِرَاكِ فِي الْبَدَنَةِ وَالْبَقَرَةِ اونٹ اور گائے میں شراکت کے متعلق

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَحَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ الْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ذبح کی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سال سات آدمیوں میں ایک گائے اور سات آدمیوں میں ایک اونٹ یعنی ایک گائے میں سات آدمی شریک ہوئے۔

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى عَنْ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ عَنْ عِلْبَاءَ بْنِ أَحْمَرَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَحَضَرَ الْأَضْحَى فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَقَرَةِ سَبْعَةً وَفِي الْجَزُورِ عَشَرَةً.

ترجمہ روایت کی ہم سے حسین بن حریث اور کئی لوگوں نے کہا سب نے روایت کی ہم سے فضل بن موسیٰ نے انہوں نے حسین بن واقد سے انہوں نے علیا بن احمر سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا تھے ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں سو آ گئی عید اضحیٰ اور شریک ہو گئے ہم ایک گائے میں سات آدمی اور ایک اونٹ میں دس آدمی۔

تشریح قولِ اوّل: آئمہ اربعہ کے نزدیک بقر وابل میں زیادہ سے زیادہ سات افراد شریک ہوسکتے ہیں کیونکہ عام احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

قولِ ثانی: اسحاق بن راہویہ کے کہ وہ کہتے ہیں کہ بقر میں تو صرف سات شریک ہوسکتے ہیں اور ابل میں دس شریک ہوسکتے ہیں۔

دلیل: یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں دس کی شرکت کا ذکر ہے۔

جوابات: جمہور اس حدیث میں چند تاویلات کرتے ہیں۔

(۱) بعض کہتے ہیں کہ یہ سفر کا واقعہ ہے اور حالت سفر میں مسافر پر قربانی واجب نہیں ہوتی اور دم قران تو واجب ہے۔

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ دس آدمی صرف کھانے میں شریک تھے۔ ملکیت میں سب شریک نہیں تھے۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ ابتداء میں دس آدمیوں کی شرکت جائز تھی اور بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات ازواج مطہرات کی طرف سے ایک بدنہ ذبح کیا۔

(۴) معارف السنن میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول منقول ہے کہ "واقعۃ حال لا عموم لھا" کہ یہ واقعہ جزئیہ ہے کلیہ قاعدہ نہیں۔ ویسے تو حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایک بکری ایک گھر والوں کی طرف سے کافی ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تو یہاں بھی کفالت کا یہی مطلب ہے کہ بکری میں ایک گھر والے کھانے میں شریک ہوسکتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِشْعَارِ الْبُدْنِ قربانی کے اونٹ کا اشعار کرنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَلَّدَ نَعْلَيْنِ وَأَشْعَرَ الْهَدْيَ فِي الشِّقِّ الْأَيْمَنِ بِذِي الْحُلَيْفَةِ، وَأَمَاطَ عَنْهُ الدَّمَ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اونٹنیوں کے گلوں میں ہار ڈالا دو جوتیوں کا اور زخمی کردیا اونٹنیوں کی کوہان کو داہنی طرف سے ذوالحلیفہ میں پونچھ دیا خون اس کا۔

تشریح بدنہ کا اطلاق صرف اونٹ پر ہوتا ہے۔ اکثر حضرات کے نزدیک اور بعض نے کہا کہ گائے پر بھی ہوتا ہے، اشعار کا معنی یہ ہے کہ اصل میں اعلام خبر دینے کو کہتے ہیں اور اشعار البدن کا معنی ہے ہدی کا اونٹ وہ اونٹ جس کو حرم میں ذبح کرنے کے لیے بھیجا جائے اس کی کوہان کو زخمی کرنے کے بعد اُس زخم سے بہنے والے خون کو اس کی کوہان پر مل دینا، رنگین کردینا، اس کا معنی ہے اشعار اور لغوی معنی سے مناسبت یہ ہے کہ اس عمل سے خبر دی جاتی ہے اس بات کی کہ یہ اونٹ حرم میں ذبح کرنے کے لیے بھیجا جارہا ہے اس کی طرف تعرض نہ کیا جائے۔

مسئلہ اختلافی: اشعار کی حیثیت کیا ہے؟ قولِ اوّل: جمہور کے نزدیک مسنون ومستحب ہے۔

قولِ ثانی: امام صاحب رحمہ اللہ اشعار کو مکروہ قرار دیتے ہیں اور اشعار کے قائل نہیں ہیں، اسی قول کی وجہ سے امام صاحب

رحمہ اللہ پر بڑی سختی کی گئی۔ "قال سمعت یوسف بن عیسیٰ" امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے یوسف بن عیسیٰ سے سنا کہ وہ فرمار ہے تھے کہ میں نے وکیع سے سنا، اس نے جب اشعار والی حدیث بیان کی تو انہوں نے فرمایا: "لا تنظروا الی قول اهل الرأی فی هذا فان الاشعار سنة وقوله بدعة" پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "سمعت ابا السائب یقول کنا عند وکیع فقال الرّجل ممن ینظر فی الرأی اشعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ویقول ابو حنیفة وهو مثلة قال الرجال (یعنی جو اہل رائے میں سے تھا اس نے امام صاحب کی تائید کی کہا کہ) فانه قدروی عن ابراهیم النخعی انه قال اشعار مثلة" کہ ابراہیم نخعی جن کی شخصیت مسلمات میں سے ہے وہ بھی اس کو مثلہ کہتے ہیں۔ "قال فرأیت وکیعًا غضب غضبًا شدیدًا" اور کہا کہ تو اس قابل ہے کہ تجھے قید خانے میں ڈالا جائے اور اس وقت تک جیل میں رکھا جائے جب تک تو اس قول سے رجوع نہ کرے۔ "وقال اقول لک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تقول قال ابراهیم النخعی ما احَقَّکَ بان تحبس ثم لا تخرج حتی تنزع عن قولک هذا"

جواب (۱): ہم تسلیم نہیں کرتے کہ امام صاحب اشعار کے قائل نہیں بلکہ امام صاحب اشعار کے قائل ہیں۔

چنانچہ امام طحاوی جو اعلم مذہب ابی حنیفہ قرار دیئے جاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اشعار کو مستحب قرار دیتے ہیں، یعنی اس اشعار کے قائل ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہوتا تھا اور امام صاحب رحمہ اللہ نے جس اشعار کا انکار کیا ہے وہ اپنے زمانے کے لوگوں کا اشعار ہے ان کے زمانے کے لوگوں کا اشعار بالمبالغہ ہوتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اشعار کا اثر جلد تک ہوتا تھا، گوشت تک نہیں ہوتا تھا جبکہ امام صاحب رحمہ اللہ کے زمانے میں اشعار میں قطع کا اثر لحم تک پہنچ جاتا تھا جو قریب الی الهلاکت ہوتا تھا۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے اس اشعار کے بارے میں فرمایا کہ بدعت ہے اس قول کی وجہ سے امام صاحب رحمہ اللہ پر طعن وتشنیع کرنا صحیح نہیں ہے۔

جواب (۲): امام صاحب جو اس کو مثلہ قرار دیتے ہیں اصل میں اشعار اس وقت تک ہوا جب تک مثلہ سے نہی نہیں آئی تھی جب اس سے نہی آ گئی تو یہ بھی ممنوع ہو گیا۔

سوال: اشعار تو حجۃ الوداع کے موقع پر بھی ہوا اور مثلہ سے نہی پہلے ہو گئی تھی؟

جواب: ہم تسلیم نہیں کرتے کہ نہی پہلے ہو گئی ہو بلکہ یہ احتمال ہے کہ بعد میں ہوئی ہو کیونکہ حجۃ الوداع کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکیاسی، بیاسی دن بقید حیات رہے۔ لہٰذا یہ احتمال ہے کہ نہی حجۃ الوداع کے بعد نہی ہوئی ہو۔

جواب (۳): امام صاحب کا اشعار سے انکار کرنا "انتهاء الحکم لانتهاء العلّة" کے قبیل سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اشعار اس لیے کرتے تھے تاکہ لوگ اس کی طرف تعرض نہ کریں، بعد میں جب لوگوں کے دلوں میں اسلام راسخ ہو گیا، پھر اس کی ضرورت نہ رہی تو پھر یہ منسوخ ہو گیا۔

سوال: وکیع نے پھر یہ کیسے کہہ دیا کہ اہل قول کا یہ قول بدعت ہے؟

جواب: وکیع کے کہنے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ واقعہ اور حقیقت میں بدعت ہے۔ باقی وکیع کا غصے ہونا بالکل بجا ہے اس لیے کہ اس آدمی نے اپنی مافی الضمیر کا اظہار اس طور پر کیا تھا کہ بظاہر حدیث کا معارضہ ہو رہا تھا، یہ ایسے ہے جیسے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے نے اس طور پر عورتوں کے مسجد میں آنے کے بارے میں مسئلہ بیان کیا کہ اس سے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معارضہ لازم آتا تھا، اس وجہ سے ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے پر غصے ہوئے تھے، بالکل ایسے ہی معاملہ یہاں پر ہے وکیع کا غصے ہونا اصل مسئلہ کی وجہ سے نہیں تھا۔ باقی پوری ترمذی میں امام صاحب رحمہ اللہ کا نام مذکور نہیں، سوائے اس مقام کے اور اہل رائے وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں آیت بھی نہ ہو، حدیث بھی نہ، اجماع اُمت بھی نہ ہو، وہ اجتہاد سے کام لیتے ہوں، ان کو اہل رائے کہتے ہیں اور اہل رائے کے تحت تمام فقہاء داخل ہیں، ان کے مقابلے میں وہ لوگ ہیں جو توقف کرتے ہیں ان کو غیر اہل رائے کہتے ہیں۔

باب بلاترجمہ ہدی خریدنے کا بیان

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى هَدْيَهُ مِنْ قُدَيْدٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خریدی ہدی اپنی قدید سے کہ وہ ایک موضع ہے مکے اور مدینے کے درمیان میں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْلِيدِ الْهَدْيِ لِلْمُقِيمِ مقیم کی ہدی کی تقلید کرنا

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَمْ يُحْرِمْ وَلَمْ يَتْرُكْ شَيْئًا مِنَ الثِّيَابِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے بٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں کے گلے کے ہار پھر نہ احرام باندھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا نہ حرام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر کسی چیز کو اور نہ چھوڑا کسی کپڑے کو۔

تشریح: جو شخص اپنے گھر میں مقیم ہو اور وہ ہدی کا جانور بھیج دے تاکہ اس جانور کو منیٰ میں ذبح کیا جائے کیونکہ منیٰ میں ذبح کرنا مستحب ہے اور قربت ہے لیکن اس شخص پر محرم کے احکام لاگو ہوں گے یا نہیں؟ اس بارے میں آئمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض سلف کے نزدیک یہ محرم کے حکم میں ہے جب تک کہ اس ہدی کو ذبح نہ کیا جائے لیکن اس کے برخلاف خلفاء اربعہ فرماتے ہیں کہ یہ محرم کے حکم میں نہیں ہے یہی قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْلِيدِ الغَنَمِ بکریوں کی تقلید

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَفْتِلُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّهَا غَنَمًا ثُمَّ لَا يُحْرِمُ

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں بٹا کرتی تھی ہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کی بکریوں کے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم محرم نہیں ہوتے تھے۔

تشریح تقلید ابل باتفاق جائز ہے تقلید کا معنی یہ ہے کہ ہدی کے گلے میں کوئی جوتا یا قلادہ ڈالا جائے تاکہ گم ہونے کی صورت میں لوگ اسے پہچان سکیں کہ یہ ہدی کا جانور ہے۔

مسئلہ: البتہ تقلید غنم میں اختلاف ہے۔

مذہب اوّل: امام شافعی واحمد کے نزدیک تقلید غنم سنت ہے

مذہب ثانی: امام ابوحنیفہ و مالک کے نزدیک تقلید غنم ممنوع ہے۔ حافظ عینی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ تقلید کو مطلقاً منع نہیں کہتے بلکہ اس کی نسبت کے منکر ہیں۔ فقہاء احناف لکھتے ہیں ”الابل تقلید و تحلیل و تشعیر و البقر لا تشعر بل تقلد و تحلل و الغنم لا یفعل بھا شیء“

امام شافعی کی دلیل: حدیث باب ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تقلید غنم فرماتی تھیں مگر احناف کہتے ہیں کہ غنم کمزور ہے اور تقلید سے اسے سخت مشقت لاحق ہوگی۔ لہٰذا تقلید غنم نہیں کرنی چاہیے۔ باقی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جو تقلید منقول ہے اس سے تقلید معتاد و نعال وغیرہ مراد نہیں ہے بلکہ اس سے تقلید بالحبال مراد ہے یعنی چھوٹی سی رسی علامت کے طور پر گلے میں ڈالے۔

ترکیب ”کلھا“ حال ہے قلائد سے اور غنماً حال ہے ہدی سے۔

سوال: حال کے لیے تو مشتق ہونا ضروری ہے اور غنم تو مشتق نہیں؟

جواب: یہ اکثر نحاۃ کا مذہب ہے بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ مشتق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سوال: ہدی قلادہ کا مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ سے حال تب بن سکتا ہے جب مضاف کو مضاف الیہ کے قائم مقام کرنا صحیح ہو اور یہاں پر ہدی قلادہ کے قائم مقام نہیں بن سکتا، اس لیے کہ معنی صحیح نہ ہوگا، معنی یہ ہوگا کہ میں بٹتی تھی ہدی کو اور یہ معنی صحیح نہیں۔

جواب: نحویوں کے قواعد اکثری ہیں کلی نہیں ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا عَطِبَ الهَدْيُ مَا يُصْنَعُ بِهِ

اگر ہدی کا جانور قریب المرگ ہو جائے تو کیا کیا جائے

عَنْ نَاجِيَةَ الخُزَاعِيِّ صَاحِبِ بُدْنِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ أَصْنَعُ

بِمَا عَطِبَ مِنَ الْبُدْنِ قَالَ انْحَرْهَا ثُمَّ اغْمِسْ نَعْلَهَا فِي دَمِهَا ثُمَّ خَلِّ بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَهَا فَيَأْكُلُوهَا

ترجمہ: حضرت ناجیہ خزاعی سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے یارسول اللہ! کیا کروں میں اس قربانی کے جانور کو جو مرنے لگے؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کردے اس کو اور ڈبودے اس کی جوتی یعنی جو گلے میں تھی اس کے خون میں پھر چھوڑ دے کہ لوگ اس کو کھائیں۔

تشریح: ہدی کے جانوروں میں سے اگر کوئی جانور قریب الہلاکت ہو تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے تو اس بات میں تو اتفاق ہے کہ ذبح کرنا جائز ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ذبح کرنے والا یعنی جانور لیجانے والا بھی کھا سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس میں تفصیل ہے کہ ہدی دو قسم پر ہے۔(۱) ہدی تطوع (۲) ہدی واجب۔ اگر تطوع ہو تو نہ خود کھائے اور نہ اس کے ساتھی کھائیں بلکہ تخلیہ کردیا جائے اس جانور اور فقراء کے درمیان۔ جمہور کے نزدیک اس صورت میں اگر خود کھالیا تو تاوان لازم ہوگا جتنا گوشت کھایا ہے۔ مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ تھوڑی مقدار بھی کھالے تو پوری ہدی کا تاوان لازم آئے گا اور اگر ہدی واجب ہے تو ذبح کرنے کے بعد جو جی میں آئے خود کھالے اور ساتھیوں کو کھلائے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے بالعکس مذاہب نقل کیے یعنی اگر تطوع ہو تو جو جی میں آئے کھالے اور ساتھیوں کو کھلائے اور اگر واجب ہو تو پھر نہ خود کھائے اور نہ ساتھیوں کو کھلائے۔ اب ظاہر ہے کہ ایک طرف امام ترمذی رحمہ اللہ ہیں اور ایک طرف امام نووی رحمہ اللہ ہیں۔ لہٰذا امام ترمذی رحمہ اللہ کو بلند فقاہت کا مقام حاصل ہے بنسبت امام نووی رحمہ اللہ کے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رُكُوبِ الْبَدَنَةِ قربانی کے اونٹ پر سوار ہونا

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً فَقَالَ لَهُ ارْكَبْهَا، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ لَهُ فِي الثَّالِثَةِ أَوْ فِي الرَّابِعَةِ ارْكَبْهَا وَيْحَكَ أَوْ وَيْلَكَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک مرد کو قربانی کا اونٹ ہانک رہا ہے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار ہولے اس پر کہا اس نے یارسول اللہ! یہ قربانی کا اونٹ ہے۔ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار یا چوتھی بار یعنی راوی کو شک ہے کہ تین بار سوار ہونے کو فرمایا یا چار بار اور اخیر میں فرمایا سوار ہوجا خرابی ہے تیری۔ راوی کو شک ہے "وَیْحَکَ یا وَیْلَکَ"

تشریح: مسئلہ اختلافی: ہدی کے اونٹ پر سوار ہونا جائز ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف فرماتے ہیں اگر اضطرار ہو تو جائز ہے اور اگر حالت اضطرار نہ ہو تو پھر جائز نہیں۔

قول ثانی: احمد بن حنبل اور دیگر آئمہ فرماتے ہیں اضطرار ہو یا نہ ہو بہر تقدیر سوار ہونا جائز نہیں۔

احناف کی دلیل: مشکوٰۃ میں بحوالہ ابوداؤد "اذا الجئت الیہا"

باقی آئمہ کی دلیل: حدیث الباب ہے، یہ مطلق ہے اضطرار وغیرہ کی کوئی قید نہیں؟

جواب(۱): مطلق کو مقید کیا جائے گا حالت اضطرار کے ساتھ اور یہ ضروری نہیں کہ ایک جگہ تو قید معتبر ہو دیگر میں معتبر نہ ہو۔
جواب(۲): "ویحک یا ویلک" کا لفظ ہے یہ دال اس بات پر کہ وہ مضطر ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ بِأَيِّ جانب الرَّأْسِ يَبْدَأُ فِي الحَلْقِ سر منڈانا کدھر سے شروع کیا جائے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا رَمَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الجَمْرَةَ نَحَرَ نُسُكَهُ ثُمَّ نَاوَلَ الحَالِقَ شِقَّهُ الأَيْمَنَ فَحَلَقَهُ فَأَعْطَاهُ أَبَا طَلْحَةَ ثُمَّ نَاوَلَهُ شِقَّهُ الأَيْسَرَ فَحَلَقَهُ, فَقَالَ اقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب کنکریاں مار چکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمرے کو اور ذبح کیا قربانی کو پھر دی حجام کو داہنی جانب سر کی۔ سر مونڈی اس نے سو دیئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بال ابا طلحہ کو پھر کی حجام کی طرف بائیں جانب سر کی سومنڈی (کترے) اس نے سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم کروان بالوں کو سب آدمیوں میں۔

تشریح مسئلہ اختلافی: حلق میں سر کی کون سی جانب سے بدایت افضل ہے۔ جمہور کے نزدیک محلوق کی دائیں جانب اگر حالق بھی چاہتا ہو کہ میری بھی دائیں جانب ہو تو پھر وہ محلوق کے پیچھے کھڑا ہو اور اس بات پر تو اتفاق ہے کہ بدایت دائیں جانب سے ہو، باقی حالت یمین حالق کی ہو یا محلوق کی تو وہ اوپر جمہور کا مذہب ذکر کر دیا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے امام صاحب پر اعتراض کیا کہ آپ کہتے ہیں کہ محلوق کی دائیں جانب سے بدایت افضل ہے اور قصہ یہ نقل کیا کہ امام صاحب ایک مرتبہ حالق کے پاس گئے اور قبلہ کی جانب ہو کر بیٹھنے لگے تو حالق نے کہا کہ قبلہ کی جانب بیٹھو اور پھر پہلو دائیں جانب کرو اور جب امام صاحب واپس جانے لگے تو حالق نے کہا کہ بال بھی دفن کرتے جاؤ۔ اب امام نووی کہتے ہیں کہ تمہارے امام صاحب سے حالق کا علم بھی زیادہ ہے۔
جواب: یہ تو ہمارے امام صاحب کی کوئی توہین نہیں ہے بلکہ یہ تو امام صاحب کی عظمت ہے کہ جہاں سے بھی حاصل ہوا وہی سے حاصل کیا اگر حالق سے ملا تو حالق سے حاصل کیا۔ باقی رہی یہ بات کہ امام صاحب رحمہ اللہ کو یہ مسئلہ معلوم نہیں تو یہ ضروری نہیں کہ ہر آدمی کو سارے جہان کا علم ہو اور ہر ہر مسئلہ معلوم ہو۔ باقی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالق معمر بن عبداللہ تھے۔
سوال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بال ابو طلحہ کو دیئے اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو دیئے؟
جواب(۱): کوئی تعارض نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو دیئے ہوں کہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو دے دو۔ ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بال لوگوں کے درمیان تقسیم کیے وہ بائیں جانب کے بال تھے اور جو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیئے تھے وہ دائیں جانب کے بال تھے اور مسلم کی روایت میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔
جواب: صحیح کی روایت ہی صحیح ہوگی۔
جواب(۲): "اقسمہ" کی ضمیر کا مرجع مطلق بال ہیں اور وہ دائیں جانب کو بھی شامل ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ

"تبرک بآثار الصالحین" جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تبرک میں مساوات ضروری نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تبرکات میں کمی بیشی کو دخل نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کے بال طاہر ہیں۔ باقی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو خصوصی طور پر دیئے اس لیے کہ تکوینی طور پر آپ کی قبر کی خدمت سرانجام ابوطلحہ رضی اللہ عنہ دیں گے، اس لیے زندگی میں ہی ان پر احسان کر دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الحَلْقِ وَ التَّقْصِيرِ حلق اور قصر کے متعلق

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ حَلَقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَلَقَ طَائِفَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ وَقَصَّرَ بَعْضُهُمْ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَحِمَ اللهُ الْمُحَلِّقِينَ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ قَالَ وَالْمُقَصِّرِينَ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سر منڈایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور منڈایا ایک گروہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور بال کتروائے بعضوں نے کہا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی کہ اللہ رحم کرے سر منڈانے والوں پر ایک بار فرمایا یا دو بار پھر فرمایا بال کتروانے والوں پر بھی۔

تشریح حلق اور قصر دونوں جائز ہیں، افضل حلق ہے اس لیے کہ ان کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مرتبہ دُعا کی اور مقصرین کو تیسری مرتبہ میں شامل کیا اور حلق صرف رجال کے لیے ہے۔

مسئلہ: احرام کی حالت میں قصر جائز ہے یا نہیں تو قصر احرام کے ماسوا بالاجماع جائز نہیں۔

سوال: مسلم کی روایت میں ہے کہ ازواج مطہرات قصر کرواتی حتیٰ کہ وفرہ تک ہو جاتی؟

جواب: احرام کی حالت پر محمول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الحَلْقِ لِلنِّسَاءِ عورت کو سر منڈانا حرام ہے

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَحْلِقَ الْمَرْأَةُ رَأْسَهَا.

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو سر منڈانے سے۔

تشریح محرم عورت کے لیے قصر جائز ہے (پوروں کی جتنی مقدار لپٹتی ہے اتنی مقدار کاٹنا ہے) لیکن حلق جائز نہیں۔ محرم عورتوں کے لیے تو قصر جائز ہے لیکن محرم عورتوں کے ماسواء کے لیے بالکل جائز نہیں جبکہ مسلم کی روایت میں ہے کہ ازواج مطہرات بال کٹواتی تھیں۔

جواب (ا): وہ روایت حالت احرام پر محمول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ حلق قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ، أَوْ نحر قبل أَنْ يَرْمِيَ

جو شخص ذبح سے پہلے حلق کر لے یا رمی سے پہلے قربانی کر لے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ فَقَالَ اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ، وَسَأَلَهُ آخَرُ فَقَالَ نَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرد نے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ میں نے سر منڈایا قبل قربانی ذبح کرنے کے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب ذبح کرلو کچھ مضائقہ نہیں اور دوسرے نے پوچھا کہ میں نے ذبح کیا قبل کنکر مارنے کے فرمایا آپ نے اب کنکر مارلو کچھ مضائقہ نہیں۔

تشریح دسویں ذی الحجہ کو حاجی نے چار کام کرنے ہیں:

(۱) جمرہ عقبہ کی رمی (۲) ذبح متمتع اور قارن کے لیے وجوبی طور پر اور مفرد بالحج کے لیے استحبابی طور (۳) حلق یا قصر (۴) طواف زیارت۔ مسئلہ، ان تمام کاموں میں ترتیب لازم ہے یا نہیں ہے؟ احناف کے نزدیک پہلے تین کاموں میں ترتیب واجب ہے اگر تقدیم وتاخیر کرلی تو دم واجب ہوگا۔ شوافع کے ہاں ترتیب مسنون ومستحب ہے اگر تقدیم وتاخیر ہوگئی تو کوئی دم وغیرہ واجب نہیں ہوگا۔ احناف کی دلیل: فتویٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما جو شخص چار کاموں میں سے پہلے تین میں تقدیم وتاخیر کرے تو دم واجب ہوگا، اگر چہ یہ قول صحابی ہے لیکن غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے حکماً مرفوع ہے۔

شوافع کی دلیل: یہی حدیث ہے۔ جواب: لاحرج سے جس حرج کی نفی ہے وہ حرجِ اخروی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دم لازم نہ آئے یہ ایسے ہی ہے جیسے اس حدیث کے رواۃ میں سے ایک راوی ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے لاحرج کا فتویٰ دینا وجوب دم سے مانع نہیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے لیے بھی لاحرج کا فتویٰ دینا وجوب دم سے مانع نہیں ہونا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الطِّيبِ عِنْدَ الإِحْلَالِ قَبْلَ الزِّيَارَةِ

احرام کھولنے کے بعد طواف زیارت سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ طَيَّبْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ وَيَوْمَ النَّحْرِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ بِطِيبٍ فِيهِ مِسْكٌ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ خوشبو لگائی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبل احرام باندھنے کے اور نحر کے دن یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ قبل طواف افاضہ کے ایسی خوشبو کہ اس میں مشک بھی تھا۔

تشریح دسویں ذی الحجہ کو حلق سے فارغ ہونے کے بعد اور طواف زیارۃ سے پہلے جماع کے حق میں بالاجماع احرام باقی رہے گا۔

یہی وجہ ہے کہ طواف زیارۃ سے پہلے جماع کرنا جائز نہیں اگر کرلیا تو بذمہ واجب ہوگا۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ خوشبو کے حق میں باقی رہے گا یا نہیں۔ جمہور کے نزدیک خوشبو کے حق میں احرام باقی نہیں رہے گا۔ مالکیہ کے ہاں خوشبو کے حق میں احرام باقی رہے گا۔ جمہور کی دلیل، حدیث الباب حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا احرام سے پہلے بھی خوشبو لگاتی اور یوم النحر کو طواف زیارۃ سے پہلے ایسی خوشبو لگاتی جس میں کستوری ہوتی۔ مالکیہ کی دلیل: قول ابن عمر وہ فرماتے ہیں کہ دسویں ذی الحجہ کو جب تک طواف زیارت نہ کرلے خوشبو لگانا جائز نہیں۔

جواب: یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا اجتہاد ہے۔

نیز یہ سداً لباب الفساد کے قبیل سے ہے کہ کہیں خوشبو لگانا "مفضی الی الجماع" نہ ہو۔ "وھو قول اھل الکوفہ" یہاں اہل کوفہ سے مراد غیر احناف ہیں اور انہیں غیر احناف میں سے مالکیہ بھی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ مَتَى يُقْطَعُ التَّلْبِيَةُ فِي الْحَجِّ حج میں لبیک پکارنا کب موقوف کرے

عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَرْدَفَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَمْعٍ إِلَى مِنًى فَلَمْ يَزَلْ يُلَبِّي حَتّٰى رَمَى الْجَمْرَةَ الْعَقَبَةِ.

ترجمہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پیچھے بٹھالیا مجھ کو سواری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ سے منٰی تک پھر برابر آپ لبیک پکارتے رہے یہاں تک کہ کنکریاں ماریں جمرہ عقبہ کو۔

تشریح مسئلہ اختلافی: تلبیہ کب منقطع کرے گا؟ اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق رحمہما اللہ اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ حاجی دس ذی الحجہ کو منٰی پہنچ کر جمرہ عقبہ کی رمی کے ساتھ تلبیہ منقطع کرے گا۔ اب یہ ہے کہ تلبیہ کا انقطاع پہلی کنکری کے ساتھ ہوگا یا آخری کنکری کے مارنے کے بعد ہوگا تو بعض نے کہا ہے کہ آخری کنکری مارنے کے بعد تلبیہ منقطع ہوگا۔ لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ پہلی کنکری کے مارنے کے ساتھ تلبیہ منقطع ہوگا۔

قول ثانی: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام اوزاعی اور لیث بن سعد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نو تاریخ کو عرفات میں زوال کے وقت کے شروع ہونے سے تلبیہ منقطع ہوگا لیکن معارف السنن میں لکھا ہے کہ قول ثانی کے قائلین کا صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ مطلب نہیں کہ اب تلبیہ جائز نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ دوسرے افعال کے شروع ہونے کی وجہ سے تلبیہ منقطع ہو جاتا ہے۔ ویسے ان کے نزدیک بھی تلبیہ جمرہ عقبہ کی رمی تک رہتا ہے۔ اس تفصیل کے مطابق جمہور اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں فرق نہیں تو سب کے نزدیک جمرہ عقبہ تک رہتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَتَى تُقْطَعُ التَّلْبِيَةُ فِي الْعُمْرَةِ عمرہ میں تلبیہ پڑھنا کب ترک کرے؟

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ يَرْفَعُ الْحَدِيثَ أَنَّهُ كَانَ يُمْسِكُ عَنِ التَّلْبِيَةِ فِي الْعُمْرَةِ إِذَا اسْتَلَمَ الْحَجَرَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہا راوی نے وہ مرفوع کرتے تھے، اس حدیث کو یعنی کہتے تھے کہ موقوف کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لبیک پکارنے کو عمرہ میں جب بوسہ دیتے حجر اسود کو۔

تشریح: عمرے میں محرم تلبیہ کب ختم کرے گا؟

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی، امام اسحٰق اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ عمرے میں استلام حجر کے ساتھ تلبیہ منقطع کرے گا۔

قول ثانی: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب میں لکھا ہے کہ طواف کے شروع میں تلبیہ منقطع کرے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے اور دوسرے قول میں کوئی خاص فرق نہیں ہوگا کیونکہ طواف کے ساتھ ہی استلام حجر ہوتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ اگر آدمی نے عمرے کا احرام میقات سے باندھا ہے تو حدودِ حرم میں پہنچنے پر تلبیہ منقطع کرے گا اور اگر احرام جعرانہ یا مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا یعنی تنعیم سے باندھا ہے تو پھر ایک قول میں مکہ کے مکانات پر تلبیہ منقطع کرے گا اور ایک قول میں مسجد حرام میں پہنچنے پر تلبیہ منقطع کرے گا۔ باب کی حدیث جمہور کا مستدل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَوَافِ الزِّيَارَةِ الَى اللَّيْلِ رات کو طوافِ زیارت کرنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَّرَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ إِلَى اللَّيْلِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاخیر کی طوافِ زیارت میں رات تک۔

تشریح: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف رات کو کیا، یہ ایسی چیز ہے جو واقعہ اور دیگر احادیث صحیحہ کے خلاف ہے اس لیے کہ ان میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف زیارۃ دسویں ذوالحجہ کو ظہر سے پہلے کیا، پھر ظہر کی نماز کہاں پڑھی، دونوں روایتیں ہیں، مکہ میں منٰی میں لہٰذا یہ احادیث واجب التاویل ہیں اور پہلی تاویل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف زیارت دن میں کیا لیکن ازواجِ مطہرات نے رات میں کیا، اب معنی ہوگا کہ جواز تاخیر طواف الزیارت یعنی طواف زیارت کی تاخیر کو جائز رکھا۔

سوال: طواف زیارت کا وقتِ جواز دسویں ذی الحجہ کے صبح صادق سے بارہویں کے سورج غروب ہونے تک ہے یعنی باقی رہتا ہے، پھر کیسے یہ کہنا صحیح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاخیر طواف زیارت کو جائز قرار دیا، اس کے بعد بھی تو وقتِ جواز باقی ہے۔

جواب (۱): ایک قید مزید بڑھادیں۔ جوازتاخیرطواف الزیارت علی وجہ الاستحباب۔

جواب (۲): نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف زیارت تو دن کو کیا، انہیں دنوں میں نفلی طواف رات کو کیا، راوی سے تعیین میں خطاء ہوئی کہ نفلی طواف کو طواف زیارت سے تعبیر کردیا۔

جواب (۳): آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف وداع کو رات میں کیا، چودھویں ذی الحجہ کو صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے راوی سے تعیین میں خطا میں ہو، طواف وداع کو طواف زیارت سے تعبیر کردیا۔

جواب (۴): اصل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف زیارت کو دن میں کیا، رات میں بیت اللہ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ راوی سے خطاء ہوئی کہ تاخیر زیارت بیت اللہ کو طواف زیارت بنادیا، اسی لیے امام بخاری نے عنوان باندھا تاخیرزیارت، زیارت بیت اللہ۔

جواب (۵): چونکہ احادیث کثیرہ صحیحہ دال ہیں کہ دن میں ہوا، لہٰذا یہ احادیث ان کے معارض بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، چنانچہ ابن القیم رحمہ اللہ نے سختی کی حتیٰ کہ اس حدیث کو موضوع قراردیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نُزُولِ الأَبْطَحِ ابطح کے مقام پر ٹھہرنا

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ يَنْزِلُونَ الأَبْطَحَ

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم سب اُترتے ابطح میں اور ابطح ایک مقام ہے مکہ اور منٰی کے درمیان میں (محصب بھی اسی کو کہتے ہیں)۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَيْسَ التَّحْصِيبُ بِشَيْءٍ إِنَّمَا هُوَ مَنْزِلٌ نَزَلَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ابطح میں اُترنا کچھ واجب نہیں وہ تو ایک منزل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں اُترے تھے۔

تشریح تیرہویں ذی الحجہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمرات کی رمی کے بعد ابطح تشریف لاتے، اسی کو بطحا، محصب، خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں، یہ منٰی اور مکہ کے درمیان وادی ہے، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں پڑھیں۔ (یعنی ابطح، محصب، بطحاء، خیف بنی کنانہ میں)۔

مسئلہ: حاجی کا محصب میں ٹھہرنا سنت ہے یا نہیں؟ جمہور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ محصب میں ٹھہرنا مسنون ہے۔
ابن عباس وعائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کے ہاں کوئی مسنون ومستحب نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ٹھہرے صرف اس وجہ سے کہ تاکہ مدینہ کی طرف روانگی میں آسانی ہوجائے لیکن جمہور کہتے ہیں وہاں ٹھہرنا اتفاقی نہ تھا بلکہ قصداً تھا، ان دونوں قولوں میں کوئی تعارض نہیں، جمہور جو کہتے ہیں مستحب ہیں "ای من حیث ہو ہو" اگر کوئی اتباع کی نیت کرے تو اجر ملے گا یعنی

یہ نیت کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں ٹھہرے تھے، قطع نظر اس سے کہ مناسک حج میں سے ہے یا نہیں اور حضرت عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مستحب نہیں یعنی مناسک حج میں سے نہیں۔ باقی یہاں ٹھہرنے میں بڑی حکمتیں ہیں، یہاں کفار بیٹھ کر بڑے بڑے منصوبے بناتے تھے اور بنو ہاشم کو تین سال تک یہاں محصور کر دیا، یہاں ٹھہر کر یہ بتلانا ہے کہ خدا کی قدرت کے کرشمے دیکھیں، جس جگہ بنو ہاشم پر ظلم ڈھائے گئے اسی جگہ آج ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کا لشکر ٹھہرا ہوا ہے، بڑی شان وشوکت کے ساتھ "تلک الایام نداولها بین الناس"

باب من نزل الابطح جو شخص ابطح میں ٹھہرے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّمَا نَزَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الأَبْطَحَ لِأَنَّهُ كَانَ أَسْمَحَ لِخُرُوجِهِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ اُترے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابطح میں کہ وہاں سے روانہ ہونا مدینے کو آسان تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَجِّ الصَّبِيِّ بچے کا حج کرنا

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ رَفَعَتْ امْرَأَةٌ صَبِيًّا لَهَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ أَلِهَذَا حَجٌّ، قَالَ نَعَمْ وَلَكِ أَجْرٌ.

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اُٹھایا ایک عورت نے اپنے لڑکے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور پوچھا یا رسول اللہ! کیا اس کا بھی حج صحیح ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! اور ثواب تجھ کو ملے گا۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ حَجَّ بِي أَبِي مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَأَنَا ابْنُ سَبْعِ سِنِينَ.

ترجمہ حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ مجھ کو لے کر حج کیا میرے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور میں سات برس کا لڑکا تھا۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا إِذَا حَجَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنَّا نُلَبِّي عَنِ النِّسَاءِ وَنَرْمِي عَنِ الصِّبْيَانِ

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم نے حج کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو لبیک پکارتے تھے عورتوں کی طرف سے اور کنکر پھینک دیتے تھے لڑکوں کی طرف سے۔

تشریح اس پر اجماع ہے کہ بچہ کا حج بچپن میں صحیح ہے، احرام منعقد ہو جاتا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر بچہ

ممنوعات احرام کا ارتکاب کرے تو دم لازم ہوگا یا نہیں؟

قول اوّل: امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکلف نہ ہونے کی وجہ سے دم لازم نہ ہوگا۔

قول ثانی: دیگر آئمہ کے نزدیک احرام کے صحیح ہونے کی وجہ سے دم لازم ہوگا اور اس پر بھی اجماع ہے کہ بچپن میں کیا ہوا حج فرض کے قائم مقام نہ ہوگا، بعد البلوغ اگر طاقت ہو، استطاعت حاصل ہو تو حج فرض ہو جائے گا اور یہی حکم عبد کا ہے اگر آزادی سے پہلے حج کیا تو بالاجماع حج صحیح ہو جائے گا، البتہ آزاد ہونے کے بعد قدرت حاصل ہو تو حج فرض ہو جائے گا۔

"حدّثنا محمّد بن اسماعیل، عن جابر قال کنا اذا حججنا"

سوال: یہ تعبیر تعدد پر دال ہے جب ہم حج کرتے تھے حالانکہ واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ایک حج کیا، پھر تعدد کی تعبیر کیسے اختیار کی؟

جواب (۱): "کنا" کا لفظ راوی کا اضافہ ہے، ابن ماجہ میں "حججنا مع النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم" ہے۔ "کنا" کا لفظ نہیں ہے۔

جواب (۲): اگر تسلیم کر لیا جائے تو ممکن ہے راوی نے قبل الہجرۃ حج کا لحاظ کر لیا ہو۔

"قولہ کنا نُلبی عن النساء"

سوال: "نیابت فی التلبیۃ عن المرأۃ" یہ ایسی چیز ہے آئمہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں اور حدیث میں موجود ہے "کنّا نُلبی عن النسآء"

جواب: یہ اجماع کے خلاف ہے لہٰذا یہ منسوخ ہے۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وقد اجمع اھل العلم ان المرأۃ لا یلبی عنھا غیرھا بل ھما تلبی"

تاویل ثانی: یہ مؤوّل ہے اور تاویل یہ ہے کہ عورتیں سراً تلبیہ کہیں گی اور مرد جہراً کہیں گے اور جہر میں اجر وثواب زیادہ ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ ہم جہراً تلبیہ کہنے میں عورتوں کی نیت کر لیتے تاکہ ان کو بھی اجر وثواب مل جائے۔

تاویل ثالث: یہ ایک خاص صورت پر محمول ہے کہ جب عورت اغماء کی وجہ سے تلبیہ پر قادر نہ رہے تو احناف کے نزدیک نیابت جاری ہوگی۔ ہدایہ میں جہاں اجماع نقل کیا گیا ہے وہاں صرف اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ احناف کا اجماع ہے تمام فقہاء کا نہیں ہے۔

اشکال: امام ترمذی رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ بالاجماع یہ حدیث معمول بہ نہیں جبکہ کتاب العلل میں فرمایا کہ میری کتاب میں جتنی حدیث ہیں وہ معمول بہا ہیں، سوائے دو کہ جبکہ تیسری حدیث یہ ہے۔

جواب: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں "کنا نلبی عن النسآء" تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس کے قائل ہوئے لہٰذا بالاجماع متروک نہ ہوئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الحَجِّ عَنِ الشَّيْخِ الكَبِيرِ، وَالمَيِّتِ

میت اور بوڑھے کی طرف سے حج بدل کرنا

عَنْ الفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ خَثْعَمٍ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَبِي أَدْرَكَتْهُ فَرِيضَةُ اللهِ فِي الحَجِّ وَهُوَ شَيْخٌ كَبِيرٌ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَسْتَوِيَ عَلَى ظَهْرِ البَعِيرِ، قَالَ حُجِّي عَنْهُ.

ترجمہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے قبیلہ خثعم سے کہا یا رسول اللہ! البتہ میرے باپ کو پالیا ہے اللہ کے فرض حج نے اور وہ بہت بوڑھا ہے کہ اونٹ پر بیٹھ نہیں سکتا تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حج کر اس کی طرف سے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: نیابت فی الحج جائز ہے یا نہیں ہے؟ اس میں تفصیل ہے۔ "نیابت فی الحج عن الحی" ہوگی یا "عن المیّت" ہوگی، اگر "نیابت فی الحج عن الحیّ" ہو تو پھر ایسے عذر کا ہونا شرط ہے کہ جو موت تک ممتد ہو، اگر موت سے پہلے پہلے صحیح ہو گیا تو از سرِ نو حج کرنا ہوگا۔ احناف کے نزدیک اگر "نیابت عن المیّت" ہو تو پھر آئمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: جمہور کے نزدیک نیابت صحیح ہے خواہ وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

قول ثالث: مالکیہ کے نزدیک نیابت تب صحیح ہوگی جب وصیت کرے ورنہ نیابت صحیح نہ ہوگی۔ جمہور کے نزدیک وصیت کی صورت میں اس وقت نافذ ہوگی جب اتنا مال چھوڑے کہ جس سے حج ادا ہو سکے، اگر اتنا مال نہ ہو تو پھر وارثوں کا حج کرنا تبرع ہوگا۔ باقی جو شخص ایسے وقت میں زاد و راحلہ پر قادر ہوا، مالک ہوا کہ وہ خود اس وقت میں حج پر قادر نہیں تو کیا اس پر حج فرض ہوگا یا نہیں؟ احناف کی مشہور روایت یہ ہے کہ حج فرض نہ ہوگا۔

سوال: امرأۃ خثعمیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا میرے والد شیخ کبیر ہیں، وہ زاد و راحلہ پر قادر ہو گئے لیکن حج پر قادر نہیں تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جی ہاں۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص زاد و راحلہ پر قادر ہو ایسے وقت میں کہ وہ خود حج پر قدرت نہیں رکھتا، اس پر حج فرض ہو جائے گا۔

جواب (۱): امرأۃ خثعمیہ کا مطلب یہ تھا کہ میرے والد پر صحت و شباب کے زمانہ میں حج فرض ہوا تھا لیکن تاخیر کرتے کرتے اب شیخ فانی ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جی ہاں۔

جواب (۲): امرأۃ خثعمیہ خود جانتی تھی کہ میرے والد حج پر قادر نہیں اور میرے والد پر حج فرض نہیں تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا میں ان کی طرف سے نفلی حج ادا کروں تو وہ کفایت کرے گا یا نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کفایت کر جائے گا۔

سوال: امام ترمذی نے عنوان میں شیخ کبیر اور میت کا ذکر کیا لیکن احادیث جو ذکر کی ہیں ان شیخ کبیر کا تو ذکر ہے

لیکن میت کا ذکر نہیں، بظاہر عنوان اور معنون میں مطابقت نہیں۔

جواب: اگلے باب، باب منه میں ایک روایت ہے "حدّثنا محمد بن عبد الاعلیٰ" اس میں "حج عن الميّت" کا ذکر ہے۔ درمیان باب یہ نسخوں کا تصرف ہے صحیح نسخوں میں یہ لفظ نہیں ہے، اگر اس کو صحیح مان لیں تو پھر اثبات ترجمہ بطور قیاس ہے کہ حدیث میں ہے شیخ کی طرف سے حج جائز ہے حالانکہ اس کا عذر کمزور ہے اور میت کا عذر قوی ہے اور شیخ فانی جو ہے اس کے ضعف کا ازالہ ممکن ہے جب اس کی طرف سے حج جائز ہے اور جس کے ضعف کا ازالہ ممکن ہی نہیں اس کی طرف سے تو حج بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

باب منه دوسرا اسی بیان میں

عَنْ أَبِي رَزِينِ الْعُقَيْلِيِّ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَبِي شَيْخٌ كَبِيرٌ لَا يَسْتَطِيعُ الْحَجَّ وَلَا الْعُمْرَةَ وَلَا الظَّعْنَ، قَالَ حُجَّ عَنْ أَبِيكَ وَاعْتَمِرْ.

ترجمہ: حضرت ابی رزین عقیلی سے روایت ہے کہ وہ آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور کہا یا رسول اللہ! میرا باپ بہت بوڑھا ہے طاقت نہیں رکھتا حج کی اور نہ عمرہ کی اور نہ سواری کی تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حج کر اپنے باپ کی طرف سے اور عمرہ بجالا۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَلَمْ تَحُجَّ أَفَأَحُجُّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حُجِّي عَنْهَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بریدہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ آئی ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور کہا میری ماں مرگئی ہے اور حج نہیں کیا، کیا میں حج کروں اس کی طرف سے فرمایا ہاں حج کر اس کی طرف سے۔

تشریح: ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حج بدل صحیح ہے، اگرچہ نائب نے اپنا حج فرض ادا نہ کیا ہو بخلاف شوافع کے، ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعُمْرَةِ أَوَاجِبَةٌ هِيَ أَمْ لَا؟ عمرہ واجب ہے یا نہیں؟

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْعُمْرَةِ أَوَاجِبَةٌ هِيَ قَالَ لَا وَأَنْ تَعْتَمِرُوا هُوَ أَفْضَلُ

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سوال کیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ کیا عمرہ واجب ہے فرمایا نہیں اور اگر عمرہ کرو تو بہتر ہے۔

تشریح: عمرہ کا معنی ہے "زیارت وقیل القصد الی مکان امر" کیونکہ معتمر بھی قصد زیارت بیت اللہ کرتا ہے،

اس لیے اسے معتمر کہتے ہیں، وجوب عمرہ میں اختلاف ہے۔
مذہب اوّل: یہ فرض ہے حج کی طرح عمر میں ایک مرتبہ مستطیع پر عند الشافعی واحمد
دلیل اوّل: وہ اس آیت سے "واتموا الحج والعمرۃ" اور امر للوجوب ہے۔
جواب: اس میں اتمام عمرہ کا امر ہے نہ ابتداء عمرہ کا اور عندنا بھی ابتداء عمرہ اگرچہ واجب نہیں ہے لیکن بعد الشروع اتمام واجب ہے۔
دلیل ثانی: زید بن ثابت کی مرفوع روایت ہے "الحج والعمرۃ فریضتان دار قطنی" جواب صحیح یہ ہے کہ یہ قول زید ہے یعنی حدیث موقوف ہے نہ مرفوع، نیز اس میں اسماعیل بن مسلم راوی ضعیف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا گیا "العمرۃ سنۃ" یعنی اس کا ثبوت سنت سے ثابت ہے۔
سوال: امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کوئی حدیث بھی عدم وجوب عمرہ، یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے "العمرۃ سنۃ لا نعلم احدا رخص فی ترکھا ولیست فیھا شیٔ ثابت بانّھا تطوّع" حالانکہ حدیث جابر موجود ہے؟
جواب: ممکن ہے امام شافعی رحمہ اللہ کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو۔
مذہب ثانی: مالکیہ کے نزدیک یہ تطوع ہے یعنی سنت مؤکدہ ہے۔ وبہ قال ابوحنیفہ احناف کے اس میں دو قول ہیں، اوّل یہ ہے کہ سنت مؤکدہ ہے، دوم یہ کہ یہ واجب ہے۔ شامی، ج:۲، صفحہ ۱۶۴ درمختار میں ہے کہ قول بسنت اصل مذہب ہے لیکن قول بالوجوب صاحب بحر و بدایہ کا مختار ہے۔
احناف کی دلیل: حدیث محمد بن المنکدر ہے "عن جابر قال سئل عن العمرۃ او اجبۃ ھی قال لا وان معتمر فھو افضل اخرجہ ترمذی و ایضا عن ابی ھریرۃ الحج جھاد والعمرۃ تطوع اخرجہ ابن قانع و ایضا قال ابن مسعود الحج فریضۃ والعمرۃ تطوع اخرجہ ابن ابی شیبہ" (فتح الملھم، ج:۳، صفحہ:۳۱۴، شامی، ج:۲، ص:۱۶۴)
"وقد روی عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم" امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمرہ کے تطوع ہونے کے بارے میں جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نقل کی گئی ہے وہ ضعیف ہے۔
سوال: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی وہ اس کی تحسین وتصحیح فرما رہے ہیں؟
جواب: اگر اس حدیث کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ ضعف کا قول کر رہے ہیں تو پھر یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی تحقیق ہے اور اگر اس کے ماسواء کوئی اور حدیث ہو تو پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو پھر کوئی مضر نہیں بلکہ ہماری تائید ہو جائے گی کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے تطوع ہونا معلوم ہوتا ہے اور حدیث ضعیف سے اس کی تائید ہے۔
"وقد بلغنا عن ابن عباس رضی اللہ عنھما" یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی عمرے کو واجب قرار دیتے ہیں۔
جواب (۱): یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اجتہاد تھا۔

جواب (۲): عمرے کو واجب کہنا استنان علی وجہ التاکید کے اعتبار سے یعنی استنان علی وجہ التاکید کو واجب سے قرار دیا یعنی تعبیر کر دیا۔ الغرض وقال الشافعی رحمۃ اللہ سے آخر تک یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا ہی کلام ہے اور اگر امام ترمذی رحمہ اللہ کی ہو تو پھر امام ترمذی رحمہ اللہ کی دونوں کلاموں میں تناقض پیدا ہو جائے گا۔

بَابُ مِنْهُ دوسرا اسی سے متعلق

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا داخل ہو گیا عمرہ حج میں قیامت کے دن تک۔

تشریح "دخلت عمرة فی الحج" اس حدیث کا معنی امام ترمذی رحمہ اللہ مابعد میں بتائیں گے کہ اشہر حج میں عمرہ کرنا جائز ہے جبکہ زمانہ جاہلیت میں اس کو افجر الفجور سمجھا جاتا تھا۔ اشہر حج کا ذکر مقصود تھا۔ اشہر حرم تبعاً طفیلاً ذکر کر دیا اور اس کا معنی یہ نہیں کہ عمرہ کے افعال حج میں داخل ہو گئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ عمرہ کا جواز اشہر حج میں داخل ہو گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ ذِكْرِ فِي فَضْلِ الْعُمْرَةِ عمرے کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ تُكَفِّرُ مَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ.

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عمرے سے دوسرے عمرے تک کفارہ ہے گناہوں کا اور حج مقبول کا کچھ بدلہ نہیں سوا جنت کے۔

تشریح خلاصہ یہ ہے کہ حج مبرور کا بدلہ جنت کے علاوہ اور کوئی نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعُمْرَةِ مِنَ التَّنْعِيمِ تنعیم سے عمرہ کے لیے جانا

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ أَنْ يُعْمِرَ عَائِشَةَ مِنَ التَّنْعِيمِ.

ترجمہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا عبدالرحمن کو کہ عمرہ کا احرام بندھوائیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تنعیم سے۔

تشریح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب مقام سرف میں پہنچیں تو حائضہ ہو گئیں، عرفہ کے دن آنے پر پاک ہوئیں

یعنی نویں ذی الحجہ کا دن آ گیا، اب افعال عمرہ چھوٹ گیا، اب رو رہی تھیں کہ میری سہیلیاں اور کام کر کے جائیں اور میں صرف حج تو جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محلب پہنچے تو ان کے بھائی عبدالرحمن کو کہا ان کو تنعیم لیجا کر عمرہ کرالو، اگرچہ قارنہ نہ بنیں گی لیکن ایں ہمہ تطییب قلبی حاصل ہو جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مکی اگر عمرہ کرے یا آفاقی عمرہ کرے تو حل سے احرام باندھنے سے زیادہ افضل مقام تنعیم ہے۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باوجود تھکاوٹ کے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو وہاں بھیجا، اگر مکی یا حکماً مکی حج کا احرام باندھے تو حرم سے باندھے، افضل یہ ہے کہ مسجد حرام سے باندھے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی آدمی مکہ میں قیام پذیر ہو اور وہ عمرہ ادا کرنا چاہے تو اس کے لیے میقات کیا ہے۔

قول اوّل: آئمہ اربعہ کے نزدیک اس کے لیے میقات زمین حل ہے۔

قول ثانی: اور بعض آئمہ کے نزدیک اس کے لیے میقات وادی تنعیم ہے۔

دلیل: بعض آئمہ کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تنعیم سے عمرہ کرادے۔

جواب: تنعیم کو مقرر کرنا اس لیے نہیں تھا کہ مکی کے لیے عمرہ کا میقات تنعیم ہے بلکہ اصل مقصود تو حل ہی تھا لیکن چونکہ تنعیم دوسری حدود حل کے مقابلہ میں قریب ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسانی کے لیے تنعیم کا ذکر کیا جس کی تائید طحاوی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے ہوتی ہے۔ "وفیه فکان ادناه من الحرم التنعیم فاهللت بعمرة"

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعُمْرَةِ مِنَ الْجِعِرَّانَةِ جعرانہ سے عمرہ کے لیے جانا

عَنْ مُحَرِّشٍ الْكَعْبِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْجِعِرَّانَةِ لَيْلًا مُعْتَمِرًا فَدَخَلَ مَكَّةَ لَيْلًا فَقَضَى عُمْرَتَهُ ثُمَّ خَرَجَ مِنْ لَيْلَتِهِ فَأَصْبَحَ بِالْجِعِرَّانَةِ كَبَائِتٍ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ مِنَ الْغَدِ خَرَجَ مِنْ بَطْنِ سَرِفَ حَتَّى جَاءَ مَعَ الطَّرِيقِ طَرِيقِ جَمْعٍ بِبَطْنِ سَرِفَ، فَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ خَفِيَتْ عُمْرَتُهُ عَلَى النَّاسِ.

ترجمہ: حضرت محرش کعبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے جعرانہ سے رات کو عمرے کا احرام باندھے ہوئے اور داخل ہوئے مکہ میں رات کو سو پورا کیا اپنا عمرہ پھر رات ہی کو نکل گئے مکہ سے اور صبح کی جعرانہ میں جیسے کوئی رات کا رہنے والا ہو یعنی دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہو کہ حضرت رات کو یہیں رہے پھر جب آفتاب ڈھل گیا دوسرے دن تو نکلے سرف کے میدان میں یہاں تک کہ آئے اس راہ میں جہاں دو راستے جمع ہوئے ہیں بطن سرف میں اسی سبب سے پوشیدہ رہا ان کا عمرہ لوگوں پر۔

تشریح: غزوہ حنین سے واپسی پر جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم کیا، اس کو مقام جعرانہ کہتے ہیں، وہاں

سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں رات کو تشریف لائے، مقام تنعیم سے احرام باندھ کر عمرہ کیا اور رات ہی کو واپس مقام جعرانہ پہنچ گئے۔ "حتی جاء مع الطریق طریق جمع ببطن مکۃ" یہاں تک کہ وہ راستہ آ گیا جس نے دونوں راستوں کو جمع کر دیا۔

احتمال (۱): جمع کر دیا بطن مکہ میں، حرمین کے راستے کو یعنی مدینہ سے اگر مکہ میں جانا چاہے تو مقام سرف سے جائے گا اور اگر مکہ سے مدینہ جائے تو مقام سرف سے جائے گا۔

احتمال (۲): جمع کر دیا دونوں راستوں کو، یعنی جعرانہ اور مکہ کے راستے کو اگر جعرانہ میں سے مکہ کو جائے تو مقام سرف سے جائے گا اور اگر مکہ سے جعرانہ کو جائے گا تو بھی سرف سے جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عُمْرَةِ رَجَبٍ رجب میں عمرہ کرنا

عَنْ عُرْوَةَ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ فِي أَيِّ شَهْرٍ اعْتَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فِي رَجَبٍ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ مَا اعْتَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا وَهُوَ مَعَهُ تَعْنِي ابْنَ عُمَرَ وَمَا اعْتَمَرَ فِي شَهْرِ رَجَبٍ قَطُّ.

ترجمہ حضرت عروہ سے روایت ہے کہ پوچھا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کس مہینے میں عمرہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ تو کہا انہوں نے عمرہ کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب میں تو فرمایا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کوئی عمرہ نہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مگر ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے ساتھ تھے اور کبھی عمرہ نہ کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب میں۔

تشریح اس پر اجماع ہے کہ ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار عمرے کیے۔ (۱) عمرۃ الحدیبیہ (۲) عمرۃ القضاء (۳) عمرۃ جعرانہ (۴) عمرہ مقرونہ بالحج۔ ان چار عمروں میں سے جو عمرہ مقرونہ بالحج ہے اس کا احرام ذوالقعدہ میں ہوا اور افعال کی ادائیگی ذی الحجہ اور عمرۃ الحدیبیہ کے افعال کی ادائیگی سرے سے ہوئی ہی نہیں اور عمرہ جعرانہ اور عمرۃ القضاء کے افعال کی ادائیگی ذی القعدہ میں ہوئی۔ باقی رجب میں ہوئی یا نہیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک عمرے کی ادائیگی رجب میں ہوئی لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کو تخطیہ قرار دے رہی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی عمرہ رجب میں نہیں کیا۔ باقی رفع یدین کے مسئلہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے خطاء ہوئی بہت مواقع میں، اگر ان سے خطاء ہوئی ہے تو پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی خطاء ہوئی ہے پھر رفع یدین کے مسئلہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو لے کر یہ اعتراض کرنا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے خطائیں ہوئیں یہ صحیح نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عُمْرَةِ ذِي الْقَعْدَةِ ذی قعدہ میں عمرہ کرنا

عَنِ الْبَرَاءِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَمَرَ فِي ذِي الْقَعْدَةِ.

ترجمہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا ذی قعدہ کے مہینے میں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عُمْرَةِ رَمَضَانَ رمضان میں عمرہ کرنا

عَنْ أُمِّ مَعْقِلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً.

ترجمہ حضرت اُم معقل سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عمرہ رمضان میں برابر ہے ایک حج کے۔

تشریح حدیث باب سے معلوم ہوا کہ رمضان میں عمرے کا ثواب حج کے برابر ہے لیکن اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ جس نے رمضان میں عمرہ کیا، اس سے حج فرض ساقط ہو جائے گا، وہ اس فریضہ سے سبکدوش نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يُهِلُّ بِالْحَجِّ فَيُكْسَرُ أَوْ يَعْرَجُ

جو حج کیلئے تلبیہ پڑھنے کے بعد زخمی یا معذور ہو جائے

عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ حَدَّثَنِي الْحَجَّاجُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كُسِرَ أَوْ عَرِجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ حَجَّةٌ أُخْرَى، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِأَبِي هُرَيْرَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، فَقَالَا صَدَقَ.

ترجمہ حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہا روایت کی مجھ سے حجاج بن عمرو نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کا کوئی عضو ٹوٹ گیا یا لنگڑا ہو گیا اور وہ احرام حج کا باندھ چکا تھا تو اس کا احرام کھل گیا تو اس پر دوسرے سال حج واجب ہے سو ذکر کی میں نے یہ حدیث ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تو کہا ان دونوں نے کہ سچ ہے۔

تشریح اس مسئلہ میں تو اتفاق ہے کہ اگر دشمن کی وجہ سے رُکاوٹ پیدا ہو جائے عرفہ تک نہ پہنچ سکے تو بالاجماع احصار کے احکام ثابت ہوں گے۔ اگر محرم بالحج تھا تو آئندہ سال حج فرض ہوگا یعنی وہ کسی کے ذریعے حرم میں ہدی بھیج دے اور وقت متعین کرے کہ فلاں وقت میں ہدی ذبح کر دینا، اس وقت کے آنے پر حلال ہو جائے قصر یا حلق کے ذریعے۔

مسئلہ اختلافی: اس میں اختلاف ہے کہ مرض کی وجہ سے احصار کے احکام ثابت ہوں گے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک احصار کے احکام ثابت ہوں گے مطلقاً اشتراط ہو یا نہ ہو۔

قول ثانی: شوافع وحنابلہ کے نزدیک احکام تب ثابت ہوں گے جب اشتراط ہو یعنی یہ تلفظ کیا جائے کہ بوقت احرام کے

اگر کہیں رُکاوٹ پیدا ہوگئی تو میں قاعدہ شرعی کے مطابق واپس اور حلال ہو جاؤں گا۔

احناف کی دلیل: حدیث حجاج بن عمرو (حدیث الباب) کہ جس شخص کی ہڈی ٹوٹ گئی یا لنگڑا ہو گیا اس کے لیے حلال ہونا جائز ہے قاعدہ معروفہ کے ساتھ اور حضرت ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تصدیق کر دی گویا تین حدیثیں ہو گئیں، اس میں کوئی اشتراط کی قید نہیں لگائی گئی۔

دیگر آئمہ کی دلیل: مابعد کے باب میں حدیث ضباعہ بنت زبیر، انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا حج کا ارادہ ہے، کیا میں شرط لگالوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نعم۔ کہا کہ کیسے لگاؤں؟ "قال قولی لبیک اللّٰھمّ لبیک علی من الارض تحسبنی"

جواب: ضباعہ بن زبیر کو اجازت اس وجہ سے نہیں دی کہ اشتراط کے بغیر احصار مرض کی وجہ سے احکام ثابت ہوں گے۔

دلیل ثانی: "فان احصر تم فما استیسر من الھدی" اس آیت کریمہ کا شانِ نزول دشمن کی رُکاوٹ کی وجہ سے، اس سے معلوم ہوا کہ احصار کے احکام تب ثابت ہوں گے جب دشمن کی رُکاوٹ ہو۔

جواب: اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مرض کی وجہ سے بھی احصار کے احکام ثابت ہوں گے۔ بایں طور کہ اہل لغت نے حصر اور احصار کے درمیان فرق کیا ہے، اگر دُشمن کی وجہ سے رُکاوٹ پیدا ہو تو حصر اور اگر مرض کی وجہ سے پیدا ہو تو پھر احصار آیت کریمہ کا شانِ نزول دال ہے اس بات پر کہ مرض کی وجہ سے بھی احصار کے احکام ثابت ہوں گے۔

حدیث حجاج پر سنداً کلام کیا گیا ہے۔ حجاج بن عمرو اور عکرمہ کے درمیان واسطہ ہے یا نہیں؟ معمر اور معاویہ بن سلام یحییٰ بن کثیر کے شاگرد، وہ واسطہ ذکر کرتے ہیں اور حجاج صواف واسطہ ذکر نہیں کرتے، امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے اُستاد امام بخاری رحمہ اللہ نے معمر اور معاویہ بن سلام کی روایت کو ترجیح دی ہے جبکہ امام ترمذی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ حجاج صواف محدثین کے ہاں ثقہ ہے، پھر میرے اُستاد معمر اور معاویہ کی روایت کو ترجیح کیوں دے رہے ہیں، ایسا کیوں نہیں کہتے کہ حجاج بن عمرو سے عکرمہ کو بالواسطہ بھی سماع حاصل ہے اور بلا واسطہ بھی حدیث حاصل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاشْتِرَاطِ فِي الحَجِّ حج میں اشتراط سے متعلق

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ ضُبَاعَةَ بِنْتَ الزُّبَيْرِ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي أُرِيدُ الحَجَّ أَفَأَشْتَرِطُ قَالَ نَعَمْ قَالَتْ كَيْفَ أَقُولُ قَالَ قُولِي لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ مَحِلِّي مِنَ الأَرْضِ حَيْثُ تَحْبِسُنِي.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ضباعہ زبیر کی بیٹی آئیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں ارادہ رکھتی ہوں حج کا کیا شرط لگاؤں اپنی نیت میں یعنی کسی عذر سے شاید رُکنا ہو تو اس

کی شرط اوّل ہی سے لگاؤں تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں! شرط لگاؤ کہا انہوں نے کیونکر (کیسے) کہوں میں؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہہ تو لبیک سے تحبسنی تک یعنی حاضر ہوں میں اے اللہ! حاضر ہوں جگہ میرے احرام کھولنے کی وہی ہے زمین سے جہاں سے تو مجھے روک دے۔

تشریح اشتراط فی الحج کا مطلب یہ ہے کہ حج کے احرام کے وقت حاجی تلبیہ پڑھتے ہوئے یوں کہے "لبیک اللھم لبیک محلی من الارض حیث تحبسنی" یعنی جس مقام پر عذر یا مرض لاحق ہوگا تو احرام سے نکلنے کا مجھے اختیار ہوگا۔

"اشتراط فی الحج" کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں اس مسئلہ میں دو مذاہب ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ، امام مالک، سفیان ثوری رحمہم اللہ کے نزدیک اشتراط فی الحج کا اعتبار نہیں، پھر امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے درمیان اختلاف ہوا۔ امام مالک کے نزدیک نہ اشتراط معتبر ہے اور نہ ہی کوئی عذر بالمرض۔ اس لیے ان کے نزدیک حلال ہونے کے لیے صرف طواف بیت اللہ ہے لیکن احناف کے نزدیک احصار بالمرض کا بھی اعتبار ہے اس لیے اگر کوئی راستے میں بیمار ہو جائے تو ہدی بھیج کر حلال ہو جائے گا۔

قول ثانی: امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق رحمہم اللہ کے نزدیک اشتراط فی الحج معتبر ہے۔

آئمہ ثلاثہ کی دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب میں حضرت ضباعہ بنت الزبیر کی روایت سے ہے کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشتراط فی الحج کی اجازت دی تھی۔

جواب (۱): یہ ان کی خصوصیت ہے۔

جواب (۲): ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی تھی اطمینان قلبی کے لیے تاکہ دل میں یہ خیال نہ رہے کہ میں احرام باندھنے کے بعد کیسے حلال ہو جاؤں۔ پھر جب ذہن میں یہ خیال آئے گا کہ میں نے بوقت احرام یہ شرط لگائی تھی تو اس سے کچھ اطمینان حاصل ہو جائے گا۔

جمہور کی دلیل: زیر بحث باب کے مابعد باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ اشتراط فی الحج کا انکار کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ہمارے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کافی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشتراط فی الحج نہیں کیا۔ حدیبیہ کے موقع پر ظاہر یہی تھا کہ رُکاوٹ پیدا ہو جائے گی، اس کے باوجود نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے احرام میں اشتراط کا ذکر ہے۔

بَابٌ مِنْهُ دوسرا اِسی بیان میں

عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَانَ يُنْكِرُ الِاشْتِرَاطَ فِي الحَجِّ، وَيَقُولُ أَلَيْسَ حَسْبُكُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ حضرت سالم سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ وہ انکار کرتے تھے شرط لگانے سے حج میں اور فرماتے تھے کافی نہیں تم کو سنت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَرْأَةِ تَحِيضُ بَعْدَ الإِفَاضَةِ

طوافِ افاضہ کے بعد کسی عورت کو حیض آجانا

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ ذَكَرْتُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ حَاضَتْ فِي أَيَّامِ مِنًى فَقَالَ أَحَابِسَتُنَا هِيَ قَالُوا إِنَّهَا قَدْ أَفَاضَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا إِذًا

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ذکر کیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ صفیہ بیٹی حیی کی حائضہ ہوگئی ہیں۔ ایام منیٰ میں سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہم کو روکنے والی ہے۔ سو عرض کیا لوگوں نے کہ وہ طوافِ افاضہ کر چکی ہیں۔ تب فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب رُکنے کی ضرورت نہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ فَلْيَكُنْ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ إِلَّا الْحُيَّضَ وَرَخَّصَ لَهُنَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جو حج کرے بیت اللہ کا تو آخر میں بیت اللہ سے ہو کر جائے یعنی طوافِ وداع کرے مگر حائضہ عورت کو رُخصت دی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

تشریح اس باب کی شرح جاننے سے پہلے ایک بات ذہن نشین کریں کہ حج کے اندر تین طواف ہوتے ہیں۔

(۱) طواف قدوم کہ حاجی جب مکہ آتا ہے تو پہلے طواف قدوم کرتا ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر آئمہ کے ہاں یہ طواف قدوم سنت ہے۔

(۲) طواف زیارت یا طواف افاضہ یا طواف فرض یہ دس تاریخ کو ہوتا ہے۔

(۳) حج ختم کر کے جب وطن لوٹتے وقت کرتا ہے، یہ طواف وداع کہلاتا ہے، یہ واجب ہے۔ طواف وداع صرف حج میں ہے، عمرے میں نہیں۔

زیر بحث باب کی روایت سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ حائض سے طوائف وداع ساقط ہو جاتا ہے اور طواف زیارت ساقط نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ذکر کیا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو حیض آگیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس نے ہمیں روک دیا کہ جب حیض ختم ہوگا تب یہ طواف کریں گی۔ پھر حضرت عائشہ سدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس نے طواف زیارت کر لیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا کہ پھر ہمیں رُکنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حائض سے طواف وداع ساقط ہو جاتا ہے، طواف زیارت ساقط نہیں ہوتا بلکہ حائض انتظار کرے گی جب حیض ختم ہو جائے تب طواف کرے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

موجودہ دور میں حجاج کے آنے جانے کی تاریخیں اور اوقات مقرر ہوتے ہیں۔ ویزے محدود مدت کے لیے ہوتے ہیں، تاریخوں اور اوقات کے بدلنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں حائض کے لیے طواف زیارت کے لیے انتظار کرنے میں مشکل ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں کیا حکم ہوگا؟

جواب: ابن تیمیہ نے اس کا یہ حل نکالا ہے کہ ایسی صورت میں ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرلے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق اس نقصان کا تدارک دم سے کرے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا تَقْضِي الحَائِضُ مِنَ المَنَاسِكِ

حائضہ کون کون سے افعال کرسکتی ہے؟

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ حِضْتُ فَأَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقْضِيَ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا، إِلَّا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں حائضہ ہوئی جب میں مکے کو پہنچی تو حکم کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ادا کروں میں تمام مناسک حج کے سوا طواف خانہ کعبہ کے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَفَعَ الحَدِيثَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النُّفَسَاءَ وَالحَائِضَ تَغْتَسِلُ وَتُحْرِمُ وَتَقْضِي المَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفَ بِالبَيْتِ حَتَّى تَطْهُرَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ مرفوع کرتے ہیں اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نفاس اور حیض والی عورت غسل کرے اور احرام باندھے اور ادا کرے تمام مناسک حج کے یعنی موقوف عرفات اور رمی جمار وغیرہ سوا اس کے کہ طواف نہ کرے خانہ کعبہ کا جب تک پاک نہ ہو۔

تشریح: حائضہ عورت کے لیے طواف صحیح نہیں، اس لیے کہ جمہور کے نزدیک طواف کے لیے طہارت شرط ہے اور احناف کے واجب ہے اور اس کو تو طہارت حاصل نہیں ہے اور یہ سعی بھی نہیں کرسکتی، اس لیے کہ سعی کا ترتب طواف پر ہے، شرح وقایہ میں ہے کہ طواف اس لیے نہیں کرتی وہ مسجد میں ہوتا ہے اور حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی، اس پر سوال ہے کہ مسجد سے باہر رہ کر طواف کرے تو پھر ہو جائے گا، لہٰذا پہلی وجہ صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَنْ حَجَّ أَوْ اعْتَمَرَ فَلْيَكُنْ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ

حاجی اور معتمر اخیر میں خانہ کعبہ سے ہو کر روانہ ہو

عَنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلْيَكُنْ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ خَرَرْتَ مِنْ يَدَيْكَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ تُخْبِرْنَا بِهِ.

ترجمہ حضرت حارث بن عبداللہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے جو حج کرے اس گھر کا یا عمرہ لائے تو اخیر میں اس گھر سے ہو کر جائے یعنی آخر میں طوافِ وداع کر لے تو فرمایا ان سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمین پر گرا تو اپنے ہاتھوں سے یعنی تو نے برا کیا سنی تو نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور خبر نہ کی تو نے ہم کو اس کی۔

تشریح مسئلہ اختلافی: طواف وداع کا حکم کیا ہے؟

قول اوّل: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک طواف وداع سنت ہے۔ اس کے ترک سے دم واجب نہیں ہوتا۔

قول ثانی: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک طواف وداع واجب ہے، اس کے ترک سے دم واجب ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آفاقی کے لیے طواف وداع واجب ہے، مکی اور میقاتی کے لیے واجب نہیں۔

سوال: زیر بحث باب کی روایت میں ”او اعتمر“ کے لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ معتمر پر بھی طواف وداع واجب ہے حالاں کہ معتمر پر طواف وداع واجب نہیں۔

جواب: ”او اعتمر“ کی زیادتی ”حجاج بن ارطاۃ“ کا تفرد ہے کیوں کہ یہی روایت ابوداؤد میں مذکور ہے اور اس میں عمرہ کا ذکر نہیں۔

”قولہ فلیکن آخر عہدہ بالبیت“ آئمہ ثلاثہ نے اس جملہ سے استدلال کر کے یہ حکم ثابت کیا ہے کہ طواف وداع سفر کے آخر میں ہونا ضروری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے طواف وداع کیا۔ پھر کسی کام میں مشغولیت کی وجہ سے مکہ میں قیام پذیر رہا، اس پر طواف وداع کا اعادہ واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اعادہ واجب تو نہیں البتہ مستحب ہے۔

”فقال لہ عمر رضی اللہ عنہ خررت من یدیک“ ہاتھوں کے بل گر پڑے مصیبت میں اور یہ کنایہ شرمندہ ہونے سے یعنی شرمندہ ہوں۔

سوال: وہ حدیث سنا رہے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں ”خررت علی یدیک“ بظاہر کوئی جوڑ معلوم نہیں ہوتا؟

جواب: ترمذی رحمہ اللہ کی روایت میں اجمال ہے اور ابوداؤد میں تفصیل ہے کہ حارث ابن عوف نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ

سے سوال کیا، ایک عورت نے طواف زیارت کرلیا، بعد میں وہ حائضہ ہوگئی، اب کیا کرے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے لیے تو رخصت ہے اس کے ماسواء کے لیے طواف صدر واجب ہے اپنے اجتہاد کے ذریعے اس پر بول پڑے حارث ابن عوف سے کہ میں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی سنا ہے۔اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے ہوئے کہ جب تجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث معلوم ہے تو تم مجھ سے مسئلہ کیوں پوچھ رہے ہو؟ اس لیے کہ اعلم سے مسئلہ معلوم ہونے کے بعد مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں یا اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو معصوم عن الخطاء ہیں اور میں معصوم عن الخطاء نہیں بلکہ میں اپنے اجتہاد سے مسئلہ بتلاؤں گا اور اجتہاد میں خطاء بھی ہوسکتی ہے یا اس وجہ سے غصے ہوئے کہ تم یہ حدیث مجھے پہلے سناتے کیونکہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ طواف صدر کا وجوب یہ اجتہاد عمر رضی اللہ عنہ ہے پہلے، بتلادیتا تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجاتا کہ یہ نص سے ثابت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ القَارِنَ يَطُوفُ طَوَافًا وَاحِدًا قارن ایک ہی طواف کرے

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَنَ الحَجَّ وَالعُمْرَةَ فَطَافَ لَهُمَا طَوَافًا وَاحِدًا.

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملایا حج وعمرہ کو یعنی قران کیا۔ پس ایک ہی طواف کیا دونوں کے لیے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحْرَمَ بِالحَجِّ وَالعُمْرَةِ أَجْزَأَهُ طَوَافٌ وَاحِدٌ وَسَعْيٌ وَاحِدٌ مِنْهُمَا حَتَّى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيعًا.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو احرام باندھے حج اور عمرہ دونوں کا یعنی قران کرے کافی ہے اس کو ایک طواف اور ایک سعی دونوں سے یہاں تک کہ حلال ہو ان دونوں سے یعنی بعد طواف وسعی کے۔

تشریح وقوفِ عرفہ سے پہلے پہلے قارن کے ذمے کتنے طواف اور کتنی سعیں ہیں؟ احناف کے نزدیک دو طواف (طواف العمرۃ، طواف قدوم للحج) اور دو سعی ہیں (سعی عمرہ اور سعی حج) دیگر آئمہ فرماتے ہیں کہ وقوفِ عرفہ سے پہلے صرف طواف قدوم ہے اس کے بعد طواف قدوم کی سعی باقی طوافِ عمرہ اور سعی وغیرہ ان کا طواف قدوم میں تداخل ہوجائے گا۔

احناف کی دلیل اوّل:

حدیث عمران بن حصین "الذی اخرجہ، دارقطنی، ان النبی صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلّم طاف طوافین وسعی سعیین" اصح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قارن تھے۔

دلیل (۲): حدیث صبی بن معبد اخرجہ ابوداؤد، صبی بن معبد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے حج اور عمرے کا احرام باندھا ہے اور ان کے لیے دو طواف اور دو سعی کی ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ھدیت لسنۃ نبیک

محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم " لیکن اس پر اشکال ہے کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا صبی بن معبد اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی سے بھی سماع ثابت نہیں لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے مراسیل محدثین کے نزدیک مقبول ہیں۔

دلیل (۳): فتویٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ "اذا احللت بالحج و العمرۃ فطف طوافین و سغی سعیین" اور ظاہر ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور طحاوی نے بھی نقل کیا سنن الکبریٰ میں۔

دلیل (۴): فتویٰ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ "اذا احللت بالحج و العمرۃ فطف طوافین و سغی سعیین" یہ فتویٰ بھی غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

دلیل (۵): عمل حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے قران کے احرام میں دو طواف اور دو سعی کی ہیں اور مقدمہ اخیر یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ! آپ کا جو احرام ہے میرا بھی وہی احرام ہے اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قارن تھے۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی قارن ہوئے۔

دلیل (۶): قیاس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ دو طواف اور دو سعی ہونی چاہئیں، اس لیے کہ حج اور عمرہ الگ الگ چیزیں ہیں۔ لہٰذا ان کے لیے الگ الگ طواف اور علیحدہ علیحدہ سعی ہونی چاہیے۔

دلیل (۷): احتیاط کا مقتضی بھی یہی ہے کہ دو ہوں تاکہ براۃ ذمہ یقینی ہو۔

جمہور کی دلیل اوّل:

حدیث الباب "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قرن الحج و العمرۃ فطاف لھما طوافًا واحداً"

جواب: یہ حدیث بالاجماع واجب التاویل ہے کیونکہ تین طواف ثابت ہونے پر اجماع ہے، ایک چار ذی الحجہ کو طواف قدوم کیا۔ دوسرا ۱۰ ذی الحجہ کو طواف زیارت اور تیرا چودہ کو طواف الصدر اور اسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک طواف کیا۔ لہٰذا یہ حدیث سب کے خلاف ہے اور وہ تاویل یہ ہے کہ "طاف لکل واحد منھما طوافًا واحدا"

تاویل (۲): طواف سے طواف للاخلال مراد ہے چونکہ قارن کے دو احرام ہیں اور یہ دونوں احرام دسویں ذی الحجہ تک چلیں گے، اس سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دسویں ذی الحجہ کو دونوں احراموں سے نکلنے کے لیے دو طواف کیے ہوں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس شبہ کا ازالہ کردیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں احراموں سے حلال ہونے کے لیے ایک ہی طواف کیا۔

تاویل (۳): حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک لاکھ سے زائد کا جمع تھا اور مطاف تنگ تھا۔ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف للعمرہ کیا ہوگا بعض کو علم ہوا ہوگا اور بعض کو نہیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف قدوم کیا، اب جن لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طواف العمرہ کا علم ہوا، انہوں نے دو طواف نقل کیے اور جن لوگوں نے صرف طواف قدوم کرتے دیکھا، انہوں نے ایک طواف نقل کیا، الغرض یہ فہم پر مبنی ہے، واقعہ کے مطابق نہیں ہے۔

تاویل (۴): احناف کے دلائل طواف ثانی کے لیے مثبت للزیادۃ ہیں اور آئمہ ثلاثہ کی ادلہ مثبت للزیادۃ نہیں اور تعارض کے وقت مثبت للزیادۃ کو ترجیح ہوتی ہے۔

تاویل (۵): ہمارے دلائل موافق قیاس ہیں، اس لیے کہ حج وعمرہ دو چیزیں ہیں، لہٰذا ان کے لیے طواف وسعی بھی دو دو ہونی چاہئیں جبکہ دیگر آئمہ کی ادلہ موافق قیاس نہیں، تعارض کی صورت میں موافق قیاس کو ترجیح ہوتی ہے۔

تاویل (۶): ہمارے دلائل میں احتیاط زیادہ ہے اس لیے کہ ان میں برأۃ ذمہ یقینی ہے۔ لہٰذا ہماری دلیلوں کو ترجیح ہوگی۔

دلیل ثانی: اسی باب میں حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما قولی "قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من احرم بالحج والعمرۃ اجزأہ طواف واحد وسعی منہما واحد"

جواب: صحیح یہ ہے کہ یہ قول ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جیسے امام ترمذی فرماتے ہیں "وقد رواہ غیر واحد عن عبید اللہ بن عمر ولم یرفعوہ" الغرض یہ فتویٰ ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اور اس کے مقابلے میں اثنینیت طواف وسعی یہ فتویٰ ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا اور فتویٰ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اور یہ دونوں حضرات زیادہ افقہ ہیں، بنسبت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ وہ ان کے مقابلے میں غیر افقہ ہیں۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے فتویٰ کو ترجیح ہوگی اور ویسے شوافع حضرات جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال نہیں کر سکتے، اس لیے کہ اس میں قرن الحج والعمرۃ اور شوافع اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج قران کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنْ يَمْكُثَ الْمُهَاجِرُ بِمَكَّةَ بَعْدَ الصَّدْرِ ثَلَاثًا

مہاجر حج کے بعد تین دن مکہ میں رہے

عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَضْرَمِيِّ يَعْنِي مَرْفُوعًا قَالَ يَمْكُثُ الْمُهَاجِرُ بَعْدَ قَضَاءِ نُسُكِهِ بِمَكَّةَ ثَلَاثًا.

ترجمہ: حضرت علاء بن حضرمی سے روایت ہے یعنی مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ ٹھہرے مہاجر بعد ادا کرنے نسک حج کے مکے میں تین دن۔

تشریح: مہاجرین افعال حج کو ادا کرنے کے بعد مکہ میں تین دن سے زائد نہ ٹھہریں، اس لیے کہ ہوسکتا ہے موت آجائے اور یہ مناسب نہیں کہ آدمی جس جگہ سے ہجرت کر جائے واپس وہیں آجائے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يَقُولُ عِنْدَ الْقُفُولِ مِنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

جو دعائیں حج وعمرہ سے لوٹتے وقت پڑھی جاتی ہیں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوَةٍ أَوْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ فَعَلَا فَدْفَدًا مِنَ الْأَرْضِ أَوْ شَرَفًا كَبَّرَ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ

وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَائِحُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پھرتے جہاد سے یا حج اور عمرہ سے پھر چڑھتے کسی بلند زمین پر یا کسی اور اونچی چیز پر تو کہتے اللہ اکبر تین بار، پھر کہتے لا الٰہ الا اللہ سے آخر تک اور معنی اس کے یہ ہیں کہ کوئی معبود نہیں سوا اللہ کے اکیلا ہے وہ کوئی اس کا شریک نہیں اسی کو ہے سلطنت اور تعریف اور وہ ہر چیز کر سکتا ہے ہم لوٹنے والے ہیں رجوع کرنے والے عبادت کرنے والے سیر کرنے والے اپنے ہی رب کی تعریف کرنے والے پورا کیا اللہ نے وعدہ اپنا اور مدد کی اپنے غلام کی اور شکست دے دی لشکروں کو اکیلے۔

تشریح: "وهزم الاحزاب وحدهٗ" وحدہٗ منفرداً کے معنی میں ہے اس لیے کہ یہ حال ہے اور حال کے لیے نکرہ کا ہونا ضروری ہے جبکہ یہ معرفہ ہے۔ لہٰذا یہ منفرداً کے معنی میں ہے تاکہ اشکال نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُحْرِمِ يَمُوتُ فِي إِحْرَامِهِ جومحرم احرام میں مرجائے

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَرَأَى رَجُلًا قَدْ سَقَطَ مِنْ بَعِيرِهِ فَوُقِصَ فَمَاتَ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْهِ وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُهِلُّ أَوْ يُلَبِّي.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے سفر میں سو دیکھا ایک مرد کو کہ گر پڑا اپنے اونٹ پر سے سو ٹوٹ گئی اس کی گردن اور مر گیا وہ محرم تھا سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہلاؤ اس کو پانی اور بیر کے پتوں سے اور کفن دو اسی کے دونوں کپڑوں میں یعنی جو احرام میں پہنے تھا اور نہ چھپاؤ اس کا سر اس لیے کہ وہ تو قیامت کے دن اُٹھایا جائے گا لبیک پکارتا ہوا۔ راوی کو شک ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "یُھِلُّ" فرمایا یا "یُلَبِّی" معنی دونوں کے ایک ہیں۔

تشریح: ...... محرم حالت احرام میں مرجائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

مذہب اوّل: جو محرم حالت احرام میں مرجائے تو وہ بعد الموت بھی محرم شمار ہوگا۔ عند الشافعی واحمد واسحاق واہل ظاہر۔ لہٰذا اس میت کا ستر رأس وتطییب ممنوع ہے "کالمحرم حیا" اور یہ قول مروی عثمان وعلی رضی اللہ عنہما۔

مذہب ثانی: یہ محرم بعد الموت محرم نہیں رہتا۔ عند ابی حنیفہ ومالک والاوزاعی۔ لہٰذا یہ حلال شمار ہوگا اور اس کے ساتھ حلال کا برتاؤ کیا جائے گا، اس کا ستر رأس وتطییب جائز ہے اور یہی قول مروی ہے عائشہ رضی اللہ عنہا وابن عمر رضی اللہ عنہما وطاؤس سے۔

احناف کی دلیلیں

دلیل اوّل: "قال علیہ السّلام اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلاث الا من صدقة جاریة او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعوا لہ الخ" اور احرام ان امور ثلاثہ سے نہیں ہے۔

دلیل ثانی: موت سے احرام ختم ہوجاتا ہے اور اگر احرام باقی ہے تو لازم ہوگا کہ اس کو طواف کروانا اور دیگر مناسک کی تکمیل کروانا حالانکہ یہ کسی کے نزدیک لازم نہیں ہے۔

دلیل ثالث: مؤطا امام مالک میں نافع کی روایت میں ہے "ان ابن عمر لما مات ابنہ کفن ابنہ واقد بن عبداللہ ومات بالجحفة محرما وقال لو لا أنا حرم لطیبناہ وخمر راسہ وجہہ وقال لولد انا محرمون لنھتک یا واقد"

دلیل رابع: عن طاؤس "یغیب رأس المحرم اذا مات وقال الحسن البصری اذا مات المحرم فھو حلال وممن عامر اذا مات المحرم ذھب احرامہ"

دلیل خامس: "عن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اذا مات المحرم ذھب احرامہ صاحبکم"

دلیل سادس: محلّی ابن حزم "انہ صح عن عائشہ رضی اللہ عنہا تھنیتط المحرم اذا مات وتطیبہ وتخمر رأسہ"

دلیل سابع: "عن جابر رضی الہ عنہ قال المحرم یغطی رأسہ ولا یکشف"

دلیل ثامن: ہم قیاس کرتے ہیں "موت راکعًا وساجدًا" پر "قال ابن دقیق العید فان من مات راکعًا او ساجدًا فلا یقول احد انہ یدفن علی تلک الھیئة" نیز ہم قیاس کرتے ہیں صوم وصلوٰة پر صلوٰة یا صوم میں جو شخص مرجائے تو بعد الموت "ویصلی و صائم" کے حکم میں نہیں رہتا۔ اسی طرح محرم بھی بعد الموت حالت احرام میں نہیں رہ سکتا۔ امام شافعی واحمد استدلال کرتے ہیں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما فی الباب لترمذی سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ایک محرم اونٹنی سے گرا اور مرگیا "فقال رسول اللہ اغسلوہ بماء وسدر وکفنوہ فی ثوب ولا تخمروا رأسہ فانہ یبعث یوم القیامہ"

جواب اوّل: خود اس حدیث میں اشارہ ہے کہ یہ محرم نہیں رہا، "حیث قال اغسلوہ بما وسدر" اور محرم غسل بالماء وسدر نہیں کرسکتا۔ نیز اس حدیث طریق مسلم میں ہے "ولا تخمروا وجھہ ولا رأسہ" حالاں کہ ان کے نزدیک محرم کو چہرہ چھپانا جائز ہے۔

جواب ثانی: یہ اس شخص کی خصوصیت تھی قانون کلی نہیں ہے خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسکین حالت سفر میدانِ عرفات "یوم عرفة عند موقف النبی صلی اللہ علیہ وسلّم بین یدی النبی بموت فجائی" سے مرا اور گردن بھی ٹوٹ گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحکم خدا اس کے لیے خصوصاً یہ حکم دیا، یہ عام محرمین کے لیے حکم نہیں ہے، اس لیے فرمایا "فانہ یبعث ما رجاء الضمیر الدال علی الخصوصیت ولم یقل فان المحرم یبعث بطریق قانون الکلی"

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُحْرِمِ يَشْتَكِي عَيْنَهُ فَيَضْمِدُهَا بِالصَّبِرِ

محرم اگر آنکھوں کی تکلیف میں مبتلا ہو جائے تو ایلوے کا لیپ کرے

عَنْ نُبَيْهِ بْنِ وَهْبٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مَعْمَرٍ اشْتَكَى عَيْنَيْهِ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَسَأَلَ أَبَانَ بْنَ عُثْمَانَ فَقَالَ اضْمِدْهُمَا بِالصَّبِرِ فَإِنِّي سَمِعْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ يَذْكُرُهَا عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اضْمِدْهُمَا بِالصَّبِرِ.

ترجمہ حضرت نبیہ بن وہب سے روایت ہے کہ عمرو بن عبید اللہ بن معمر کی آنکھیں دُکھتی تھیں اور وہ احرام باندھے ہوئے تھے سو پوچھا انہوں نے ابان بن عثمان سے تو فرمایا انہوں نے لیپ کر دو اس پر ایلوے کا کہ میں نے سنا ہے عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ ذکر کرتے تھے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیپ کر دو دُکھتی آنکھوں پر ایلوے کا۔

تشریح اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت کے وقت آنکھوں میں دوائی ڈالی جاسکتی ہے۔ بشرطیکہ خوشبودار نہ ہو، بغیر خوشبو والا سرمہ لگانے سے اگر تزئین مقصود ہو تو یہ بھی ممنوع ہے۔ بطور دوا کے سرمے کا استعمال جائز ہے، یہ سب آئمہ کے نزدیک متفق علیہ۔ ''اضمدها'' اس پر باندھو۔ ''الصبر'' بمعنی ایلوا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُحْرِمِ يَحْلِقُ رَأْسَهُ فِي إِحْرَامِهِ مَا عَلَيْهِ

محرم احرام میں سر منڈوائے تو اس پر کیا چیز واجب ہے

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهِ وَهُوَ بِالْحُدَيْبِيَةِ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ مَكَّةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَهُوَ يُوقِدُ تَحْتَ قِدْرٍ وَالْقَمْلُ يَتَهَافَتُ عَلَى وَجْهِهِ فَقَالَ أَتُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ هٰذِهِ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ احْلِقْ وَأَطْعِمْ فَرَقًا بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِينَ وَالْفَرَقُ ثَلَاثَةُ آصُعٍ أَوْ صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوِ انْسُكْ نَسِيكَةً قَالَ ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ أَوِ اذْبَحْ شَاةً.

ترجمہ حضرت کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان پر سے گزرے حدیبیہ میں کے میں داخل ہونے سے پہلے اور کعب احرام باندھے ہوئے تھے اور آگ سلگاتے تھے ہنڈیا کے نیچے اور جوئیں ان کے منہ پر چلی آتی تھیں۔ سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اذیت دیتی ہیں تجھ کو یہ جوئیں تیری عرض کیا ہاں سو فرمایا آپ نے سر منڈا ڈال اور کھانا کھلا ایک فرق میں چھ مسکینوں کو اور فرق تین صاع کا ہوتا ہے یا روزہ رکھ تین دن یا ایک قربانی کر کہا ابن ابی نجیح نے اپنی روایت میں ''او انسک نسیکۃ'' کے عوض ''او اذبح شاۃ'' یعنی ذبح کر ایک بکری۔

تشریح عذر کی وجہ سے بال منڈوانے جائز ہیں اور فدیہ میں اختیار ہے چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا بکری ذبح کرے، یا اونٹ ذبح کرے، اگر عذر نہ ہو تو پھر دم ہی واجب ہے۔ باب کی حدیث میں ہے کہ آپ نے حلق کی اجازت دی لیکن باوجود جواز کے کفارہ ساقط نہیں ہوا۔ باب کی حدیث میں جو کفارہ مذکور ہے۔ ان تین چیزوں میں ترتیب ضروری نہیں جس کو چاہے ادا کرے۔ باب کی حدیث میں جو کفارہ ہے یہ سر کے بالوں کے لیے ہے اور جسم کے دوسرے حصے کے بالوں کیلئے بھی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ لِلرِّعَاءِ أَنْ يَرْمُوا يَوْمًا وَيَدَعُوا يَوْمًا

چرواہوں کو ایک دن رمی نہ کرنے کی اجازت

عَنْ أَبِي الْبَدَّاحِ بْنِ عَدِيٍّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِلرِّعَاءِ أَنْ يَرْمُوا يَوْمًا وَيَدَعُوا يَوْمًا.

ترجمہ حضرت ابی البداح سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ عدی سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رُخصت دی چرواہوں کو کہ کنکریاں ماریں ایک دن اور چھوڑ دیں ایک دن۔

عَنْ أَبِي الْبَدَّاحِ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ رَخَّصَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرِعَاءِ الإِبِلِ فِي الْبَيْتُوتَةِ أَنْ يَرْمُوا يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ يَجْمَعُوا رَمْيَ يَوْمَيْنِ بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ فَيَرْمُونَهُ فِي أَحَدِهِمَا قَالَ مَالِكٌ ظَنَنْتُ أَنَّهُ قَالَ فِي الأَوَّلِ مِنْهُمَا ثُمَّ يَرْمُونَ يَوْمَ النَّفْرِ.

ترجمہ حضرت ابی البداح بن عاصم بن عدی سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا رُخصت دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے چرانے والوں کو رات کو نہ رہنے کی یعنی منیٰ میں اس طرح کہ رمی کر لیں نحر کے دن پھر اکٹھا کر لیں دو دن کی رمی یوم نحر کے بعد پس رمی کر لیں ایک دن میں ان دونوں کی کہا مالک نے گمان کیا میں نے کہ کہا راوی نے کہ پہلے دن رمی کرے پھر رمی کرے دن کو کوچ کے۔

تشریح اس پر اجماع ہے کہ چرواہوں کے لیے عذر کی وجہ سے دسویں ذی الحجہ کا ماسوا دو دن کی رمی کو اکٹھا کرنا جائز ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ جن دو رمیوں کو اکٹھا کرنا ہے جمع تقدیمی نہیں بلکہ جمع تاخیری ہوگی، اگر جمع تقدیمی کی گئی تو لازم آئے گا وجوب سے پہلے ادائیگی اور وجوب سے پہلے ادائیگی جائز نہیں۔ باقی حدیث میں "فیرمونها فی احدهما" ہے۔ یہاں "احدهما" کا مصداق جمع تقدیمی بلکہ جمع تاخیری ہے اس لیے کہ اس پر تو اجماع ہے کہ جمع تقدیمی جائز نہیں، باقی "فی احدهما" کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) گیارہویں کی رمی کو چھوڑ کر بارہویں کی رمی کے ساتھ کرے۔

(۲) صورت یہ ہے کہ بارہویں کی رمی کو چھوڑ کر تیرہویں کی رمی کے ساتھ کرے اور دو صورتیں غلط بھی ہیں۔

(۱) بارہویں کی رمی کو مقدم کر کے گیارہویں کے ساتھ کرے۔ (۲) تیرہویں کی رمی کو مقدم کر کے بارہویں کی رمی کے ساتھ کرے۔

قال ابو عیسٰی ھکذا روی ابن عیینہ

"قال مالک ظننت" امام مالک فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ میرے اُستاذ نے فرمایا کہ جن دو دنوں رمی کرنا چاہتا ہے ان میں سے پہلے دن کی رمی کو جمع کرلے، یعنی دوسرے دن کی رمی کو مقدم کرکے پہلے دن کرلے، اور یہ تو آئمہ اربعہ میں سے کسی کے ہاں جائز نہیں، اجماع کے خلاف ہے اس کی توجیہ یہ ہے۔

توجیہ (۱): "فی الاوّل منھما" کا معنی یہ ہے کہ جن دو دنوں کی رمی کو جمع کرنا مقصود ہو، ان دو دنوں سے پہلے دن، مثلاً (گیارہویں اور بارہویں کی رمی کو جمع کرنا ہے ان سے پہلے کا دن دسویں کا ہے) میں رمی کی جائے اور پھر یوم النفر الاوّل کو رمی کی جائے اور یوم النفر الاوّل بارہویں کا دن ہے، گیارہویں کے دن کی رمی کو بارہویں کے دن کی رمی کے ساتھ کرنا یہ جمع تاخیری ہے۔

توجیہ (۲): جن دو دنوں کی رمی کو جمع کرنا مقصود ہو ان دو دنوں سے جو پہلا دن ہے اس میں رمی کرے، پھر یوم النفر الثانی مثلاً بارہویں اور تیرہویں کی رمی کو جمع کرنا مقصود ہو تو ان سے پہلے گیارہویں کو رمی کرے، پھر یوم الثانی یعنی تیرواں کو کرے، بارہویں کی رمی کے ساتھ ملائے، یہ جمع تاخیری ہے۔

توجیہ (۳): حدیث میں ہے "فیر مونہ فی احدھما" اس کے تحت دو چیزیں ہیں۔ (۱) ایک دن کی رمی کو چھوڑ دے اور (۲) ایک دن کی رمی کو رمی کرے۔ اب یہ معلوم نہیں کہ کون سے دن کی رمی کو چھوڑے اور کون سے دن کی رمی کو کرے۔

آگے امام مالک فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ میرے اُستاد نے کہا کہ پہلے دن کے بارے میں فرمایا کہ اس دن میں چھوڑ دے، پھر دوسرے دن میں دونوں کو جمع کرے، اب فی الاوّل کا معنی یہ ہے کہ پہلے دن میں چھوڑ دے اور یوم النفر میں رمی کرے، یہ معنی نہیں کہ پہلے دن میں کرے۔ باقی یہ حدیث دو طریق سے مروی ہے۔ (۱) بطریق سفیان (۲) بطریق مالک۔ اور حدیث مالک اصح ہے، حدیث سفیان سے اس لیے کہ بطریق سفیان میں ابی البداح کی نسبت دادے کی طرف ہے اور دادا عدی ہیں، ابی البداح اپنے دادے سے پھر دادا عدی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کررہے ہیں اور روایت مالک سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو البداح کے باپ عاصم ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کررہے ہیں تو مالک کی روایت اصح ہے یعنی یہ روایت "عن عاصم عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم" ہے نہ کہ "عن عدی عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم"

باب بلا ترجمہ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عَلِيًّا قَدِمَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْيَمَنِ فَقَالَ بِمَ أَهْلَلْتَ قَالَ أَهْلَلْتُ بِمَا أَهَلَّ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لَوْ لَا أَنَّ مَعِي هَدْيًا لَأَحْلَلْتُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس یعنی حجۃ الوداع میں تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم نے کیونکر لبیک پکاری یعنی قران یا افراد یا تمتع کی کہا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لبیک پکاری میں نے ویسے ہی جیسے لبیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔فرمایا آپ نے اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو میں احرام کھول ڈالتا۔

تشریح نیت مبہم کے ساتھ احرام باندھنے کا کیا حکم ہے؟......آئمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک ایسی صورت میں افعال حج یا افعال عمرہ کرنے سے پہلے احرام کی تعین ضروری ہے۔اگر تعین نہ کی اور پھر طواف شروع کرلیا تو اگر ایک ہی چکر کاٹ لیا تو یہ احرام عمرہ کے لیے متعین ہوجائے گا اور اگر طواف سے قبل وقوف عرفہ کرلیا تو اس کا احرام حج کے لیے متعین ہو جائے گا، اگرچہ اس نے پہلی صورت میں عمرہ کی اور دوسری صورت میں حج کی نیت نہ کی ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي يَوْمِ الحجّ الأكْبرِ باب بلاترجمہ

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ يَوْمِ الحَجِّ الأَكْبَرِ فَقَالَ يَوْمُ النَّحْرِ.

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دن حج کا کون سا ہے آپ نے فرمایا دن نحر کا۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ يَوْمُ الحَجِّ الأَكْبَرِ يَوْمُ النَّحْرِ وَلَمْ يَرْفَعْهُ.

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا انہوں نے حج اکبر کا دن روز نحر ہے اور راوی نے اس کو مرفوع نہیں کیا۔

تشریح "قولہ یوم الحج الاکبر یوم النحر" حج اکبر کی تفسیر میں آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔(۱) عند البعض حج اکبر سے مراد مطلق حج ہے کیونکہ عمرہ کو حج اصغر کہا جاتا ہے اور اس سے ممتاز کرنے کے لیے حج کو حج اکبر کہا جاتا ہے۔(۲) بعض نے کہا کہ حج اکبر وہ ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس شریک ہوئے ہوں۔

یوم الحج الاکبر کے مصداق میں آئمہ کے مختلف اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد یوم النحر ہے۔کمافی الحدیث۔یہی قول حضرت علی، حضرت عبداللہ ابی ارفی، شعبی اور مجاہد کا ہے۔

(۲) اس کا مصداق یوم عرفہ ہے، یہ قول حضرت عمر عبادلہ ثلاثہ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کا ہے۔دلیل الحج عرفہ یا الحج یوم العرفہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۳) حج کے پانچواں دن یوم الاکبر ہے جس میں عرفہ اور یوم النحر دونوں شامل ہیں۔باقی یوم کو مفرد لائے محاورہ کے طور پر۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اسْتِلَامِ الرُّكْنَيْنِ باب بلاترجمہ

عَنِ ابْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُزَاحِمُ عَلَى الرُّكْنَيْنِ زِحَامًا مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِنْ

أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ فَقُلْتُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِنَّكَ تُزَاحِمُ عَلَى الرُّكْنَيْنِ زِحَامًا مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُزَاحِمُ عَلَيْهِ، فَقَالَ إِنْ أَفْعَلْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ مَسْحَهُمَا كَفَّارَةٌ لِلْخَطَايَا وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ أُسْبُوعًا فَأَحْصَاهُ كَانَ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ لَا يَضَعُ قَدَمًا وَلَا يَرْفَعُ أُخْرَى إِلَّا حَطَّ اللهُ عَنْهُ خَطِيئَةً وَكَتَبَ لَهُ بِهَا حَسَنَةً.

ترجمہ حضرت ابن عبید بن عمیر سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ٹھہرتے تھے دو رکنوں پر یعنی حجر اسود اور رکن یمانی پر سو کہا میں نے ان سے اے ابا عبدالرحمن تم ٹھہرے ہو دو رکنوں پر ایسا ٹھہرنا کہ میں نے نہیں دیکھا کسی صحابی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ ایسا ٹھہرتا ہو دو رکنوں پر سو فرمایا انہوں نے کیوں نہ کروں میں ایسا کہ میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے کہ چھونا ان دونوں کا کفارہ ہے گناہوں کا اور سنا میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے جس نے طواف کیا اس گھر کا سات مرتبہ اور گنا اس کو برابر ہے ایک غلام آزاد کرنے کے اور سنا میں نے کہ فرماتے تھے نہیں رکھتا آدمی کوئی قدم یعنی طواف میں اور نہ اُٹھاتا ہے دوسرے قدم مگر مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ لکھتا ہے اس کے سبب سے ایک گناہ اور ایک نیکی۔

تشریح سوال: حدیث کے ابتدائی حصے میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما استلام حجر میں لوگوں کو دھکے دیتے تھے اور یہ صحابی سے متصور نہیں ہوسکتا؟ جواب: اژدہام رش کے معنی میں نہیں بلکہ اہتمام کے معنی میں ہے۔

باب بلاترجمہ

تشریح طواف کے اندر طہارت شرط ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک ضروری ہے

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ کے نزدیک طواف میں طہارت شرط ہے۔

دلیل: یہی حدیث ہے کہ طواف نماز کی طرح ہے اور نماز میں طہارت شرط ہے۔

جواب: یہ خبر واحد ہے اگر اس سے شرطیت ثابت کریں تو پھر قرآن پر زیادتی ہوگی کیونکہ قرآن میں ''ولیطوفو بالبیت'' باقی نماز کے ساتھ تشبہ اجر میں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكَلَامِ فِي الطَّوَافِ باب بلاترجمہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلَاةِ إِلَّا أَنَّكُمْ تَتَكَلَّمُونَ فِيهِ فَمَنْ تَكَلَّمَ فِيهِ فَلَا يَتَكَلَّمَنَّ إِلَّا بِخَيْرٍ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طواف خانہ کعبہ کے گرد مثل نماز کے ہے مگر یہ کہ اس میں کلام کرتے ہو تم سو جو کوئی کلام کرے تو نہ بولے مگر اچھی بات۔

تشریح حاصل یہ کہ بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ہے لیکن نماز میں چلنا پھرنا نہیں ہوتا اور نہ ہی کلام جبکہ طواف میں چلنا ہے اور کلام کی اجازت ہے مگر کلام خیر ہو، نماز اور طواف دونوں میں صرف یہی فرق ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَجَرِ الأَسْوَدِ باب بلا ترجمہ

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَجَرِ وَاللّٰہِ لَيَبْعَثَنَّهُ اللّٰہُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهِ يَشْهَدُ عَلَى مَنْ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حجر اسود کی فضیلت میں قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اللہ تعالیٰ اس کو اُٹھائے گا قیامت کے دن اور اس کی دو آنکھیں ہوں گی کہ دیکھے گا ان سے ایک زبان ہوگی کہ بولے گا اس سے گواہی دے گا اس کے ایمان کی جس نے بوسہ دیا ہے اس کو اللہ کے واسطے۔

تشریح حاصل یہ کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت حجر اسود کو دو آنکھیں اور زبان دے دیں گے جس سے وہ گواہی دے گا کہ کس نے اس کو حق کے ساتھ چھوا۔

باب بلا ترجمہ

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدَّهِنُ بِالزَّيْتِ وَهُوَ مُحْرِمٌ غَيْرِ الْمُقَتَّتِ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیل لگاتے تھے احرام میں اور وہ غیر مقتت (یعنی بغیر خوشبو والا زیتون کا تیل) تھا۔

تشریح احرام کی حالت میں خوشبودار تیل، بالاجماع جائز نہیں۔

مسئلہ اختلافی: اس میں اختلاف ہے کہ سادہ تیل استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے ہاں لا یجوز۔

قول ثانی: شوافع فرماتے ہیں کہ اس کو استعمال کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ سر کے بال اور داڑھی کے بالوں کے ماسواء استعمال کیا جائے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سادہ تیل استعمال کرتے تھے تو شوافع کے نزدیک تو جواب آسان ہے کہ سر اور داڑھی کے ماسواء استعمال کرتے تھے۔

احناف کی طرف سے جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضرورت کی وجہ سے استعمال کیا۔

سوال: اس سے کفارہ لازم آتا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفارہ تو ادا نہیں کیا۔

جواب (۱): عدم ذکر سے عدم وجود لازم نہیں آتا۔

جواب (۲): یہ حدیث سنداً کمزور ہے خود امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں "فرقد السبخی" ضعیف ہیں، باقی اس کو استعمال کرنا اس لیے جائز نہیں کہ یہ خوشبوؤں کی اصل ہے۔

باب بلا ترجمہ

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تَحْمِلُ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ وَتُخْبِرُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَحْمِلُهُ

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اُٹھاتی تھیں آبِ زم زم کو یعنی اپنے ساتھ لے جاتی تھیں تبرکاً اور خبر دیتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُٹھاتے تھے۔

تشریح: زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے کہ زمزم کے پانی کو دوسرے علاقوں کی طرف منتقل کرنا سنت ہے۔

زمزم کی وجہ تسمیہ

اس کی دو وجہ تسمیہ ہیں۔ ایک یہ کہ زمزم کا معنی ہے کثرت۔ اس کنوئیں میں کثیر پانی کی وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ زمزم کا معنی ہے باندھنا اور روکنا۔ جب یہ چشمہ پھوٹا تھا اس وقت حضرت ہاجرہ علیہ السلام نے پانی کو جمع رکھنے اور ضائع ہوجانے سے محفوظ رکھنے کے لیے مٹی سے رُکاوٹ قائم کی تھی۔ اس لیے اس کو زم زم کہتے ہیں۔

زمزم پینے کا ادب:

ماءِ زمزم پینے کا ادب یہ ہے کہ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے دائیں ہاتھ سے تین سانس میں پیا جائے، ہر دفعہ کے آغاز میں بسم اللہ پڑھی جائے، سانس لینے پر ہر مرتبہ الحمد للہ کہا جائے، اچھی طرح پیٹ بھر کر پیا جائے اور آخر میں یہ دُعا پڑھی جائے۔

"اللّٰھمّ انی اسئلک علمًا نافعا و رزقا واسعا و شفاء من کل داء"

سوال: کیا زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے یا مستحب؟

جواب: راجح قول یہ ہے کہ زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا صرف جائز ہے مستحب نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کھڑے ہو کر پیا تھا بیانِ جواز یا عذر کی وجہ سے تھا۔

زمزم کے پینے کی دُعا:

"اللّٰھم انی اسئلک علمًا نافعا و رزقًا واسعًا و شفاءً من کل داءٍ"

مسئلہ: زمزم کے پانی سے غسل کرنا بہتر نہیں۔ اگر بدن پاک ہو اور بطور برکت کے حصول کے لیے غسل کرے یا وضو

کرے تو جائز ہے۔ محققین کے نزدیک بے وضو آدمی اس پانی سے وضو کرسکتا ہے اور البتہ جنبی آدمی کو اس سے غسل نہیں کرنا چاہیے۔ زمزم سے استنجاء کرنا یا بدن کے کسی حصے سے نجاست حقیقیہ کو دور کرنا حرام و مکروہ ہے۔

باب بلا ترجمہ

عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ حَدِّثْنِي بِشَيْءٍ عَقَلْتَهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ قَالَ بِمِنًى. قَالَ قُلْتُ فَأَيْنَ صَلَّى الْعَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ قَالَ بِالْأَبْطَحِ ثُمَّ قَالَ افْعَلْ كَمَا يَفْعَلُ أُمَرَاؤُكَ.

ترجمہ حضرت عبدالعزیز بن رفیع سے روایت ہے کہ کہا میں نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرو مجھ سے جو یاد کیا ہو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو ظہر کہاں پڑھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھویں تاریخ ذی الحجہ کے کہا انس نے منیٰ میں، پھر کہا میں نے عصر کہاں پڑھی آپ نے جس دن کوچ کیا مکے سے کہا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابطح میں اور تحقیق اوپر گزری۔ پھر کہا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تم وہاں نماز پڑھو جہاں پڑھیں تمہارے امیر الحاج یعنی یہ دونوں نمازیں دونوں مقاموں میں پڑھنا کچھ مناسک حج میں داخل نہیں۔

تشریح یوم الترویہ آٹھویں ذی الحجہ کو کہتے ہیں اور یوم النفر ایام تشریق کے تیسرے دن کو کہتے ہیں یعنی تیرہویں ذی الحجہ کو۔ آٹھ ذی الحجہ کو ترویہ اس وجہ سے کہتے ہیں ترویہ کے معنی سیراب کرنے کے ہیں چونکہ لوگ اس دن اپنے اپنے اونٹوں کو پانی پلا کر سیراب کردیتے تھے تاکہ اگلے روز یوم عرفہ کے سفر میں سہولت رہے۔ باقی حدیث کے آخر میں فرمایا جیسے تمہارے حکام کریں، اسی طرح تم کرو، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں حجاج بن یوسف وغیرہ ظالم حکمران مسلط ہو چکے تھے اور بہت سے کام خلاف سخت کرتے تھے، اس پر مخالفت کا شبہ ہو جاتا اور طرح طرح کی تکالیف کا خطرہ ہو جاتا، اس لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا۔

أَبْوَابُ الْجَنَائِزِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جنازے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث کے ابواب

تشریح ابواب الحج کے بعد ابواب الجنائز لائے، اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ اے حاجی تیری زندگی حج کرنے کے بعد میت بدست زندہ ہونی چاہیے، اپنے اختیار سے کچھ نہ کرو یا پھر اس بات کی طرف اشارہ ہے ارکانِ اربعہ کی ذاتی تاثیر دخول جنت ہے اور دخول جب ہوگا جب موت آئے گی اور نماز جنازہ موت کے مقدمات سے احکام میں سے نماز جنازہ ہے۔

قولہ الجنائز: جنائز جمع ہے جنازہ کی، جنازہ میت کو بھی کہتے ہیں اور وہ چارپائی جس پر میت اُٹھاتے ہیں اس میں فتحہ جیم بھی جائز ہے اور کسرہ بھی فقیہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے جنازہ "بفتح و کسر" جیم کا فرق پوچھا گیا تو فرمایا "العالی للعالی والسافل للسافل وھذا من لطائف الاجوبہ" مقصد یہ ہے کہ میت کے لیے بفتحہ اور چارپائی کیلئے بکسرہ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ الْمَرَضِ بیاری کے ثواب سے متعلق

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ شَوْكَةٌ فَمَا فَوْقَهَا إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں پہنچتی ہے مؤمن کو کوئی تکلیف ایک کانٹا ہو یا اس سے بڑھ کر مگر بلند کرتا ہے اللہ اس کا ایک درجہ اور گھٹاتا ہے اس سے ایک گناہ۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ شَيْءٍ يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا حَزَنٍ وَلَا وَصَبٍ حَتَّى الْهَمِّ يُهِمُّهُ إِلَّا يُكَفِّرُ اللهُ بِهِ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ.

ترجمہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ نہیں پہنچتا مؤمن کو درد یا غم یا دُکھ یہاں تک کہ فکر بھی کہ اس کو پریشان کرے مگر اُتار (مٹا) دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے گناہ کے۔

تشریح پہلے باب میں ہی مریض کا ثواب ذکر کر دیا تو اصل بات یہ ہے کہ عموماً مرض وغیرہ موت کے مقدمات میں سے ہے۔ اس لیے مریض کے متعلق پہلا باب قائم کیا۔ باب کی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اہل ایمان کے لیے تکلیف باعث اجر اور برکت ہے۔

"نصب، وصب، حزن، ہم" نصب اور وصب میں فرق۔

(۱) نصب مطلق تکلیف خواہ عبادت بجالانے کی وجہ سے ہو اور بیماری کی وجہ سے جو تکلیف ہے اس کو وصب کہتے ہیں۔

(۲) نصب کہا جاتا ہے زخموں کی تکلیف کو اور وصب جو دائمی بیماری کی وجہ سے ہو۔

باقی حزن اور "ھم، ھمّ" کا تعلق ہوتا ہے مستقبل کے ساتھ، مستقبل میں کسی خیر کے فوت ہونے کے اندیشہ سے جو فکر ہوتی ہے اس کو ہم کہتے ہیں اور زمانہ ماضی میں کسی خیر کے فوت ہونے پر جو تکلیف ہو وہ حزن ہوتی ہے اور ایک لفظ ہے غم ایسی پریشانی جو انسان کو مدہوش کر دے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عِيَادَةِ الْمَرِيضِ مریض کی عیادت کرنا

عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا عَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِي خُرْفَةِ الْجَنَّةِ

ترجمہ حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، البتہ مسلمان جب تک عیادت کرتا ہے اپنے بھائی مسلمان کی برابر چنتا رہا ہے کھجوریں جنت کی۔

عَنْ ثُوَيْرٍ هُوَ ابْنُ أَبِي فَاخِتَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَخَذَ عَلِيٌّ بِيَدِي قَالَ انْطَلِقْ بِنَا إِلَى الْحَسَنِ نَعُودُهُ فَوَجَدْنَا عِنْدَهُ أَبَا مُوسَى، فَقَالَ عَلِيٌّ أَعَائِدًا جِئْتَ يَا أَبَا مُوسَى أَمْ زَائِرًا فَقَالَ لَا بَلْ عَائِدًا فَقَالَ

عَلِيٌّ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَعُودُ مُسْلِمًا غُدْوَةً إِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُمْسِيَ وَإِنْ عَادَهُ عَشِيَّةً إِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُصْبِحَ وَكَانَ لَهُ خَرِيفٌ فِي الْجَنَّةِ.

ترجمہ حضرت ثُویر سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا پکڑا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرا ہاتھ اور کہا چلو ہمارے ساتھ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت کریں سو پایا ہم نے ان کے پاس ابوموسیٰ کو اور کہا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تم عیادت کو آئے ہوا اے ابوموسیٰ یا زیارت کو؟ کہا انہوں نے میں عیادت کو آیا ہوں تو کہا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ عیادت کرے کسی مسلمان کی دن کے شروع میں مگر مغفرت مانگتے رہتے ہیں اس کے لیے ستر ہزار فرشتے شام تک اور اگر عیادت کرے اوّل شب میں تو مغفرت مانگتے رہتے ہیں اس کے لیے ستر ہزار فرشتے صبح تک اور ہوگا اس کے لیے ایک باغ جنت میں۔

تشریح حدیث میں ہے کہ "العيادة فواق الناقة" فُواق، اونٹنی کے پہلی اور دوسری دفعہ دودھ دوہنے کے درمیانی وقفہ کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عیادت مختصر ہونی چاہیے تاکہ مریض طویل گفتگو اور طویل جلوس سے اُکتا نہ جائے، الا یہ کہ مریض بیٹھنے پر اصرار کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو مریض کی پریشانی پر ہاتھ رکھ کر یہ دُعا پڑھتے۔ "لا بأس طهور ان شاء الله في خرفة الجنة" وہ لگا رہتا ہے جنت کے باغوں سے پھلوں کو چننے میں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ التَّمَنِّي لِلْمَوْتِ موت کی آرزو کرنا منع ہے

عَنْ حَارِثَةَ بْنِ مُضَرِّبٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى خَبَّابٍ وَقَدِ اكْتَوَى فِي بَطْنِهِ فَقَالَ مَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ مِنَ الْبَلَاءِ مَا لَقِيتُ لَقَدْ كُنْتُ وَمَا أَجِدُ دِرْهَمًا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي نَاحِيَةٍ مِنْ بَيْتِي أَرْبَعُونَ أَلْفًا وَلَوْلَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا أَوْ نَهَى أَنْ نَتَمَنَّى الْمَوْتَ لَتَمَنَّيْتُ.

ترجمہ حضرت حارثہ بن مضرب سے روایت ہے کہ گیا میں خباب کے پاس اور انہوں نے داغ دیئے تھے اپنے پیٹ میں یعنی کسی بیماری کے سبب سے سو فرمایا خباب نے میں کسی کو نہیں جانتا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں رضی اللہ عنہم میں سے کہ اس پر آئی ہوں بلائیں جیسی مجھ پر آئیں اور میں تھا زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں پاتا تھا ایک درہم اور اب میرے گھر کے کونے میں چالیس ہزار درہم ہیں اور اگر منع نہ کیا ہوتا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی آرزو کرنے سے تو البتہ میں آرزو کرتا یعنی روپے پیسے کے بہت ہونے کے ڈر سے آرزو موت کی کرتا اور یہ ان کا کمالِ زہد تھا۔

تشریح مسئلہ اختلافی: موت کی تمنا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دونوں قسم کی روایات ہیں جواز اور عدم جواز دونوں کی لیکن قول فیصل یہ ہے کہ دُنیاوی مصائب کی وجہ سے موت کی تمنا جائز نہیں اور اگر تمنا ہو شوق الی لقاء اللہ یا اپنے دین کی حفاظت کے لیے تو پھر جائز ہے۔ "حدّثنا عبد بن بشار" دونوں حدیثوں میں مناسبت یہ ہے کہ ابتداء حدیث میں ابتلاء جسمانی اور آخر حدیث میں وسعت مالی کی تکلیف ہے۔ "وقد اکتوی" زیر بحث باب کی روایت میں "علاج بالکئی" کا ذکر ہے۔

زیر بحث باب کی روایت سے "علاج بالکئی" کا جواز ثابت ہوتا ہے حالانکہ دیگر کئی روایات سے "علاج بالکئی" کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً بخاری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے "وفیہ وانھی أمتی عن الکئی" بظاہر تعارض ہے۔

جواب (۱): نہی والی تمام روایات منسوخ ہیں اور یہ ممانعت ابتداء اسلام میں تھی جبکہ لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ شفاء صرف "علاج بالکئی" میں ہے اور یا اس کو سبب شفاء سمجھنے کے بجائے خود شافی سمجھتے تھے۔ جب لوگ راسخ العقیدہ ہو گئے تو علاج بالکئی کی اجازت دے دی گئی۔

جواب (۲): اگر "علاج بالکئی" صحیح عقیدہ کے ساتھ ہو تو پھر جائز ہے۔ جواز والی تمام روایات اسی پر محمول ہیں اور اگر برے عقیدہ کے ساتھ ہو تو پھر نا جائز ہے۔ نہی والی تمام روایات اسی پر محمول ہیں۔

جواب (۳): نہی والی تمام روایات کراہت تنزیہی پر محمول ہیں۔ اس لیے کہ لوگ علاج بالکئی میں تعمق اختیار کرتے تھے اور یہ توکل کے خلاف ہے کیوں کہ اہل عرب کہتے تھے "اخر الدواء الکئی" اور بعض اوقات تعمق کی وجہ سے تکلیف زیادہ ہوتی اور شفاء امر موہوم ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ضرورت شدیدہ کے بغیر "علاج بالکئی" جائز نہیں۔ موجودہ دور میں آپریشن بھی "علاج بالکئی" کے درجہ میں ہے، ضرورت شدیدہ کے بغیر جائز نہیں۔

"قولہ لضر نزل بہ" اس سے اس اعتراض کا خاتمہ ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے موت کی تمنا کی تھی جیسے امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ کیونکہ وہ اللہ کی ملاقات کیلئے موت کی تمنا کرتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّعَوُّذِ لِلْمَرِيضِ مریض کے لیے دُعا (دم) سے متعلق

عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ جِبْرِيلَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اشْتَكَيْتَ قَالَ نَعَمْ قَالَ بِاسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ وَعَيْنٍ حَاسِدَةٍ بِاسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ وَاللّٰهُ يَشْفِيكَ.

ترجمہ حضرت ابی سعید سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور کہا یا محمد! کیا تم بیمار ہو گئے؟ تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں تو پڑھی جبرئیل علیہ السلام نے یہ دُعا بسم اللہ سے آخر تک اور معنی اس کے یہ ہیں: اللہ کے نام سے جھاڑتا ہوں میں تجھ سے وہ چیز جو تجھے تکلیف دے اور جھاڑتا ہوں فساد ہر ناپاک

ذات کا اور حاسد کی نظر یعنی ٹوک کا اللہ کے نام سے جھاڑتا ہوں میں تجھ کو اور اللہ شفا دے تجھ کو۔

عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَ ثَابِتٌ عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَقَالَ ثَابِتٌ يَا أَبَا حَمْزَةَ اشْتَكَيْتُ فَقَالَ أَنَسٌ أَفَلَا أَرْقِيكَ بِرُقْيَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ بَلَى قَالَ اللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ مُذْهِبَ الْبَاسِ اشْفِ أَنْتَ الشَّافِي، لَا شَافِيَ إِلَّا أَنْتَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا.

ترجمہ حضرت عبدالعزیز بن صہیب سے روایت ہے کہ داخل ہوا میں اور ثابت بنانی انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تو کہا ثابت نے اے ابا حمزہ! میں بیمار ہوا سو کہا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا نہ پھونکوں میں تم پر دُعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہا انہوں نے ضرور پھونکئے تو پڑھا انس نے اللھم سے اخیر تک اور معنی اس کے یہ ہیں کہ اے اللہ! آدمیوں کے پالنے والے بیماریوں کے دُور کرنے والے شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے کوئی شفا دینے والا نہیں مگر تو ایسی شفا دے کہ باقی نہ چھوڑے کوئی بیماری۔

تشریح مسئلہ، مریض کے لیے دوائی استعمال کرنا جائز ہے، اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) ظاہری دوا (۲) روحانی دوا جیسے دم کرنا۔تعویذ کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ اگر تعویذ کے الفاظ ایسے واضح ہیں جو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں تو ان کا تعویذ بنانا جائز ہے۔عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں منقول ہے کہ وہ اپنے بچوں کو حدیث کے کلمات سکھاتے تھے اور جو بچے نہیں سیکھ سکتے تھے ان کے گلے میں وہ الفاظ لکھ کر لٹکا دیتے تھے۔فتح المجید شرح کتاب التوحید میں لکھا ہے کہ کئی صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ جائز ہے۔البتہ جو الفاظ منقول نہیں ہیں اور شرکیہ ہیں تو ان کا تعویذ بنانا جائز نہیں۔باقی تعویذ پر اجرت لینا بھی جائز ہے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق باب قائم کیا ہے کہ قرآن کریم بطور علاج ہو تو اس پر اُجرت لینا جائز ہے۔جیسا کہ حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دم کر کے بکریاں لی تھیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَثِّ عَلَى الْوَصِيَّةِ وصیت کی ترغیب

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ وَ لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ إِلَّا وَ وَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ضرور ہے ہر مسلمان کو کہ نہ گزریں اس پر دو راتیں اور اس کو کسی چیز کی وصیت کرنا ہے یعنی قرض یا امانت وغیرہ کی مگر وصیت اس کی لکھی رہے اس کے پاس۔

تشریح قول اوّل: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ آئمہ اربعہ جمہور فقہاء و محدثین فرماتے ہیں کہ وصیت مستحب ہے، اگر کوئی شخص قرض لینے والا یا دینے والا ہے تو پھر وصیت واجب ہے کیونکہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔

قول ثانی: داؤد ظاہری کے نزدیک وصیت واجب ہے۔

ان کا استدلال: اللہ تعالیٰ کے فرمان ”کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا ن الوصیة للوالدین والاقربین بالمعروف“

دوسری دلیل: حدیث الباب بھی ان کا مستدل ہے۔

جوابات: پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جمہور حضرات کے نزدیک یہ منسوخ ہے کیوں کہ میراث کا حکم نازل ہونے سے پہلے وصیت واجب تھی۔ جب میراث کا حکم آ گیا تو وصیت کی ضرورت باقی نہ رہی، منسوخ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں والدین کے لیے وصیت کا حکم ہے حالانکہ والدین کے لیے بالاجماع وصیت جائز نہیں کیونکہ یہ ورثاء میں داخل ہیں، اس کی تائید ابو داؤد میں ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ ”لا وصیة لوارث“......حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم اس شخص کے ساتھ خاص ہے، اگر وصیت کا حکم واجب ہوتا تو اس کو ارادے کے ساتھ مقید نہ کیا جاتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَصِيَّةِ بِالثُّلُثِ وَالرُّبعِ تہائی یا چوتھائی مال کی وصیت کرنا

عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ عَادَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مَرِيضٌ، فَقَالَ أَوْصَيْتَ، قُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِكَمْ، قُلْتُ بِمَالِي كُلِّهِ فِي سَبِيلِ اللهِ قَالَ فَمَا تَرَكْتَ لِوَلَدِكَ، قُلْتُ هُمْ أَغْنِيَاءُ بِخَيْرٍ، قَالَ أَوْصِ بِالْعُشْرِ فَمَا زِلْتُ أُنَاقِصُهُ حَتَّى قَالَ أَوْصِ بِالثُّلُثِ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ قَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَنَحْنُ نَسْتَحِبُّ أَنْ يَنْقُصَ مِنَ الثُّلُثِ، لِقَوْلِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ

ترجمہ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بیمار پرسی کو آئے میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میں بیمار تھا سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم نے وصیت کی؟ میں نے کہا ہاں! پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے مال کی وصیت کی؟ کہا میں نے سب مال کی کہ خرچ کیا جائے اللہ کی راہ میں یعنی جہاد میں پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا چھوڑا تم نے اپنی اولاد کے لیے؟ میں نے کہا وہ امیر ہیں مال والے تو فرمایا وصیت کرو مال کے دسویں حصہ کی یعنی نو حصے اولاد کے لیے چھوڑ دو کہا انہوں نے میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کو تھوڑا سمجھتا رہا یعنی کہتا رہا اللہ کی راہ میں اور مال بھی دینا چاہیے اتنے میں کیا ہوگا؟ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وصیت کر تو تہائی مال کی یعنی دو حصے اپنی اولاد کے لیے چھوڑ جا اور تہائی بہت ہے۔ ابو عبد الرحمن نے کہا ہم مستحب جانتے ہیں کہ تہائی مال میں سے بھی کچھ کم میں وصیت کرے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تہائی بہت ہے یعنی ثلث سے کچھ کم ہی وصیت میں دینا چاہیے۔

تشریح **مسئلہ اختلافی:** ثلث مال میں وصیت کے جواز و عدم جواز کا حکم

جمہور کے نزدیک مال کے ثلث میں وصیت جائز ہے اس سے زائد میں جائز نہیں۔ الا یہ کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا شخص ہو جس کا کوئی وارث نہ ہو یا ورثاء سب بالغ اور راضی ہیں تو پھر ثلث مال سے زائد میں بھی وصیت جائز ہے۔ ثلث میں وصیت جائز تو ہے مگر بہتر یہ ہے کہ ثلث سے کم میں وصیت کرے۔ ثلث سے زائد کی وصیت ورثاء اگر اجازت دیں تو نافذ ہوتی ہے یا نہیں۔ احناف کے ہاں نافذ ہو جائے گی۔ دیگر آئمہ کے ہاں سرے سے نافذ ہی نہیں ہوگی۔ "من اوصی بالثلث فلم یترک شیئا" اگر ثلث سے کم وصیت کی تو ورثاء پر تبرع کیا لیکن اگر پورے ثلث کی وصیت کر دی تو ورثاء پر کوئی تبرع نہیں حالانکہ اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ ثلث سے کم وصیت کرے۔

"قوله والثلث كثير" اس کے تین مطلب بیان کیے ہیں۔ (۱) ثلث وصیت کا وہ انتہائی درجہ ہے جو جائز ہے لیکن بہتر ہے کہ اس سے کم کیا جائے۔ (۲) تہائی کی وصیت یا تہائی کا صدقہ بھی اکمل ہے یعنی کثیر اجرہ۔ (۳) ثلث بھی کثیر ہے قلیل نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَلْقِينِ الْمَرِيضِ عِنْدَ الْمَوْتِ، وَالدُّعَاءِ لَهُ عِنْدَهُ

حالت نزع میں مریض کو تلقین کرنا اور اس کے لیے دُعا کرنا

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ.

ترجمہ حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سکھاؤ اپنے لوگوں کو جو نزع میں ہوں لا الٰہ الا اللہ یعنی کوئی معبود نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِيضَ أَوِ الْمَيِّتَ فَقُولُوا خَيْرًا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُونَ عَلَى مَا تَقُولُونَ. قَالَتْ فَلَمَّا مَاتَ أَبُو سَلَمَةَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَبَا سَلَمَةَ مَاتَ قَالَ فَقُولِي اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَلَهُ وَأَعْقِبْنِي مِنْهُ عُقْبَى حَسَنَةً، قَالَتْ فَقُلْتُ فَأَعْقَبَنِي اللهُ مِنْهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ حضرت اُم سلمہ سے روایت ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آؤ تم مریض یا مُردے کے پاس تو اچھی دُعا کرو اس لیے کہ فرشتے اس وقت آمین کہتے ہیں تمہاری دُعا پر کہا اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے پھر جب وفات پائی ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے یعنی ان کے شوہر نے تو آئی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور عرض کیا میں نے کہ یا رسول اللہ! ابا سلمہ نے انتقال فرمایا تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا پڑھ: اللهم سے حسنه تک اور معنی اس کے یہ ہیں کہ یا اللہ! بخش دے مجھ کو اور اس کو یعنی شوہر کو اور اس کے بدلے میں مجھے اس سے بہتر عنایت کر کہا اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے پھر جب میں نے یہ دُعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے بہتر شوہر دیا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سا شوہر ملا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے دُعا قبول کی۔

تشریح تلقین کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: "مَوْتَاکُمْ" مراد قریب الموت۔ لا الٰہ الا اللہ ذکر الکل وارادۃ الجزء، باقی تلقین کا طریقہ یہ ہے کہ قریب الموت کے پاس بیٹھ کر آہستہ آہستہ آواز میں کلمہ پڑھا جائے، اگر وہ ایک مرتبہ پڑھ لے تو پھر تکرار نہ کیا جائے یعنی خاموش رہنا چاہیے۔ نیز میت کو تھوڑا تھوڑا پانی بھی پلاتے رہنا چاہیے اس لیے کہ اس کو پیاس بہت لگتی ہے اور سامنے شیطان پیالہ لے کر کھڑا رہتا ہے اور کہتا ہے میری بات مان لے، میں تجھ کو پانی پلاتا ہوں۔ "اذا حضرتم المریض او المیت فقولوا خیرًا" مریض کے پاس بیٹھ کر کلمہ خیر کا مطلب یہ ہے کہ اس کو صحت کی اُمید دلائی جائے اور میت کے پاس کلمہ خیر کا مطلب یہ ہے کہ اس کے محاسن کو بیان کیا جائے۔ باقی لا الٰہ الا اللہ کا تلفظ ضروری نہیں ہے عقیدہ ضروری ہے اور اگر تلفظ بھی ہو جائے تو سونے پر سہاگہ ہے۔

(۲) تلقین عند القبر: دوسری قسم ہے "تلقین بعد الوفات عند القبر" کہ قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات پڑھنا اور پاؤں کی جانب کھڑے ہو کر سورۂ بقرہ کی آخری آیات "امن الرسول الخ" سے آخر تک پڑھنا۔

(۳) "تلقین فی القبر" اس کی صورت یہ ہے کہ دفن کے بعد جب عام آدمی چلے جائیں تو کچھ خاص خاص آدمی تین مرتبہ یہ کہیں کہ اے فلاں بن فلاں کہو لا الٰہ الا اللہ، پھر تین مرتبہ کہیں اے فلاں کہہ دو کہ میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے اور ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس تلقین کے متعلق علماء کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے منع کیا جائے کیونکہ یہ مکروہ ہے، اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے کہ مرنے والا دو حال سے خالی نہیں، مؤمن ہوگا یا کافر۔ اگر مؤمن ہے تو اس کی ضرورت کوئی نہیں۔ اگر کافر ہے تو تلقین کا فائدہ کوئی نہیں اور یہی قول جمہور محققین کا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جو لوگ اس کو کرتے ہیں ان کو منع نہ کیا جائے اور جو نہیں کرتے ان کو ہدایت نہ کی جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ عِنْدَ الْمَوْتِ موت کی سختی سے متعلق

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْمَوْتِ وَعِنْدَهُ قَدَحٌ فِيهِ مَاءٌ وَهُوَ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي الْقَدَحِ ثُمَّ يَمْسَحُ وَجْهَهُ بِالْمَاءِ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى غَمَرَاتِ الْمَوْتِ أَوْ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب وفات کے کہ ان کے پاس ایک پیالہ تھا پانی کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ ڈالتے تھے اس پیالہ میں اور ملتے تھے اپنے منہ پر پانی پھر فرماتے تھے اللھم سے آخر تک یعنی یا اللہ! مدد کر میری سختیوں پر موت کی اور تکلیفوں پر موت کی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا أَغْبِطُ أَحَدًا بِهَوْنِ مَوْتٍ بَعْدَ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں کسی کی آسانی سے جان نکلنے کو دیکھ کر آرزو نہیں کرتی جیسی دیکھی ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی شدت۔

تشریح روایات میں تعارض: حدیث شریف میں ہے "ما اغبط احد بھون موت بعض الذی رأیت من شدة موت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت کی شدت کو دیکھنے کے بعد کسی کی موت مشکل نہیں دکھائی دی جبکہ ایک حدیث میں ہے کہ مؤمن کی روح بہت آسانی سے نکل جاتی ہے۔ جواب: مؤمن مرض کی شدت میں مبتلا کیا جاتا ہے لیکن اس کی روح آسانی کے ساتھ نکل جاتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بھی مرض کی شدت تھی نہ کہ موت کی شدت۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمُؤْمِنَ يَمُوتُ بِعَرَقِ الْجَبِينِ باب بلاعنوان

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ يَمُوتُ بِعَرَقِ الْجَبِينِ

ترجمہ حضرت عبداللہ بن بریدہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن مرتا ہے پیشانی کے پسینے کے ساتھ۔ یعنی جب مرتا ہے تو شدت سکرات سے پسینہ آ جاتا ہے اور یہ کنایہ ہے فقط شدت سے خواہ پسینہ آئے یا نہ آئے۔

تشریح المومن یموت بعرق الجبین کی مختلف تشریحات

مطلب اوّل: مؤمن آدمی پسینے کے ساتھ مرتا ہے یعنی موت کے وقت پیشانی پر پسینے کا آ جانا مؤمن ہونے کی نشانی ہے اور یہ علامت غیر قیاسی ہے، اگر آ جائے تو حسن ظن اور اگر نہ آئے تو سوء ظن نہیں رکھنا چاہیے۔

مطلب ثانی: یہ کنایہ ہے تشدید سے کہ موت اتنی سخت ہے مرنے والا پسینہ پسینہ ہو جاتا ہے۔

مطلب ثالث: یہ کنایہ ہے سہولت سے یعنی موت کے وقت مؤمن کو زیادہ سے زیادہ پسینہ آتا ہے۔

سوال: یہ تو پہلے باب کے خلاف ہو گیا کیونکہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تکلیف ہوتی ہے؟

جواب: خروج روح سے پہلے تکلیف ہو اور بعینہ خروج روح کے وقت آسانی ہو جائے تو دونوں میں کوئی منافات نہیں۔

مطلب رابع: یہ کنایہ ہے جہد فی العمل سے اور رزق حلال کی طلب میں لگے رہنے سے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص ہر وقت پسینہ پسینہ رہتا ہے یعنی وہ ہر وقت کام کاج میں لگا رہتا ہے اور مؤمن آدمی رزق حلال اور عمل صالح میں لگا رہتا ہے کہ اسے موت آ جاتی ہے۔

مطلب خامس: مؤمن کو موت کے وقت پسینہ آ جاتا ہے ندامت کی وجہ سے کہ جب فرشتے حسین شکل میں اس کے سامنے عالم آخرت کو منکشف کرتے ہیں تو یہ سوچتا ہے کہ میرے اللہ نے مجھ پر کتنے انعامات کیے ہیں اور ادھر میری کوتاہیاں ہیں، پس اس ندامت کی وجہ سے پسینہ آ جاتا ہے۔

باب بلا ترجمہ

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى شَابٍّ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ فَقَالَ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَ وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَرْجُو اللهَ وَإِنِّي أَخَافُ ذُنُوبِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ فِي مِثْلِ هَذَا الْمَوْطِنِ إِلَّا أَعْطَاهُ اللهُ مَا يَرْجُو وَآمَنَهُ مِمَّا يَخَافُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے ایک جوان کے پاس اور وہ سکراتِ موت میں تھا تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حال ہے تیرا؟ اس نے کہا قسم ہے اللہ کی یا رسول اللہ! میں اُمید رکھتا ہوں اللہ سے یعنی رحمت اور مغفرت کی اور ڈرتا ہوں اپنے گناہوں سے سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں جمع ہوتیں کسی بندے کے دِل میں یہ دونوں چیزیں یعنی اُمید اور خوف ایسے وقت میں یعنی وقت موت میں مگر اللہ دیتا ہے اس کو جس کی اُمید رکھتا ہے یعنی رحمت اور مغفرت اور بچاتا ہے اس سے جس سے ڈرتا ہے یعنی عذاب سے۔

تشریح: "قولہ کیف تجدک" وجدان، افعال قلوب میں سے ہے اور افعال قلوب کا خاصہ یہ ہے کہ فاعل اور مفعول میں اتحاد ہوتا ہے بخلاف افعال قلوب کے غیر کے وہاں فاعل الگ اور مفعول الگ ہوتا ہے۔ "انی ارجو اللہ و انی اخاف ذنوبی" اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان خوف اور رجاء کے درمیان ہوتا ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف تبشیر یا صرف انداز سے کام نہیں لیا بلکہ دونوں کو ذکر کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّعْيِ کسی کی موت کی خبر کا اعلان کرنا مکروہ ہے

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ إِذَا مِتُّ فَلَا تُؤْذِنُوا بِي إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَكُونَ نَعْيًا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنِ النَّعْيِ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہا انہوں نے جب مروں میں تو نہ خبر کرنا کسی کو اس لیے کہ میں ڈرتا ہوں کہ یہ بھی نعی میں داخل ہو اور میں نے سنا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ منع فرماتے تھے نعی سے اور نعی کہتے ہیں کسی کی موت کے پکارنے کو کہ اس میں بے صبری وغیرہ پائی جاتی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالنَّعْيَ فَإِنَّ النَّعْيَ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ عَبْدُ اللهِ وَالنَّعْيُ أَذَانٌ بِالْمَيِّتِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بچو تم نعی سے اس لیے کہ نعی کفر کے کاموں میں سے ہے کہا عبداللہ نے نعی پکارنا ہے میت کی موت کا یعنی فلاں شخص مر گیا اس کو بآوازِ بلند پکارنا۔

تشریح نعی، موت کی خبر دینا۔ کسی کے مرنے پر لوگوں کو خبر دینا ہے یا نہیں؟ تو دونوں قسم کی حدیثیں ہیں اباحت بھی اور حدیث نہی بھی۔

تطبیق (۱): اگر یہ نعی مقرون بالمنکرات نہ ہو تو پھر جائز ہے اور اگر مقرون بالمنکرات ہو تو پھر جائز نہیں۔

تطبیق (۲): اگر اقارب کو اطلاع دینی مقصود ہو تو پھر جائز ہے اور اگر غیر اقارب کو اطلاع دینی مقصود ہو تو پھر جائز نہیں۔

باقی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا مطلقاً اپنی موت کی خبر دینے سے منع کرنا یہ سد الباب الفساد تھا کمالِ احتیاط کی وجہ سے، جیسے حدیث ہے کہ نجاشی وفات پا گئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موت کی خبر دی مدینہ میں اور مدینہ کے اندر کچھ غرباء صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی موت کی خبر دی۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الصَّبْرَ فِي الصَّدْمَةِ الأُولَى

اصل صبر وہی ہے جو صدمے کے شروع میں ہو

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصَّبْرُ فِي الصَّدْمَةِ الأُولَى.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبر وہی ہے جو مصیبت کے شروع میں ہو یعنی ثواب اسی میں ملتا ہے۔ آخر تو (بعد میں) سب کو صبر (آ ہی) جاتا ہے۔

عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الأُولَى

ترجمہ ثابت بنانی نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبر وہی ہے جو مصیبت کے شروع میں ہو یعنی ثواب اسی میں ملتا ہے۔

تشریح مصیبت جب پیش آئے تو کمال صبر اسی وقت ہوتا ہے ورنہ رفتہ رفتہ صبر پیدا ہو ہی جاتا ہے اور صبر عند المصیبت میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) رضا بالقضاء: یعنی اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو جانا۔ بایں طور کہ اللہ تعالیٰ کو حاکم اور حکیم سمجھنا۔ حاکم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب بادشاہ ہے اس کا فیصلہ ہر حال میں تسلیم کرنا پڑے گا اور حکیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ لازماً اس فیصلہ میں بھی حکمت ہوگی۔

(۲) جزع اختیاری سے اجتناب یعنی جہاں تک بندے کا اختیار اور طاقت ہے۔ اس مصیبت پر بے صبری اور شکوہ کا اظہار نہ کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دلی صدمہ اور تکلیف صبر کے منافی نہیں جیسے بخاری میں روایت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سوال کرنے پر فرمایا: ''ان العین تدمع و القلب یحزن''

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْبِيلِ الْمَيِّتِ میت کو بوسہ دینا

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُونٍ وَهُوَ مَيِّتٌ وَهُوَ يَبْكِي أَوْ قَالَ عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ لیا عثمان بن مظعون کا اور وہ وفات پاچکے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم روتے تھے یا کہا راوی نے کہ آنکھیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنسو بہاتی تھیں۔

تشریح میت کو بوسہ دینا بالاتفاق جائز ہے

پہلی بات: میت کو چومنا جائز ہے بشرطیکہ یا تو میت کی بزرگی کی بناء پر ہو۔ جیسا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بوسہ لیا یا شدت تعلق کی بناء پر ہو جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بوسہ لیا، یہ آپ کے رضاعی بھائی تھے۔ انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور یہ ان لوگوں میں ہے جنہوں نے زمانہ جاہلیت سے اپنے اوپر شراب کو حرام کردیا تھا۔ مہاجرین میں سب سے پہلے مدینہ میں ہجرت کے تیس ماہ بعد انتقال ہوا اور بقیع میں سب سے پہلے دفن ہونے والے صحابی ہیں۔

دوسری بات: موت سے انسان ناپاک نہیں ہوتا بلکہ پاک رہتا ہے اور غسل برائے طہارت نہیں ہوتا بلکہ برائے نظافت ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي غُسْلِ الْمَيِّتِ میت کو غسل دینا

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ تُوُفِّيَتْ إِحْدَى بَنَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اغْسِلْنَهَا وِتْرًا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ وَاغْسِلْنَهَا بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُورًا أَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُورٍ فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِي فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ فَأَلْقَى إِلَيْنَا حِقْوَهُ فَقَالَ أَشْعِرْنَهَا بِهِ قَالَ هُشَيْمٌ وَفِي حَدِيثِ غَيْرِ هَؤُلَاءِ، وَلَا أَدْرِي وَلَعَلَّ هِشَامًا مِنْهُمْ قَالَتْ وَضَفَرْنَا شَعْرَهَا ثَلَاثَةَ قُرُونٍ. قَالَ هُشَيْمٌ أَظُنُّهُ قَالَ فَأَلْقَيْنَاهُ خَلْفَهَا. قَالَ هُشَيْمٌ فَحَدَّثَنَا خَالِدٌ مِنْ بَيْنِ الْقَوْمِ عَنْ حَفْصَةَ وَمُحَمَّدٍ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ وَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ

ترجمہ حضرت اُم عطیہ سے روایت ہے کہا انہوں نے وفات پائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی نے یعنی زینب نے۔ سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل دو ان کو طاق مرتبہ تین یا پانچ بار یا اس سے زیادہ اگر مناسب دیکھو اور غسل دو ان کو پانی اور بیری کے پتوں سے اور ڈالو اخیر کے پانی میں کافور یا کچھ تھوڑا سا کافور۔ راوی کو شک

ہے کہ کافور فرمایا: "یَا شَیْئًا مِنْ کَافُوْرٍ" فرمایا مطلب دونوں کا ایک ہے پھر جب فارغ ہو جاؤ تم یعنی غسل سے تو مجھ کو خبر دو کہا اُم عطیہ نے جب نہلا چکے ہم خبر دی ہم نے ان کو سو ڈال دیا انہوں نے ہماری طرف اپنے (تہبند) کو اور فرمایا اس کے بدن سے لگا دو اس کو کہا ہشیم نے اور روایت میں اور لوگوں کی اور شاید مجھے معلوم نہیں ہشام بھی انہی میں ہوں، یہ بھی ہے کہ کہا اُم عطیہ نے اور گوندھ دیا ہم نے ان کے بالوں کو تین چوٹیاں کر کے کہا ہشیم نے گمان کرتا ہوں میں کہ یہ بھی کہا راوی نے کہ ڈال دیا ہم نے ان کے بالوں کو ان کے پیچھے کہا ہشیم نے پھر روایت کی ہم سے خالد نے لوگوں کے سامنے حفصہ اور محمد نے اُم عطیہ سے کہ کہا اُم عطیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم سے پہلے ان کے داہنے عضو اور وضو کے اعضاء دھوؤ۔

تشریح پہلی بات: غسل میت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے میت کو استنجاء سمیت وضو کرایا جائے۔ پھر میت کی دائیں جانب سے غسل کی ابتداء کی جائے۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ تین دفع پانی بہائے، پہلی مرتبہ بیری کے پتوں میں اُبالا ہوا پانی استعمال کرے، دوسری دو مرتبہ نظافت کے لیے خالص پانی ڈالے، اگر زیادہ مرتبہ پانی ڈالنے کی ضرورت ہو تو طاق عدد کی رعایت رکھی جائے۔

دوسری بات: احناف کے نزدیک میت کے لٹانے کے دو طریقے مسنون ہیں۔ (۱) سر جنوب کی جانب ہو پاؤں شمال کی طرف ہوں۔ (۲) سر مشرق کی جانب ہو اور قدم قبلہ کی جانب ہو۔ یہ طریقہ زیادہ بہتر ہے۔

تیسری بات: "توفیت احدی بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلّم الخ" بنت سے مراد کون ہیں اس میں دو قول ہیں۔

(۱) زینب رضی اللہ عنہا (۲) اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ بعض محدثین کے حوالے سے منقول ہے کہ دونوں مراد ہو سکتی ہیں کیونکہ اُم عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اکثر غسل دیا کرتی تھیں۔ اس لیے ممکن ہے دونوں کی وفات کے وقت حاضر ہوں۔

اُم عطیہ رضی اللہ عنہا ان صحابیات میں سے ہیں، مرنے والی عورتوں کو غسل دینے میں مہارت رکھتی تھیں۔ "شیئا من کافور" کافور کیڑے مکوڑوں کے لیے دافع ہوتی ہے اسی وجہ سے مواضع سجدات پر کافور لگائی جاتی ہے۔

"وقال مالک بن انس ولیس لغسل المیّت عندنا حذا الخ"

سوال: حدیث میں تو "اغسلنها ثلاثًا" حدیث میں تو حد متعین ہے پھر کیسے امام مالک فرمارہے ہیں کہ "ولیس لغسل المیّت حذ موقت ولیس لذلک صفة معلومة" قال الشافعی رحمہ اللہ سے امام شافعی نے اپنے اُستاد امام مالک کے قول کا جواب دیا کہ ان کے اس قول میں اجمال ہے۔ امام مالک یہ چاہتے ہیں کہ غسل المیّت میں کوئی ایسی مقدار متعین نہیں جو درجہ وجوب ہو، یہ ثلاثًا اور خمسًا کی حد درجہ استحباب میں ہے۔

الحاصل "اغسلنها ثلاثًا او خمسًا" کے دو مدلول ہیں۔ (۱) انقاء المیّت یہ تو واجب ہے۔ عام ہے کہ خالص پانی سے ہو یا بیری کے پتے ملے ہوئے ہوں۔ (۲) ایتار کی رعایت بطور استحباب کے ہے۔ اگر تین سے کم مرتبہ میں انقاء حاصل ہو جائے تو

تیسری مرتبہ مستحب ہے، اگر تین مرتبہ ڈالنے سے انقاء حاصل نہ ہو تو پھر چوتھی مرتبہ ڈالنا واجب ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دیگر فقہاء بھی یہی کہتے ہیں کہ غسل میں "ثلاثًا او خمسًا" یہ بطور استحباب کے ہے اس لیے کہ فقہاء احادیث کے معانی کو بہت زیادہ جاننے والے ہیں بنسبت محدثین کے اور فقہاء میں سب سے بڑے فقیہ امام اعظم ہیں، لہٰذا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے معانی کو بہت زیادہ جاننے والے ہیں۔

عورت کے بال کس طرح رکھے جائیں؟ تو احناف کے ہاں مسنون یہ ہے کہ بالوں کے دو حصے کر کے سینے کے دونوں جانب ڈالے جائیں۔ تین حصے بنا کر ایک حصہ پیٹھ کر طرف رکھنا۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں بلکہ عورتوں نے اپنی رائے سے کیا تھا۔

بَابُ فِي مَا جَاءَ فِي الْمِسْكِ لِلْمَيِّتِ میت کو مشک لگانا

عَنْ أَبِي سَعِيدِنِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْمِسْكِ فَقَالَ هُوَ أَطْيَبُ طِيبِكُمْ

ترجمہ حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا مشک لگانے کو اور اس کے استعمال کو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمہاری سب خوشبوؤں سے بہتر ہے۔

تشریح میت کو مشک لگانا جائز ہے۔ منشاء سوال یہ ہے کہ کستوری بنتی ہے خون سے اور خون تو میت کو لگانا جائز نہیں؟

جواب: ہیئت کے بدل جانے سے حکم تبدیل ہو جاتا ہے یا پھر اس لیے سوال کیا کہ کستوری مائل سیاہی ہوتی ہے اور ایسی چیز کا استعمال تفاؤل کے خلاف ہے، اس کا جواب دیا کہ مسک تفاؤل کے خلاف نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغُسْلِ مِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ میت کو نہلانے کے بعد خود غسل کرنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ غُسْلِهِ الْغُسْلُ وَمِنْ حَمْلِهِ الْوُضُوءُ يَعْنِي الْمَيِّتَ

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہانا چاہیے اس کو جو غسل دے اور وضو کرنا چاہیے جو اُٹھائے اس کو یعنی میت کو۔

تشریح مسئلہ اختلافی: غاسل میت کے لیے غسل کی کیا حیثیت ہے؟ جمہور کے نزدیک غسل کرنا مستحب ہے اس لیے کہ میت کو غسل دینے کی وجہ سے طبیعت میں ایک انقباض پیدا ہو جاتا ہے، اس کو چاہیے کہ غسل کرے تاکہ طبیعت میں انبساط پیدا ہو جائے۔ باقی حدیث میں ہے "من غسله الغسل فليغسل" کے لفظ بھی استحباب پر محمول ہیں۔

قرینہ (۱) حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما "ليس عليكم في ميتكم غسل اذا غسلتموه، رواه البيهقي"

(۲) مشہور واقعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ان کی اہلیہ اسماء بنت عمیس نے غسل دیا تو مہاجرین صحابی رضی اللہ عنہ سے سوال

کیا کہ کیا میں خود غسل کروں حالانکہ سردیوں کا زمانہ تھا تو سب نے کہا کہ تم پر غسل ضروری نہیں، یہ قرینہ ہے اس بات پر کہ جن احادیث میں غاسل کے لیے غسل کا ذکر ہے وہ استحبابی ہے اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں "من غسل بفتح الغین" پڑھنا چاہیے۔ باقی حامل میت کے لیے بھی وضو کا حکم استحبابی ہے تا کہ پہلے سے نماز جنازہ کے لیے تیار رہے یا پھر حمل میت بھی تو عبادت ہے اور ہر عبادت کے لیے بہتر یہ ہے کہ باوضو ہو اور اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ غاسل میت کیلئے غسل ضروری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ يُسْتَحَبُّ مِنَ الأَكْفَانِ کفن کس رنگ کا دینا مستحب ہے؟

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَسُوا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہنو اپنے کپڑوں میں سے جو سفید رنگ ہوں اس لیے کہ وہ سب کپڑوں سے بہتر ہیں اور کفن دو اسی میں اپنے مُردوں کو۔

تشریح: بہترین کفن جو سفید رنگ کا ہو اور حلال مال کا ہو، گراں قیمت کا ہونا ضروری نہیں اور عبداللہ بن مبارک کی رائے یہ ہے کہ آدمی جن کپڑوں میں نماز پڑھتا ہے انہیں میں دفن کر دیا جائے، پھاڑ کر چادریں بنالی جائیں۔

باب بلا ترجمہ

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَلِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحْسِنْ كَفَنَهُ.

ترجمہ: حضرت ابی قتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ولی ہو کوئی تم میں سے اپنے بھائی میت کا تو اچھی طرح کفن دے اس کو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَفَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں کتنے کپڑے تھے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُفِّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ يَمَانِيَةٍ لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ، قَالَ فَذَكَرُوا لِعَائِشَةَ قَوْلَهُمْ فِي ثَوْبَيْنِ وَبُرْدِ حِبَرَةٍ، فَقَالَتْ قَدْ أُتِيَ بِالْبُرْدِ وَلٰكِنَّهُمْ رَدُّوهُ وَلَمْ يُكَفِّنُوهُ فِيهِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کفن دیا گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کپڑوں میں کہ سفید تھے یمن کے نہ اس میں کرتا تھا نہ عمامہ، کہا راوی نے پھر ذکر کیا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہ لوگ کہتے ہیں

کہ کفن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دو کپڑے تھے اور ایک چادر کہ جس میں خط کھینچے ہوئے تھے تو فرمایا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چادر لائے تھے لیکن پھیر دی اور کفن نہ دیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَّنَ حَمْزَةَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فِي نَمِرَةٍ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ.

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفن دیا حمزہ عبدالمطلب کے بیٹے کو ان کی چادر میں ایک کپڑے میں۔

تشریح کفن سنت میں اختلاف ہے۔ کفن دو قسم پر ہے۔ کفن اختیار و کفن اضطرار۔ کفن اضطرار حالت مجبوری میں ہوتا ہے تو اگر انسان کو کپڑا نہ مل سکے اور کسی وجہ سے مجبوری ہو تو جتنا کپڑا مل سکا اور جیسا مل سکا کافی ہے اور کفن اختیار میں بحث ہے کہ اس میں مسنون کیا ہے۔

مذہب اوّل: امام شافعی و احمد کے نزدیک سنت کفن میں تین لفائف ہیں بند قمیص اور بند عمامہ، لفائف سے مراد لمبی چادریں ہیں اور امام مالک کا مذہب بھی یہی ہے لیکن فرماتے ہیں کہ عمامہ بھی سنت ہے، یہ استدلال کرتے ہیں حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فی الباب سے "وفیه کفن النبي في ثلاثه اثواب . . . لیس فیها قمیص ولا عمامة"

مذہب ثانی: امام ابوحنیفہ کے نزدیک مرد کے لیے سنت کفن تین کپڑے ہیں، ازار، لفافہ و قمیص تو احناف کے نزدیک تین کپڑے البتہ تین میں قمیص داخل ہے اور کفن عورت میں سنت پانچ کپڑے، تین کپڑے تو وہی جو احناف و شوافع کی تفسیر کے مطابق ہیں اور چوتھا خمار اور پانچوں سینہ بند چھوٹا سا کپڑا جو سینہ پر ڈال دیا جاتا ہے اور عورت کے حق میں کفن کفایہ تین کپڑے ہیں اور کفن ضرورت جتنا مہیا ہو سکے۔

دلائل احناف دلیل اوّل:

حدیث جابر بن سمرہ ہے "قال کفن رسول اللہ فی ثلاثه اثواب قمیص و ازار و لفافه رواه ابن عدی فی الکامل"

دلیل ثانی: "روی محمد عن ابی حنیفه عن حماد عن ابراهیم النخعی ان النبی کفن فی حلیة الیمانیه وقمیص" اس میں قمیص کی تصریح ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ ابراہیم تابعی ہیں اور مراسیل عندالائمہ حجت ہیں۔

دلیل ثالث: اخرج عبدالرزاق عن الحسن البصری نحوہ۔

دلیل رابع: "روی ابو داؤد عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال کفن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی ثلاث اثواب قمیص مات فیه وحلة النجرانیه" اس میں بھی قمیص کی تصریح ہے۔

دلیل خامس: "عن عبداللہ بن عمرو المیت یقمص اخرجه مالک فی المؤطا" امام شافعی کے نزدیک قمیص سے

مراد قمیص معروف نہیں ہے میت کی قمیص نہ آستین ہوتی ہے اور نہ ہی دخریس (جس پر بٹن لگائے جاتے ہیں) اور نہ سلی ہوئی ہوتی ہے بلکہ کپڑا پھاڑ کر میت کے گلے میں ڈالا جاتا ہے یا بغیر پھاڑنے کے صرف ایک کپڑا ہوتا ہے جس کا نام قمیص ہوتا ہے جو گھٹنوں تک ہوتا ہے کندھوں سے لے کر یا قدمین تک اور یہی صحیح ہے۔

دلیل: شوافع استدلال کرتے ہیں حدیث باب سے جس میں قمیص کی نفی ہے، ہم متعدد جواب دیتے ہیں۔

جواب اوّل: یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے جو ہماری احادیث سے متعارض ہے اور ہماری احادیث راجح ہیں کیونکہ نہی والی حدیثیں قابل تاویل نہیں ہیں، ان میں تصریح ہے وجود قمیص کی بخلاف حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا تو اس میں قمیص کی متعدد تاویلیں جاری ہوسکتی ہیں جن کا بیان آگے آئے گا۔

جواب ثانی: یہ حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے اس کے مقابلے میں ہماری احادیث ہیں کیونکہ ان کے رواۃ رجال ہیں اور کفن نبی کے بارے میں رجال کا علم اقویٰ ہے علم نساء سے کیوں کہ مرد ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفن پہنانے والے ہیں۔ قالہ ابن ہمام۔

جواب ثالث: حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں مطلق قمیص کی نفی نہیں ہے بلکہ قمیص جدید کی نفی ہے یا قمیص منفی سے قمیص غسل مراد ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قمیص کے اندر غسل دیا گیا تھا۔ ”ای یسن القمیص الذی غسل فیه“ یا مفنی قمیص مخیط ہے۔ ”ای یسن فیها القمیص المخیط مکفوف الاطراف“ اور ہم بھی قمیص مخیط کو سنت نہیں کہتے ”فان القمیص المسنون فی الکفن عندنا هو الثوب الذی یکون من اصل العنق للمیت الی قدمیه بلا دخریس و کمین کذافی فتح الملهم، ج: ۲، ص: ۴۸۷“

بصورت تطبیق: جن روایات میں قمیص کا ذکر ہے وہ قمیص غیر معتاد اور جن میں نفی ہے وہ قمیص معتاد کی نفی ہے۔ مالکیہ فرماتے ہیں کہ تین کپڑے شوافع والے چوتھی اور پانچویں عمامہ یہ حدیث مالکیہ کے خلاف جارہی ہے کہ ”لیس فیها قمیص و لا عمامه“ بیان عدد میں شوافع کے موافق ہے اور بیان مصداق میں احناف کے خلاف ہے۔ باقی عمامہ کے بارے میں مبسوط میں لکھا ہے ”کرهها مشائخنا و استحسنها بعض المشائخ لما روی عن ابن عمر کفن ابن واقد فی خمسة اثواب قمیص و عمامه و ثلاث لفائف و ادار العمامة تحت“ حنکہ روی سعید وابن منصور بعض فقہاء احناف لکھتے ہیں کہ عمامہ علماء مشائخ کے لیے مستحب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الطَّعَامِ يُصْنَعُ لِأَهْلِ الْمَيِّتِ اہل میت کے گھر میں کھانا بھیجنا

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ لَمَّا جَاءَ نَعْيُ جَعْفَرٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اصْنَعُوا لِأَهْلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَإِنَّهُ قَدْ جَاءَهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ جب آئی خبر جعفر کی شہادت کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پکاؤ جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا اس لیے کہ ان پر ایسی چیز آئی ہے کہ جس میں وہ مشغول ہیں یعنی رنج وملال۔

تشریح یہ مستحب میں سے ہے کہ میت کے ذی رحم محرم اہل میت کے لیے کھانا تیار کریں اور ان کو کھانے پر آمادہ کریں، اس لیے کہ وہ غم کی وجہ سے نڈھال ہوتے ہیں، کھانا وغیرہ پکانے سے عاجز ہوتے ہیں اور کھانے پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی، اس پر دلیل حدیث الباب ہے۔ باقی یہ انتظام کتنے دن کریں، ایک قول یہ ہے کہ ایک دن کریں اور ایک قول یہ ہے کہ ایام تعزیت یعنی تین دن تک کریں اور موجودہ زمانہ میں معاملہ برعکس ہے کہ اہل میت دعوت کا انتظار کرتے ہیں، یہ انتظام کرنا بدعت ہے اور یہ اس زمانہ کی رسم قبیح ہے۔

اہل بدعت کی دلیل:

یہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک میت کو دفنا کر آرہے ہیں، داعی امرأۃ یعنی میت کی بیوی نے دعوت کی، اس سے معلوم ہوا کہ اہل میت کی دعوت قبول کرنا چاہیے۔

جواب: صحیح لفظ داعی امرأۃ ہے، مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہ نے مختلف کتابوں کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ صحیح لفظ داعی امرأۃ ہے، ضمیر کا الحاق راوی کا تصرف ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ ضَرْبِ الْخُدُودِ، وَشَقِّ الْجُيُوبِ عِنْدَ الْمُصِيبَةِ

مصیبت کے وقت منہ پیٹنا اور گریبان پھاڑنا حرام ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ شَقَّ الْجُيُوبَ وَضَرَبَ الْخُدُودَ وَدَعَا بِدَعْوَةِ الْجَاهِلِيَّةِ.

ترجمہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہماری اُمت میں نہیں وہ شخص کہ پھاڑے گریبان اور پیٹے گال اور پکارے کافروں کی طرح پکارنا یعنی ناشکری کی باتیں کرے مصیبت کے وقت۔

تشریح "قولہ لیس منا" عام طور پر محدثین اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ ہماری سنت پر نہیں لیکن بعض محدثین اس تاویل کو ناپسند کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ باب یا اس قسم کی احادیث کا مقصد زجر اور توبیخ ہوتا ہے تاکہ لوگ سن کر اس فعل سے رُک جائیں تو پہلی تاویل سے حدیث کا مقصد فوت ہوجاتا ہے، اس لیے اس کو اپنے ظاہری معنی پر چھوڑا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے اندر جو کمال کی صفات موجود ہیں وہ اس میں نہیں ہیں۔ اس صورت میں اشکال ہے کہ اس سے خوارج اور معتزلہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ مرتکب کبیرہ معتزلہ کے ہاں ایمان سے خارج ہوجاتا ہے اور عندالخوارج کفر میں داخل ہوجاتا ہے، اس لیے عام محدثین تاویل کرنے میں مجبور ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّوْحِ نوحہ کرنا حرام ہے

عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ الْأَسَدِيِّ قَالَ مَاتَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ قَرَظَةُ بْنُ كَعْبٍ فَنِيحَ عَلَيْهِ فَجَاءَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، وَقَالَ مَا بَالُ النَّوْحِ فِي الْإِسْلَامِ أَمَا

إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ نِيحَ عَلَيْهِ عُذِّبَ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت علی بن ربیعہ اسدی سے روایت ہے کہ مر گیا ایک شخص انصار سے کہ انصار اس کو قرظہ بن کعب کہتے تھے سو لوگ نوحہ کرنے لگے اس پر سو آئے مغیرہ بن شعبہ اور چڑھ گئے منبر پر اور حمد کی اللہ کی اور تعریف کی اس کی اور کہا کیا کام ہے نوحے کا اسلام میں آگاہ رہو بے شک میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے جس پر نوحہ ہو اس پر عذاب رہتا ہے جب تک نوحہ ہوتا رہتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الجَاهِلِيَّةِ لَنْ يَدَعَهُنَّ النَّاسُ النِّيَاحَةُ وَالطَّعْنُ فِي الأَحْسَابِ وَالعَدْوَى أَجْرَبَ بَعِيرٌ فَأَجْرَبَ مِائَةَ بَعِيرٍ مَنْ أَجْرَبَ البَعِيرَ الأَوَّلَ وَالأَنْوَاءُ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں میری اُمت میں کفار کی رسموں میں سے ہیں، نہ چھوڑیں گے اس کو عوام آدمی ایک تو رونا پیٹنا چلانا ہے موت کے وقت اور دوسرے طعن کرنا حسب اور نسب میں اور تیسرے عدد یعنی یہ اعتقاد رکھنا کہ ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جاتی ہے اور یہ بولنا کہ کھجلی ہوئی ایک اونٹ کو سو لگ گئی سو اونٹوں کو بھلا پہلے اونٹ کو کس کی لگی تھی۔ یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کھجلی کھجلی والے اونٹ کے ملنے سے ہوتی ہے تو پہلے جس کو کھجلی ہوئی وہ کس سے ملا، چوتھے اور عقیدہ رکھنا نچھتروں (ستاروں کی گردش) کا کہ کہتے رہیں گے ہم پر مینہ برسا فلانے نچھتر سے یعنی فلانا ستارا فلانی جگہ آیا جب مینہ برسا۔

تشریح: "قوله كراهية النوح" کعب بن قرظہ یہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کی تعلیم کے لیے بھیجا تھا، اس وقت کوفہ کے حاکم مغیرہ بن شعبہ تھے۔ انواء چاند کی اٹھائیس منزلیں ہوتی ہیں، اس کا ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف منتقل ہونا موثر ہے بارش کے لیے، یہ اگر بطور سبب کے ہے پھر تو ٹھیک ہے اور اگر موثر بالذات سمجھا جائے تو یہ امر جاہلیت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ البُكَاءِ عَلَى المَيِّتِ

کسی کی موت پر بلند آواز سے رونا

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ المَيِّتُ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت سالم بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ کہا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت پر عذاب ہوتا ہے اس کے گھر والوں کے اور ساتھیوں کے رونے سے۔

أَنَّ مُوسَى بْنَ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيَّ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مَيِّتٍ يَمُوتُ فَيَقُومُ بَاكِيهِ فَيَقُولُ وَاجَبَلَاهُ وَاسَيِّدَاهُ أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ إِلَّا وُكِّلَ بِهِ مَلَكَانِ يَلْهَزَانِهِ أَهٰكَذَا كُنْتَ

ترجمہ: حضرت موسیٰ بن ابی موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ خبر دی انہوں نے اپنے باپ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی میت نہیں کہ مرے اور کھڑا ہو رونے والا اور کہے ہائے میرے پہاڑ! ہائے میرے سردار! یا مانند اس کے جیسے ہاتھی کا پاٹھا یا میر المباسکھ مرگیا اور ایسی کفریات واہیات بکے مگر یہ کہ دو فرشتے گھونسے مارتے ہیں اس کے سینے میں اور کہتے ہیں کیا تو ایسا ہی تھا۔

تشریح: اس میں حدیث مرفوع ہے "المیّت یعذب ببکاء اھلہ علیہ" یہ حدیث مشکلات میں سے ہے کیونکہ بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ورثاء کے نوحہ وگریہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے اور یہ مخالف ہے اس آیت کے "لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ" تو ورثاء کے گناہ سے میت کو عذاب کیوں ہوگا؟ اس لیے جمہور آئمہ اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں اور بعض ظاہر پر حمل کرتے ہیں اس کے معنی میں متعدد اقوال ہیں۔

قول اوّل: یہ حدیث ظاہر پر محمول ہے مطلقاً عند عمر بن الخطاب وعبداللہ بن عمر عند عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔

قول ثانی: میرے نزدیک یہ محمول ہے زجر وتوبیخ پر "ای زجر عن البکاء"

قول ثالث: توقف وتفویض الی اللہ ہے۔

قول رابع: مراد وہ رونا ہے جس میں ان صفات حسنہ وحمیدہ کا ذکر کیا جائے تو میت میں نہ ہوں تو اس سے عذاب ہوتا ہے۔

قول خامس: "باء للحال" کے لیے ہے سببیت کے لیے نہیں ہے۔ مطلب یہ ہوگا "ای یعذب بذنوبہ حال بکاؤھم علیہ" تو عذاب میت کو اپنے گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے اور ان کا بکا ظرف وزمانہ ہے۔

قول سادس: یہ حدیث ظاہر پر محمول ہے اور میت سے مراد کافر ہے یہ دو قول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہیں۔

قول سابع: یہ حدیث مختص ہے اس میت سے کہ نوحہ ان کے خاندان کی عادت ہو اور وہ وصیت ترک نوحہ نہ کرے حالانکہ اس پر یہ وصیت واجب تھی تو اس کو عذاب اس نوحہ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ بسبب ترک واجب کی وجہ سے ہے۔

قول ثامن: یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو نوحہ وبکاء کی وصیت کرے۔ جیسا کہ جاہلیت میں عربوں کی عادت تھی۔ ایک شخص حالت موت میں بیوی کو کہتا ہے:

فان مت فانعینی بما انا اھلہ	وشقی علی الحبیب یا ابنۃ معبد

ترجمہ شعر: "جب میں مرجاؤں تو اے معبد کی بیٹی تو میری موت کی خبر اس اہتمام سے لوگوں کو سنانا جس کا میں اہل ہوں اور میرے اوپر گریباں چاک کرنا۔" (تحفہ، ج:۱، ص:۱۳۵، فتح الملہم، ج:۲، ص:۴۷۳)

قول تاسع: یہ عذاب مطلق بکاء سے نہیں ہے بلکہ بکاء خاص مراد ہے جو جاہلیت میں عربوں کا دستور تھا کہ وہ ان صفات کو جو شرعاً قبیح ہے مستحسن سمجھتے تھے اور بکاء میں ذکر کرتے تھے تو "بکاء لهذه الصفات المذمومة" شرعاً موجب عذاب ہے کیونکہ یہ صفات خود موجب عذاب ہیں۔ مثلاً عرب یوں نوحہ کرتے تھے:

یامرملن نساء یامؤتم الولادان

یالخرب الدیار یاسارق الاموال یاقاتل الناس۔ وغیرہ (نیل الاوطار، ص ۱۱۲، شرح مسلم، للنوی، ص: ۳۰۳)

قول عاشر: عذاب سے مراد توبیخ ملائکہ ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ میں مرفوع روایت ہے "ما من میت یموت فتقوم نادیة تقول واہ جبلاہ واہ سنداہ اوشبہ ذلک الاوّ کل بہ ملکان یلحضانہ ھکذا کنت" طبرانی کی روایت ہے "اغمی علی عبداللہ بن رواحہ فقامت النائحہ فدخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم وقد افاق فقال یا رسول اللہ قد اغمی علی فصاحت النساء واعزیٔ واجبلاہ فقام ملک معہ مرزتہ فجعلنا بین رجلی فقال انت ھکذا قلت لافلو قلت نعم ضربنی بھا" تو عذاب سے مراد توبیخ ملائکہ ہے۔

قول حادی عاشر: عذاب سے مراد تعلم میت ہے یعنی میت اس کی وجہ سے غمگین ہوتی ہے کیوں کہ گھر والوں کے گناہ اور نیکیاں میت کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں تو گناہوں سے وہ غمگین ہوتا ہے۔ (شرح الصدور للسیوطی ص: ۱۲۵، فتح الملہم، ج: ۲، ص: ۴۷۳، شرح مسلم للنوی، ص: ۳۰۳، نیل الاوطار، ص: ۱۱۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخصَةِ فِي البُكَاءِ عَلَى المَيِّتِ

میت پر بغیر چیخے چلانا رونا جائز ہے

عَنْ عَمْرَةَ أَنَّهَا أَخبَرَتْهُ أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ وَذُكِرَ لَهَا أَنَّ ابنَ عُمَرَ يَقُولُ إِنَّ المَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الحَيِّ عَلَيْهِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ غَفَرَ اللهُ لِأَبِي عَبدِ الرَّحمٰنِ أَمَا إِنَّهُ لَم يَكذِبْ وَلٰكِنَّهُ نَسِيَ أَوْ أَخطَأَ إِنَّمَا مَرَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى يَهُودِيَّةٍ يُبكَى عَلَيهَا فَقَالَ إِنَّهُم لَيَبْكُونَ عَلَيهَا وَإِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِي قَبْرِهَا.

ترجمہ: حضرت عمرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے خبر دی کہ سنا میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ ان کے آگے ذکر کیا کسی نے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ میت پر عذاب ہوتا ہے زندہ کے رونے سے تو فرمایا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اللہ بخش ابی عبدالرحمن کو اور یہ کنیت ہے عبداللہ کی بے شک انہوں نے کچھ جھوٹ اپنی طرف سے نہیں بنایا لیکن وہ بھول گئے یا چوک گئے حقیقت اس کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے ایک یہود پر کہ اس پر رونا ہورہا تھا تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لوگ تو رو رہے

ہیں اوراس پر عذاب قبر ہورہا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَيِّتُ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ يَرْحَمُهُ اللّٰهُ لَمْ يَكْذِبْ وَلٰكِنَّهُ وَهِمَ إِنَّمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ مَاتَ يَهُودِيًّا إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ وَإِنَّ أَهْلَهُ لَيَبْكُونَ عَلَيْهِ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت پر عذاب ہوتا ہے اس کے گھر والوں کے رونے سے، کہا راوی نے سو فرمایا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رحمت کرے اللہ تعالیٰ عبداللہ پر انہوں نے جھوٹ نہیں بنائی یہ بات لیکن وہم ہوگیا ان کو، یہ بات تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کے لیے فرمائی تھی کہ وہ مرگیا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت پر تو عذاب ہو رہا ہے اور گھر والے اس کو رو رہے ہیں۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ أَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى ابْنِهِ إِبْرَاهِيمَ فَوَجَدَهُ يَجُودُ بِنَفْسِهِ فَأَخَذَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَهُ فِي حِجْرِهِ فَبَكَى فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ أَتَبْكِي أَوَلَمْ تَكُنْ نَهَيْتَ عَنِ الْبُكَاءِ قَالَ لَا وَلٰكِنْ نَهَيْتُ عَنْ صَوْتَيْنِ أَحْمَقَيْنِ فَاجِرَيْنِ صَوْتٍ عِنْدَ مُصِيبَةٍ خَمْشِ وُجُوهٍ وَشَقِّ جُيُوبٍ وَرَنَّةِ شَيْطَانٍ وَفِي الْحَدِيثِ كَلَامٌ أَكْثَرُ مِنْ هٰذَا

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پکڑ لیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوف کا ہاتھ سو لے گئے ان کو اپنے صاحبزادے ابراہیم کے پاس سو پایا ان کو کہ وہ اپنی جان دے رہے ہیں یعنی نزع روح میں ہیں سو لے لیا ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور رکھ لیا اپنی گود میں اور رونے لگے سو عبدالرحمن نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی منع کرتے تھے رونے سے۔ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں میں رونے سے منع کرتا تھا لیکن (بلکہ) دو احمق فاجر کی آوازوں سے منع کرتا تھا ایک آواز رونے کی کسی مصیبت کے وقت اور نوچنا پیٹنا منہ کا اور پھاڑنا چیرنا گریبان کا دوسرے نوحہ کرنا چیخنا شیطان کا سا اور اس حدیث میں اور باتیں بھی ہیں۔

تشریح مسئلہ اختلافی: بکاء علی المیّت جائز ہے یا نہیں؟ تو دونوں قسم کی حدیثیں ہیں، احادیث المتعلقہ بالاباحت و احادیث متعلقہ بالنہی۔ تطبیق: اگر بکاء بالنوحہ ہو تو ممنوع ہے اور اگر بکاء فقط بالدموع ہو تو پھر بالاجماع جائز ہے۔

دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل اور اکابر صحابہ کا عمل اُمت کے صلحاء کا عمل، باقی بکاء علی المیّت ممنوع کی تین قسم کی روایتیں ہیں۔ (۱) روایت مغیرہ بن شعبہ میں نوحہ کا ذکر ہے۔ (۲) روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما میں "ببکاء اھلہ" کا ذکر ہے۔
(۳) بعض روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما میں "ببکاء علی الحیّ" کا ذکر ہے۔

پہلی حدیث مغیرہ بن شعبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو عذاب نوحہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے معلوم ہوتا ہے کہ بکاء اہل سے عذاب ہوتا ہے خواہ نوحہ ہو یا نہ ہو اور تیسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ "بکاء حیّ" سے معذب ہوتا ہے۔ عام ازیں اہل ہو یا غیر اہل۔ جواب: جن احادیث میں مطلق بکاء کا ذکر ہے وہاں بکاء سے مراد بکاء علی وجہ النوحہ ہے۔ البتہ یہ اشکال ہے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل وعیال کے رونے سے معذب ہوتا ہے اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر زندہ کے رونے سے معذب ہوتا ہے جہاں یہ ہے کہ ہر زندہ کے رونے سے معذب ہوتا ہے وہاں "حیّ" بمعنی قبیلہ کے ہے یا پھر کہیں کہ "حیّ" والی روایات مناطِ حکم ہے۔

سوال: پہلی روایات میں اہل وعیال کی قید کیوں لگائی؟

جواب: عموماً نوحہ کرنے والے اہل وعیال ہی ہوتے ہیں۔ اب اس سے یہ اعتراض دفع ہو گیا کہ "حیّ" کی قید اتفاقی ہے یا احترازی، اگر "حیّ" بمقابلہ جمادات کے ہو پھر یہ قید احترازی ہے جمادات سے احتراز مقصود ہے۔

سوال: کیا جمادات بھی روتے ہیں؟ جواب: ہاں۔ اگر حی بمعنی قبیلہ کے ہو تو پھر یہ قید واقعی ہے احتراز مقصود نہیں، بہر تقدیر معلوم ہوا کہ "بکاء علی وجہ النوحہ معذّب" ہونے کا سبب ہے۔

سوال: آیت کریمہ ہے "لا تزر وازرۃ وزری اخریٰ" سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ جرم ایک ہو اور سزا دوسرے کو ہو۔ آیت کریمہ اور احادیث تعذیب میت "ببکاء اھلہ" آپس میں تعارض ہے کیوں کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے اہل میت کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے؟

جواب: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں سرے سے کوئی تعارض ہی نہیں۔ احادیث تعذیب میت "ببکاء اھلہ" یہ خطاء ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی، وہ اس طرح کہ اصل قصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک یہودیہ عورت کی قبر سے گزرے اور اس کے اہل وعیال رو رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، یہ عجیب بات ہے کہ وہ عورت اپنے کفر کی وجہ سے معذب ہے اور یہ ادھر اس کے گھر والے رو رہے ہیں، اب عذاب کا ہونا یہ کفر کی وجہ سے تھا نہ کہ بکاء کی وجہ سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خطا ہوئی کہ اس کو قاعدہ کلیہ بنا دیا لیکن جمہور فقہاء نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس تخطیہ کو قبول نہیں کیا کیونکہ یہی روایت دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے، اس کی مزید توجیہات ماقبل باب کے ذیل میں گزر چکی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَشْيِ أَمَامَ الْجَنَازَةِ جنازے کے آگے چلنا

عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ يَمْشُونَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ.

ترجمہ حضرت سالم سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا ان کے باپ نے دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو آگے چلتے تھے جنازے کے۔

تشریح اگلے باب کے ذیل میں آ رہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَشْيِ خَلْفَ الْجَنَازَةِ جنازے کے پیچھے چلنا

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ سَأَلْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَشْيِ خَلْفَ الْجَنَازَةِ قَالَ مَا دُونَ الْخَبَبِ فَإِنْ كَانَ خَيْرًا عَجَّلْتُمُوهُ وَإِنْ كَانَ شَرًّا فَلَا يُبْعَدُ إِلَّا أَهْلُ النَّارِ الْجَنَازَةُ مَتْبُوعَةٌ وَلَا تَتْبَعُ وَلَيْسَ مِنْهَا مَنْ تَقَدَّمَهَا.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پوچھا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازے کے پیچھے چلنے کو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوڑنے سے ذرا کم چلنا چاہیے، سو اگر نیک ہے جلدی پہنچاؤ گے تم اس کو یعنی قبر میں اور اگر وہ بد ہے تو نہیں دور کیا جاتا مگر آتش دوزخ والا اور جنازہ کے پیچھے چلنا چاہیے نہ اس کو پیچھے ہونا چاہیے اور نہیں ہے اس کے ساتھ والوں میں جو اس سے آگے چلے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے یا پیچھے چلنا افضل ہے؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک پیچھے چلنا افضل ہے۔

قول ثانی: امام مالک و امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک پیدل چلنے والے کے لیے جنازے کے آگے چلنا اور سوار کے لیے پیچھے چلنا افضل ہے۔

قول ثالث: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے۔

احناف کی دلیل اوّل:

حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ "الذی اخرجه الترمذی، فی باب ماجاء فی المشی خلف الجنازة، قال سألنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم عن المشی خلف الجنازة فقال مادون الجنب فان کان خیرًا اعجلتموہ و ان کان شرًا فلا یبعد الا اهل النار الجنازة متبوعة" اور یہ متبوع تب بنے گا جب جنازہ آگے اور خود اس کے پیچھے چلا جائے۔ نیز جنازہ کے ساتھ جانے سے مقصود تذکیر الاخرۃ ہے اور یہ مقصود خلف الجنازہ سے حاصل ہوتا ہے۔ نیز خلف الجنازۃ میں اعانت بھی دخیل ہے اور وہ خلف الجنازہ ہی ہو سکتی ہے۔

سوال: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں راوی ہیں ابو ماجد، جس کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے مجہول قرار دیا ہے۔ چنانچہ "قال ابن عیینه لیحیٰ من ابو ماجد هذا فقال طائز طار" یہ پرندہ ہے جو اُڑ کر آیا ہے اور حدیث سنانے کے بعد چلا گیا اور یہ کنایہ ہے اس کے مجہول ہونے سے۔

سوال: یہ یحییٰ کون ہے؟

جواب: ظاہر ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان ہیں۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے اور حضرت شاہ صاحب یعنی شاہ

ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ یحییٰ سے مراد ابو ماجد کا شاگرد یحییٰ امام بنی تیم اللہ ہے۔ الغرض یہ ابو ماجد رجل مجہول ہے۔
"فکیف الاستدلال ایہا الاحناف"

جواب (۱): بیشک رجل مجہول ہے لیکن کبار اولیاء اللہ میں سے ہے اور جو رجل اولیاء اللہ میں سے ہو اس کی جہالت مضر نہیں۔

جواب (۲): ضابطہ یہ ہے کہ جب کسی راوی سے دو ثقہ راوی روایت کر رہے ہوں اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جب کسی شیخ سے ایک ثقہ راوی روایت کرے تو جہالت ختم ہو جاتی ہے اور بعض کے قول کے مطابق ایک ثقہ راوی یحییٰ امام بنی تیم اللہ روایت کر رہے ہیں۔ لہٰذا یہ جہالت مضر نہیں۔

جواب (۳): متاخرین محدثین کے نزدیک ابو ماجد کا مجہول ہونا اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی مجہول ہوں۔

دلیل دوسری: بخاری شریف میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "وفیہ امرنا النبی صلی اللہ علیہ وسلّم بسبع ونہانا عن سبع امرنا باتباع الجنائز الخ" کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں جنائز کے پیچھے چلنے کا حکم دیا۔ اسی طرح امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال ان تمام روایات سے ہے جن میں "اتباع الجنائز" کا حکم دیا گیا ہے۔

امام مالک کی دلیل اوّل:

ناشی کے حق میں ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے اور راکب کے حق میں ان کا استدلال ترمذی میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رحمہ اللہ کی روایت سے ہے۔ "وفیہ الراکب خلف الجنازۃ"

جواب: راکب اور ماشی دونوں کے لیے پیچھے چلنا افضل ہے لیکن اس روایت سے راکب کے حق میں مزید تاکید مقصود ہے۔ اس لیے کہ وہ رکوب کی وجہ سے سوء ادب میں مبتلا ہے اور زیر بحث باب کی روایت بیان جواز پر محمول ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ، خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا عمل۔ طحاوی شریف میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنازے کے پیچھے چل رہے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنازے کے آگے چل رہے تھے تو ایک آدمی نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ جنازے کے آگے چلنا افضل ہے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ پیچھے چلنا افضل ہے تو اس شخص نے پوچھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو آگے چل رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ دونوں جانتے ہیں کہ پیچھے چلنا افضل ہے۔

جواب (۱): یہ دونوں لوگوں کی آسانی کے لیے آگے چل رہے ہیں تو افضل تو پیچھے چلنا ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں پر مشقت کی وجہ سے آگے ہو گئے تھے۔

جواب (۲): یہ بیانِ جواز کے لیے تھا۔

قال ابوعیسیٰ طائر طار: یعنی یہ راوی مجہول ہے لیکن کوکب الدری میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ تابعی ہیں اور تابعی مجہول بھی ہوں تو یہ مضر نہیں کیوں کہ اس زمانے میں کذب عام نہیں تھا اور بعض کے ہاں اگر مجہول سے ایک آدمی ناقل ہو تو راوی جہالت سے نکل جاتا ہے اور یہاں ان سے یحییٰ ناقل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الرُّكُوبِ خَلْفَ الْجَنَازَةِ

جنازے کے پیچھے سوار ہو کر چلنا مکروہ ہے

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ فَرَأَى نَاسًا رُكْبَانًا فَقَالَ أَلَا تَسْتَحْيُونَ إِنَّ مَلَائِكَةَ اللهِ عَلَى أَقْدَامِهِمْ وَأَنْتُمْ عَلَى ظُهُورِ الدَّوَابِّ.

ترجمہ: حضرت ثوبان سے روایت ہے کہا انہوں نے ہم نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنازہ میں سو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو سوار تو فرمایا تم کو شرم نہیں آتی کہ فرشتے اللہ کے پیروں پر چلتے ہیں اور تم جانوروں کی پیٹھ پر سوار ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ جنازے کے ساتھ سواری پر چلنا بھی جائز ہے

عَنْ سِمَاكٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ يَقُولُ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةِ ابْنِ الدَّحْدَاحِ وَهُوَ عَلَى فَرَسٍ لَهُ يَسْعَى وَنَحْنُ حَوْلَهُ وَهُوَ يَتَوَقَّصُ بِهِ.

ترجمہ: حضرت سماک بن حرب سے روایت ہے کہ سنا میں نے جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہتے تھے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ہمراہ جنازہ ابن دحداح کے اور حضرت ایک گھوڑے پر سوار تھے۔ وہ کودتا تھا اور ہم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو چھوٹے چھوٹے قدموں سے لیے جاتے تھے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّبَعَ جَنَازَةَ ابْنِ الدَّحْدَاحِ مَاشِيًا وَرَجَعَ عَلَى فَرَسٍ

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدل گئے ابن دحداح کے جنازے کے ساتھ اور پھرے گھوڑے پر سوار ہو کر۔

تشریح: پہلے باب میں کراہیت کا ذکر ہے، دوسرے باب کی حدیث میں رُخصت کا ذکر ہے، اس لیے محدثین کہتے ہیں کہ اگر قبرستان سے واپسی ہو تو بالاتفاق سواری پر لوٹنا جائز ہے۔ چنانچہ ابن الدحداح کے جنازے سے واپسی پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار تھے۔ باقی اگر جنازے کے ساتھ چل رہا ہو تو سوار ہو کر چلنا جائز مع الکراہت ہے اور افضل یہ ہے کہ بلا عذر سوار نہ ہو، اور اگر سوار ہوتا ہے تو جنازے کے پیچھے چلنا چاہیے آگے چلنا نہیں چاہیے۔ اگر قبرستان دور ہو تو یہ بھی

عذر ہے اس لیے سوار ہو کر جانا جائز ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ آپ سوار ہو کر گئے۔
پہلا جواب: آپ عذر کی وجہ سے سوار تھے، بیمار تھے، گھوڑے سے گر کر چوٹ آئی تھی۔
دوسرا جواب: آپ واپسی پر سوار ہو کر آئے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الإِسْرَاعِ بِالجَنَازَةِ جنازہ کو لے کر جلدی چلنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَسْرِعُوا بِالجَنَازَةِ فَإِنْ يَكُنْ خَيْرًا تُقَدِّمُوهَا إِلَيْهِ وَإِنْ يَكُنْ شَرًّا تَضَعُوهُ عَنْ رِقَابِكُمْ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ پہنچاتے ہیں اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جلدی لے چلو جنازے کو یعنی معمولی چال سے ذرا بڑھ کر چلو اس لیے کہ وہ جنازہ اگر نیک شخص کا ہے تو جلدی پہنچاؤ اس کو نیکی کی طرف اگر برے شخص کا ہے تو اُتارو اس کو اپنی گردنوں سے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: اسراع بالجنازہ کے دو مفہوم ہیں۔ اسراع فی المشی یعنی قبرستان کی طرف لے جاتے وقت جلدی لیکر چلے، عام فقہاء نے یہی معنی مراد لیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ انسان عام طور پر جس حالت میں چلتے ہیں۔ جنازے کے ساتھ اس سے کچھ تیز چلے اور وہ "مادون الجنب" ہو کہ دوڑ سے کم ہو۔
(۲) اسراع بالجنازہ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جنازہ تیار کرنے میں جلدی کرنا، تجہیز و تکفین میں کچھ دیر لگتی ہے اس سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ و ناجائز ہے، دونوں سے اسراع مطلوب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلَى أُحُدٍ وَذِكْرِ حَمْزَةَ

شہدائے اُحد اور حمزہ (رضی اللہ عنہم) کے ذکر میں

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَتَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حَمْزَةَ يَوْمَ أُحُدٍ فَوَقَفَ عَلَيْهِ فَرَآهُ قَدْ مُثِّلَ بِهِ فَقَالَ لَوْلَا أَنْ تَجِدَ صَفِيَّةُ فِي نَفْسِهَا لَتَرَكْتُهُ حَتَّى تَأْكُلَهُ العَافِيَةُ حَتَّى يُحْشَرَ يَوْمَ القِيَامَةِ مِنْ بُطُونِهَا، قَالَ ثُمَّ دَعَا بِنَمِرَةٍ فَكَفَّنَهُ فِيهَا فَكَانَتْ إِذَا مُدَّتْ عَلَى رَأْسِهِ بَدَتْ رِجْلَاهُ وَإِذَا مُدَّتْ عَلَى رِجْلَيْهِ بَدَا رَأْسُهُ قَالَ فَكَثُرَ القَتْلَى وَقَلَّتِ الثِّيَابُ، قَالَ فَكُفِّنَ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ وَالثَّلَاثَةُ فِي الثَّوْبِ الوَاحِدِ ثُمَّ يُدْفَنُونَ فِي قَبْرٍ وَاحِدٍ فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُ عَنْهُمْ أَيُّهُمْ أَكْثَرُ قُرْآنًا فَيُقَدِّمُهُ إِلَى القِبْلَةِ، قَالَ فَدَفَنَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جنگ اُحد کے دن یعنی ان کی شہادت کے بعد اور کھڑے ہوئے ان کے پاس سو دیکھا انہوں نے کہ ان کے ہاتھ پیر کاٹے گئے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر نہ خفا ہوتیں صفیہ یعنی حمزہ کی بہن اپنے دِل میں تو میں ان کو چھوڑ دیتا کہ کھا جاتے ان کو جانور پھر قیامت کے دن اُٹھائے جاتے ہیں جانوروں کے پیٹوں سے کہا راوی نے پھر منگائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر اور کفن دیا اس کو سو وہ چادر ایسی تھی کہ جب کھینچتے تھے سر پر کھل جاتا ان کا سر کہا راوی نے پھر شہید زیادہ ہوئے اور کپڑا کم۔ کہا راوی نے پھر کفن دیا ایک کپڑے میں ایک ایک مرد کو اور دو دو اور تین تین کو پھر دفن کیا ایک قبر میں سو پوچھنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان شہیدوں میں کون قرآن زیادہ پڑھتا (یعنی یاد) تھا سو جو قرآن زیادہ پڑھتا تھا اس کو آگے رکھتے قبلے کی طرف یعنی قبر میں۔ کہا راوی نے پھر دفن کر دیا ان سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی۔

تشریح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہداء اُحد میں سے ہیں لیکن ان کو مستقل بیان کیا ان کی عظمت کو بتلانے کے لیے یہ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے۔ "فکفّن الرّجل والرجلان الخ"

سوال: ایک کپڑے میں بایں طور کفن دینا کہ ایک دوسرے کا جسم مل رہا ہو یہ تو جائز نہیں ہے۔

جواب (۱): جن کپڑوں میں شہید ہوئے تھے چونکہ ان ہی دفن کیا گیا تو ان کپڑوں کی وجہ سے حائل پیدا ہو گیا۔

جواب (۲): اگر وہ کپڑے پھٹ بھی گئے ہوں تو پھر پتوں اور گھاس کی وجہ سے حائل پیدا کر دیا گیا ہوگا۔

مسئلہ اختلافی: شہداء شہید معرکہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اس پر تو اجماع ہے کہ اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

قول اوّل: احناف و مالکیہ کے ہاں نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

قول ثانی: شوافع و حنابلہ کے نزدیک نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ منشاء اختلاف شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھی گئی یا نہیں تو احناف کے ہاں پڑھی گئی اور شوافع و حنابلہ کے ہاں نہیں پڑھی گئی۔

احناف کے دلائل: عقبہ بن عامر کی روایت بخاری شریف میں اور حضرت ابن عباس کی اور عبداللہ زبیر اور ابو مالک غفاری کی طحاوی میں، ان چاروں حدیثوں کا قدر مشترک جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہداء اُحد کی نماز جنازہ پڑھی۔ مرسل ابراہیم نخعی مراسیل ابوداؤد میں اس کا مضمون بھی یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہداء کا جنازہ پڑھا۔ مرسل عطاء بن ابی رباح اس کا مضمون بھی یہی ہے۔ شہداء اُحد کے علاوہ دیگر شہداء کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنازہ پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ نسائی میں ہے کہ ایک اعرابی شہید ہوا تھا، اس کو کوئی بھی نہیں پہچانتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو پہچانتا ہوں کہ یہ مسلمان ہوا تھا، اس کے بعد غزوہ میں شریک ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ درایت کا مقتضی بھی یہی ہے کہ اس لیے کہ نماز جنازہ سے مقصود یا تو استغفار ہوتا ہے یا پھر اعزاز و اکرام ہوتا ہے اور ظاہر

ہے کہ شہداء کا اعزاز واکرام مقصود ہے، لہٰذا ان کی نماز پڑھی جائے۔

شوافع وحنابلہ کی دلیل اوّل: چونکہ شہداءِ اُحد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔

دلیل ثانی: حدیث الباب حدیث انس رضی اللہ عنہ "ولم یصلّ علیھم"

جواب(۱): زیادہ سے زیادہ نفی اور اثبات میں تعارض ہے۔لہٰذا اثبات کو ترجیح ہوگی۔

جواب(۲): "لم یصلّ علیھم" کی نفی مؤوّل ہے وہ تاویل سمجھنے سے پہلے یہ سمجھیں کہ روایات مفصلہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی میت لائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر مستقلاً نماز جنازہ پڑھی، ان کی میت رکھی گئی، نو اور میتیں لائی گئیں اور ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی، پھر ان کو اُٹھالیا گیا، پھر نو اور میتیں لائی گئیں اور نماز جنازہ پڑھا گیا، پھر ان کو بھی اُٹھالیا گیا اور پھر نو اور لائے گئے ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ ہر نو کے ساتھ پڑھا گیا۔ "اذا کان الامر کذلک" اب ہم یہ کہتے ہیں کہ ان شہداءِ اُحد پر نماز جنازہ مستقلاً نہیں پڑھی جیسے حضرت حمزہ پر مستقلاً اور منفرداً پڑھی گئی۔

جواب(۳): "لم یصل علیھم ای فی موضع القتال" بلکہ مدفن میں لانے کے بعد ان پر نمازِ جنازہ پڑھا گیا۔

بَابُ آخَرُ دوسرا باب

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُ الْمَرِيضَ وَيَشْهَدُ الْجَنَازَةَ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ وَيُجِيبُ دَعْوَةَ الْعَبْدِ وَكَانَ يَوْمَ بَنِي قُرَيْظَةَ عَلَى حِمَارٍ مَخْطُومٍ بِحَبْلٍ مِنْ لِيفٍ عَلَيْهِ إِكَافُ لِيفٍ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کرتے تھے مریض کی اور حاضر ہوتے تھے جنازے میں اور سوار ہوتے تھے گدھے پر اور قبول کرتے تھے غلام کی دعوت اور بنی قریظہ ایک قبیلہ ہے یہود کا اس کی لڑائی کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے گدھے پر کہ اس کی لگام کھجور کی چھال کی رسی سے بنی تھی اور اس پر زین بھی اس چھال کا تھا۔

تشریح اس باب میں سواری کا ذکر ہے کہ گدھے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں نے بھی سواری کی ہے۔

بَابُ آخَرُ مَا جَاءَ فِي دَفْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ قُبِضَ بلاعنوان

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَلَفُوا فِي دَفْنِهِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مَا نَسِيتُهُ، قَالَ مَا قَبَضَ اللهُ نَبِيًّا إِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُدْفَنَ فِيهِ ادْفِنُوهُ فِي مَوْضِعِ فِرَاشِهِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب وفات ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جھگڑے لوگ ان کے دفن میں سو کہا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میں نے سنی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات کہ کبھی نہ بھولا میں اس کو فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں قبض کرتا ہے اللہ تعالیٰ روح کسی نبی کی مگر اس جگہ کہ جہاں دفن ہونا وہ چاہتا ہے پھر دفن کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک کی جگہ میں۔

تشریح انبیاء کرام علیہم السلام جہاں وفات پاتے ہیں انہیں وہیں دفن کیا جاتا ہے۔

بَابُ آخَرُ دوسرا باب

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوا عَنْ مَسَاوِئِهِمْ

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذکر کرو اپنے مُردوں کی بھلائیاں اور باز رہو ان کی برائیوں سے۔

تشریح مردہ شخص کی غیبت اشد ہے بنسبت زندہ شخص کے کیوں کہ زندہ افراد سے معاف کرالینا ممکن ہے اور مُردہ سے معاف کرانا ممکن نہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جس شخص کی غیبت کی ہے اگر اس سے معاف نہ کراسکا یا مُردہ کی غیبت کی ہے تو اس کے لیے ایصال ثواب کرے تو اُمید ہے کہ وہ معاف کردیں گے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے عیب بیان کرنا جائز ہے جن کی پردہ پوشی سے فتنہ کا اندیشہ ہو۔ اسی طرح کوئی سائل کسی عالم سے مسئلہ پوچھے تو سائل سوال میں بتلاسکتا ہے اگرچہ اس میں کسی کی غیبت ہو رہی ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجُلُوسِ قَبْلَ أَنْ تُوضَعَ جنازہ رکھنے سے پہلے بیٹھنا

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اتَّبَعَ الْجَنَازَةَ لَمْ يَقْعُدْ حَتَّى تُوضَعَ فِي اللَّحْدِ فَعَرَضَ لَهُ حَبْرٌ فَقَالَ هٰكَذَا نَصْنَعُ يَا مُحَمَّدُ، قَالَ فَجَلَسَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ خَالِفُوهُمْ.

ترجمہ حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ساتھ جاتے کسی جنازے کے تو نہ بیٹھتے جب تک جنازہ قبر میں نہ رکھا جاتا سو سامنے آ گیا ایک عالم یہود کا اور کہا اس نے ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں اے محمد! سو بیٹھ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فرمایا ان کی مخالفت کرو یعنی یہود کی۔

تشریح ابتداء آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب تک قبر میں مُردوں کو نہ اُتار دیا جاتا، اس وقت بیٹھتے نہ تھے، ایک مرتبہ یہودی عالم نے کہا کہ ہم بھی ایسا کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اے صحابہ رضی اللہ عنہم اب تم ایسا نہ کرو بلکہ جب تک میت کو زمین پر نہ رکھ دیا جائے اس وقت تک نہ بیٹھو، اس لیے کہ ہوسکتا ہے اعانت کی ضرورت پیش آجائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فَضْلِ الْمُصِيبَةِ إِذَا احْتَسَبَ مصیبت پر صبر کرنے کی فضیلت

عَنْ أَبِي سِنَانٍ قَالَ دَفَنْتُ ابْنِي سِنَانًا وَأَبُو طَلْحَةَ الْخَوْلَانِيُّ جَالِسٌ عَلَى شَفِيرِ الْقَبْرِ، فَلَمَّا أَرَدْتُ الْخُرُوجَ أَخَذَ بِيَدِي فَقَالَ أَلَا أُبَشِّرُكَ يَا أَبَا سِنَانٍ قُلْتُ بَلَى فَقَالَ حَدَّثَنِي الضَّحَّاكُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَرْزَبٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللهُ لِمَلَائِكَتِهِ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِي فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيَقُولُ قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادِهِ فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيَقُولُ مَاذَا قَالَ عَبْدِي فَيَقُولُونَ حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ فَيَقُولُ اللهُ ابْنُوا لِعَبْدِي بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَسَمُّوهُ بَيْتَ الْحَمْدِ.

ترجمہ حضرت ابی سنان سے روایت ہے کہ دفن کیا میں نے اپنے بیٹے سنان کو اور ابوطلحہ خولانی بیٹھے تھے قبر کے کنارے پر پھر جب چاہا میں نے قبر سے نکلنا پکڑ لیا انہوں نے میرا ہاتھ اور فرمایا کیا بشارت نہ دوں میں تجھ کو اے ابا سنان! کہا میں نے کیوں نہیں کہا انہوں نے روایت کی مجھ سے ضحاک بن عبدالرحمن نے انہوں نے ابوموسیٰ اشعری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرتا ہے کسی بندے کا لڑکا (اولاد) تو فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے لے لیا تم نے میرے بندے کے لڑکے (اولاد) کو سو وہ کہتے ہیں ہاں! پھر فرماتا ہے پروردگار تعالیٰ شانہ لے لیا تم نے پھل اس کے دل کا سو کہتے ہیں فرشتے ہاں! پھر فرماتا ہے کیا کہا میرے بندے نے سو فرشتے کہتے ہیں تیری تعریف کی اور انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا سو فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جل شانہ بناؤ میرے بندے کے لیے ایک گھر جنت میں اور اس کا نام رکھو بیت الحمد یعنی تعریف کا گھر۔

تشریح اس حدیث الباب میں کسی کے بچے کے فوت ہونے اور اہل خانہ کی صبر و استقامت پر بشارت کا ذکر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّكْبِيرِ عَلَى الْجَنَازَةِ نمازِ جنازہ میں تکبیر کہنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى عَلَى النَّجَاشِيِّ فَكَبَّرَ أَرْبَعًا.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی بادشاہِ حبش کی نمازِ جنازہ پڑھی اور اس میں اللہ اکبر کہا چار بار۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ كَانَ زَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ يُكَبِّرُ عَلَى جَنَائِزِنَا أَرْبَعًا وَإِنَّهُ كَبَّرَ عَلَى جَنَازَةٍ خَمْسًا فَسَأَلْنَاهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُهَا.

ترجمہ حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ زید بن ارقم تکبیر کہا کرتے تھے ہمارے جنازوں کی نماز

میں چار بار اور ایک بار تکبیر کہی انہوں نے ایک جنازے پر پانچ بار سو پوچھی ہم نے اس کی وجہ تو کہا انہوں نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کہتے تھے۔

تشریح اس پر اجماع ہے کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں۔ ابتداءً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں عمل مختلف رہا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں چار پر اجماع ہو گیا۔ بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ پانچ تکبیریں ہیں۔

دلیل: عمل زید بن ارقم۔

جواب: بیشک پانچ تکبیریں کہی گئیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں چار پر اجماع ہو گیا۔

امام مزنی فرماتے ہیں کہ تین سے سات تک تکبیرات کر سکتا ہے تین سے کم اور سات سے زائد نہ ہوں۔ "وقال احمد مثله لکن لا ینقص من اربعة فقال ابن مسعود رضی اللہ عنہ کبر ما کبر و عن سعید بن المسیب روی اثر اربعة" بہرحال مذہب جمہور اقویٰ ہے اور چار تکبیرات پر عمل ارجح ہے۔ ترجیح کی متعدد وجوہ ہیں۔

وجہ اوّل: "ثبت ذلک عن صحابة الکثیرین"

وجہ ثانی: "ثبت ذلک فی الصحیحین"

وجہ ثالث: "اجمع علی العمل بها الصحابه رضی اللہ عنهم و عن سعید بن المسیب کان تکبیر اربعا و خمسًا فجمع عمر الناس علی اربعة کاطول الصلٰوة"

وجہ رابع: "ذلک آخر علی النبی صلی اللہ علیه و آله و سلم کما روی الحاکم عن ابن عباس رضی اللہ عنهما اخر ما کبر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلّم فی الجنائز اربع" نیز حدیث "صلٰوة عن النجاشی" میں اربع کی تصریح ہے۔

مسئلہ ثانیہ: ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین بھی ہیں اس میں اختلاف ہے۔

مذہب اوّل: عند الشافعی واحمد واوزاعی وعمر بن عبد العزیز واسحاق ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین بھی مسنون ہے۔

مذہب ثانی: عند ابی حنیفہ وثوری رفع یدین مسنون نہیں ہے تکبیرات کے ساتھ کیونکہ احادیث میں یہ ثابت نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ: تکبیریں تو چار ہیں لیکن اگر امام پانچویں تکبیر کہہ دے تو مقتدیوں کو امام کی اتباع کرنی چاہیے یا نہیں؟

قول اوّل: جمہور کے ہاں اقتداء نہیں کرنی چاہیے۔

قول ثانی: احمد اسحٰق بن راہویہ، اتباع کرنی چاہیے۔

دلیل: "انما جعل الامام لیؤتم به"

جواب: اقتداء ماثبت بہ میں ہے اور پانچویں تکبیر تو منسوخ ہو گئی۔ لہٰذا اس میں اتباع نہیں کی جائے گی بلکہ مقتدی خاموش رہیں۔

چوتھا مسئلہ: غائبانہ نماز جنازہ کا ہے، اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے یا نہ۔ امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہا اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔ امام شافعی وامام احمد کے نزدیک جائز ہے۔

دلیل: امام شافعی اور امام احمد کا استدلال دو روایتوں سے ہے۔

(۱) ۹ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی تھی۔

(۲) معاویہ بن معاویہ مزنی رضی اللہ عنہ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تبوک کے سفر میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔

جواب (۱): یہ ان حضرات کی خصوصیت ہے اور خصوصیت پر کسی دوسری چیز کو قیاس کرنا صحیح نہیں ورنہ بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انتقال کی آپ کو خبر ملی۔ آپ نے ان دو کے علاوہ کسی اور کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی، اگر یہ مستقل عمل ہوتا تو آپ سب کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھتے۔

جواب (۲): اللہ تعالیٰ نے معجزہ کے طور پر ان دونوں کی میتوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کر دیا تھا، اس اعتبار سے یہ غائبانہ نماز جنازہ نہ ہوئی۔

دلیل امام ابوحنیفہ و مالک رحمہما اللہ:

ان کا استدلال یہ ہے کہ ان دو واقعات کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غائبانہ نماز جنازہ ثابت نہیں حالانکہ کثیر تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وفات مدینہ سے باہر دور دراز علاقوں میں ہوئی۔ وفات کا علم ہو جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ غائبانہ ادا نہیں کی۔ اگر غائبانہ نماز جنازہ کا قانون ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور ان کی نماز غائبانہ ادا کرتے۔

بَابُ مَا يَقُولُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ نمازِ جنازہ کی دُعا

عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو إِبْرَاهِيمَ الْأَشْهَلِيُّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى عَلَى الْجَنَازَةِ قَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا قَالَ يَحْيَى وَحَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَزَادَ فِيهِ: اللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ.

ترجمہ حضرت یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت ہے کہ روایت کی مجھ سے ابو ابراہیم اشہلی نے انہوں نے اپنے باپ سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازہ پڑھتے تو یہ دُعا پڑھتے: "اَللّٰهُمَّ" سے "اُنْثَانَا" تک اور معنی اس کے یہ ہیں یا اللہ! بخش ہمارے زندے اور مُردے اور حاضر اور غائب اور چھوٹے اور بڑے اور مرد و عورت کو، کہا یحییٰ نے

اور روایت کی مجھ سے ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے مثل اور زیادہ کیا اس میں یعنی بعد "اُنْثَانَا" کے ان لفظوں کو "اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ" سے اخیر تک اور معنی اس کے یہ ہیں، یا اللہ! جس کو تو زندہ رکھے ہم میں سے تو زندہ رکھ اسلام کے کاموں میں یعنی نیک عملوں پر اور جس کو مارے تو ہم میں سے تو مار اس کو ایمان یعنی توحید پر۔

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ عَلٰى مَيِّتٍ فَفَهِمْتُ مِنْ صَلَاتِهٖ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَاغْسِلْهُ بِالْبَرَدِ وَاغْسِلْهُ كَمَا يُغْسَلُ الثَّوْبُ.

ترجمہ حضرت عوف بن مالک سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور وہ نماز پڑھتے تھے جنازے کی سو یاد کر لیا میں نے ان کی نماز میں سے ان کلمات کو اللھم سے اخیر تک اور معنی اس کے یہ ہیں: یا اللہ! بخش دے اس کو اور رحم کر اس پر اور دھو دے اس کے گناہوں کو رحمت کے اولوں سے جیسا کپڑا دھویا جاتا ہے۔

تشریح "اللّٰھم اغفر لحینا" اس دُعا کا پڑھنا وجوب کے درجہ میں نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی دُعا پڑھ سکتے ہیں۔

"حدّثنا محمد بن بشار کما یغسل الثوب" اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ پانی گرم ہو کیونکہ کپڑے کو دھونے کے لیے گرم پانی کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ حدیث میں فرمایا کہ "واغسلہ بالبرد"......

جواب: گناہوں کا اثر حرارت ہے اور حرارت کے لیے ٹھنڈا پانی ضروری ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ پڑھی نماز میں جنازے کی۔

عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَقُلْتُ لَهٗ، فَقَالَ إِنَّهٗ مِنَ السُّنَّةِ أَوْ مِنْ تَمَامِ السُّنَّةِ.

ترجمہ حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جنازے کی نماز پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ پڑھی سو میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا یہ تو سنت ہے راوی کو شک ہے کہ "مِنَ السُّنَّةِ" کہا یا "تَمَامِ السُّنَّةِ" مطلب دونوں کا ایک ہے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: قرأۃ فاتحہ فی الجنازۃ میں اختلاف ہے۔

مذہب اوّل: عند الشافعی واحمد جنازہ میں بعد تکبیر الاولیٰ قرأۃ فاتحہ واجب ہے یا مستحب ہے، وبہ قال اسحاق۔

مذہب ثانی: امام مالک وابوحنیفہ کے نزدیک قرأۃ فاتحہ نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے مگر علامہ شرنبلالی نے لکھا ہے کہ خلاف جواز قرأۃ فاتحہ میں نہیں بلکہ استحباب میں ہے تو یہ جائز ہے باتفاق لیکن عندنا مستحب نہیں ہے لیکن بعض احناف مکروہ لکھتے ہیں، ردکراہت شرنبلالی نے رسالہ لکھا "النظم المستطاب فی حلم القرأۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ بام الکتاب" جس میں انہوں نے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قرأۃ فاتحہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ روایات صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت ہے پھر اہل مذہب اوّل یعنی شوافع وغیرہ میں اختلاف ہے۔

بعض شوافع کہتے ہیں کہ رات کو جہر بھی کرے لیکن بہت سے آئمہ کہتے ہیں کہ جہر مستحب نہیں ہے، جہر والے استدلال کرتے ہیں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما فی الباب سے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جہر کیا لیکن قول بالجہر کے منکرین کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بعض روایات میں ہے "لم اقرأ ای جہر اا لا لتعلم انہ سنۃ" معلوم ہوا کہ جہر عارضی تھا نہ سنت۔

دلائل مذہب اوّل، دلیل اوّل:

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فی الباب للترمذی "ان النبی قراء علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب" اور بخاری و ابوداؤد میں خود فعل ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس طرح ثابت ہے۔ "روی ابن عباس رضی اللہ عنہما صلی علی جنازۃ فقرا بفاتحۃ الکتاب فقلت بہ فقال انہ من السنۃ"

سوال: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ "وھی السنّۃ" اور جب صحابی یہ کہے "ھی السنۃ" تو اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہوتی ہے؟

جواب: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ مطلب نہیں کہ سنت مستمرہ ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ بدعت نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بنیت دُعا سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت ہے یہ ایسے ہی جیسے مسئلہ الاقعاء میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ سنت ہے، مطلب یہ ہے کہ "مرّۃ او مرّتین" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنیت ثناء پڑھنا ثابت ہے اور احناف اس کے قائل ہیں، کہ اگر کوئی آدمی بنیت دُعا سورۃ فاتحہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔

دلیل ثانی: ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "وفیہ فاخلصوا لہ الدعاء" کہ جب تم نماز جنازہ پڑھو تو میت کے لیے دُعا کرنے کا حکم ہے نہ کہ فاتحہ پڑھنے کا۔

دلیل ثالث: "عن موسیٰ بن علی قال قلت لفضالہ بن عبید ھل یقرء علی المیّت بشی ام لا قال لا"

دلیل رابع: سعید بن ابی بردہ "عن ابیہ قال لہ رجل اقرء علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب قال لا تقرء" ان احادیث سے ثابت ہوگیا کہ "قرأۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ" مستحب نہیں ہے باقی کراہت کا قول نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے تفصیل رسالہ النظم المستطاب میں ہے۔

امام شافعی کی دلیل:

ان کا استدلال زیر بحث باب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے ہے جس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھی۔

جواب (۱): امام طحاوی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے سورہ فاتحہ پڑھنے کا جو ثبوت ہے وہ صرف دُعاء اور ثناء کے طور پر ہے، قرأت کے طور پر نہیں۔ ہمارے نزدیک بھی بہتر یہی ہے کہ اختلاف سے نکلنے کے لیے سورۃ فاتحہ کو ثناء و دُعاء کے طور پر پڑھ لیا جائے تکبیر اوّل کے بعد۔

جواب (۲): امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عمل سورۃ فاتحہ پڑھنے کا یہ صرف ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔

باب كيف الصلوة على الميّت و الشفاعة له

نمازِ جنازہ کی کیفیت اور میت کے لیے شفاعت سے متعلق

عَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْيَزَنِيِّ قَالَ كَانَ مَالِكُ بْنُ هُبَيْرَةَ إِذَا صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ فَتَقَالَّ النَّاسَ عَلَيْهَا جَزَّأَهُمْ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوفٍ فَقَدْ أَوْجَبَ

ترجمہ: حضرت مرثد بن عبداللہ یزنی سے روایت ہے کہ مالک بن ہبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نماز جنازہ کی پڑھتے اور لوگ تھوڑے ہوتے تو ان کی تین صفیں کر دیتے، پھر کہتے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس میت پر تین صفوں نے نماز پڑھی جنت اس کے لیے واجب ہوگئی۔

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمُوتُ أَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَتُصَلِّي عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَبْلُغُونَ أَنْ يَكُونُوا مِائَةً فَيَشْفَعُوا لَهُ إِلَّا شُفِّعُوا فِيهِ وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ فِي حَدِيثِهِ مِائَةٌ فَمَا فَوْقَهَا

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں سے کوئی ایسا نہیں ہے کہ مرے اور اس پر نمازِ جنازہ پڑھے ایک گروہ مسلمانوں کا کہ سو کو پہنچا ہو پھر شفاعت کریں اس کے لیے مگر شفاعت قبول کی جاتی ہے ان مسلمانوں کی اس میت کے لیے اور علی بن حجر نے اپنی روایت میں کہا "مِائَةٌ فَمَا فَوْقَهَا" یعنی نماز جنازہ پڑھنے والے سو ہوں اس سے زیادہ۔

تشریح: نماز جنازہ میں جتنے آدمی ہوں اتنے ہی بہتر ہیں لیکن اگر تھوڑے آدمی ہوں تو آدمیوں کی زیادتی کے انتظار میں

تاخیر کرنا جائز نہیں، اگر امام کے علاوہ چھ آدمی ہوں تو پھر یہ تین صفیں بنالیں تو اللہ اس پر جنت واجب کردیتے ہیں۔ ابتداءً حکم تھا کہ اگر کسی مسلمان کی ۱۰۰ آدمی نماز جنازہ پڑھیں تو جنت واجب ہوگی، بعد میں وسعت پیدا کی گئی، چھ آدمی تین صفوں میں نمازِ جنازہ پڑھ لیں تو بھی اللہ تعالیٰ جنت واجب کردیتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّلَاةِ عَلَى الجَنَازَةِ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَعِنْدَ غُرُوبِهَا

طلوع وغروبِ آفتاب کے وقت نمازِ جنازہ مکروہ ہے

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الجُهَنِيِّ قَالَ ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَانَا أَنْ نُصَلِّيَ فِيهِنَّ أَوْ نَقْبُرَ فِيهِنَّ مَوْتَانَا حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتَّى تَرْتَفِعَ، وَحِينَ يَقُومُ قَائِمُ الظَّهِيرَةِ حَتَّى تَمِيلَ وَحِينَ تَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوبِ حَتَّى تَغْرُبَ.

ترجمہ حضرت عقبہ بن عامر جہنی سے روایت ہے کہ تین گھڑیوں میں منع کرتے تھے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے سے اور موتیٰ (میت) کو دفن کرنے سے ایک تو جب آفتاب نکلے چمکتا ہوا جب تک بلند نہ ہوجائے دوسرے جبکہ قائم ہوتی دوپہر جب تک کہ زوال نہ ہو تیسرے جب آفتاب جھکے ڈوبنے کو جب تک غروب نہ ہو۔

تشریح اوقات ثلثہ عند الاستواء، عند الغروب، عند الطلوع نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

قول اوّل: جمہور کے نزدیک مکروہ ہے۔

قول ثانی: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ان اوقات میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ نہیں لیکن دفن کرنا مکروہ ہے۔ منشاء اختلاف یہ ہے کہ حدیث میں "اَنْ نَقْبُرَ" کا حقیقی معنی مراد ہے یا مجازی معنی مراد ہے۔ جمہور کے ہاں معنی مجازی مراد ہے اور شوافع کے ہاں معنی حقیقی مراد ہے۔ جمہور فرماتے ہیں کہ مجازی معنی کو جو ترجیح ہے کیونکہ علت نہی عبادۃ الاصنام کے مشابہت ہے اور مشابہت نماز پڑھنے میں ہے نہ کہ دفن کرنے میں، باقی قبر کا ذکر کیوں کیا اس لیے کہ دفن کرنا سبب ہے اور نماز جنازہ پڑھنا مسبب ہے، گویا کہ مسبب بول کر سبب مراد لیا ہے۔

مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الأَطْفَالِ بچوں کی نمازِ جنازہ

عَنِ المُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاكِبُ خَلْفَ الجَنَازَةِ وَالمَاشِي حَيْثُ شَاءَ مِنْهَا وَالطِّفْلُ يُصَلَّى عَلَيْهِ.

ترجمہ حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سوار ہو وہ جنازہ کے پیچھے چلے اور پیدل جدھر چاہے اور لڑکے پر بھی نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔

تشریح اس پر اجماع ہے کہ اگر بچہ میں علامات دالہ علی الحیات ہوں تو نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

مسئلہ اختلافی: اس میں اختلاف ہے کہ وہ بچہ جس میں علامات دالہ علی الحیات نہ ہوں اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

قول اوّل: جمہور کے ہاں نہیں پڑھی جائے گی۔

قول ثانی: حنابلہ فرماتے ہیں کہ اگر ماں کے پیٹ میں چار ماہ رہ چکا ہو تو نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

جمہور کی دلیل: اگلے باب کی حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں "حتی یستھل" کے الفاظ ہیں، اس سے مراد یعنی یہ کنایہ علاماتِ دالہ علی الحیات سے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ بچہ جس میں علامات دالہ علی الحیات نہ پائی جائیں اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

حنابلہ کی دلیل: حدیث الباب، حدیث مغیرہ بن شعبہ، "والطفل یصلی علیه" یہ عام ہے اس طفل کو بھی شامل ہے جو زندہ پیدا ہوا اور اس طفل کو بھی شامل ہے جو مُردہ پیدا ہو۔

جواب: یہ عام مخصوص منہ البعض ہے کہ صرف وہی بچہ مراد ہے جس میں علامات دالہ علی الحیاۃ پائی جائیں، اس پر قرینہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ "الطفل لا یصلی علیه ولا یورث حتی یستھل"

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الصَّلَاةِ عَلَى الطفل حَتَّى يَسْتَهِلَّ

بچہ پیدائش کے بعد رویا نہ ہو تو اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطِّفْلُ لَا يُصَلَّى عَلَيْهِ وَلَا يَرِثُ وَلَا يُورَثُ حَتَّى يَسْتَهِلَّ

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکے کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں اور نہ لڑکا کسی کا وارث ہوتا ہے اور نہ اُس کا کوئی وارث ہوتا ہے جب تک وہ بعد پیدا ہونے کے روئے یا چلائے نہیں۔

تشریح استہلال کا لغوی معنی ہے آواز کو بلند کرنا اور اصلاحی معنی علامات دالہ علی الحیات ہیں۔ "لا یرث ولا یورث" یعنی استہلال کے بعد اگر ماں کا انتقال ہوا تو بچہ وارث ہوگا۔ اگر چہ بچے کا بعد میں انتقال ہو جائے لیکن اگر استہلال نہ ہو تو وارث نہیں بنے گا اور لا یورث کی صورت یہ ہے کہ کسی نے دوران حمل بچے کے لیے صدقہ یا ہبہ کیا اور استہلال کے بعد انتقال ہوا تو وہ چیز بچے کے ورثاء کو ملے گی لیکن قبل الاستہلال کوئی بھی اس کا وارث نہیں بنے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ فِي الْمَسْجِدِ

نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھنا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى سُهَيْلِ ابْنِ بَيْضَاءَ فِي الْمَسْجِدِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ

جنازہ پڑھی سہیل بن بیضاء پر مسجد میں۔

تشریح مسئلہ اختلافی: مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا اس کی کیا حیثیت ہے، اگر عذر ہو تو بالاجماع جائز ہے، بلا عذر جائز ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: احناف ومالکیہ کے ہاں مکروہ ہے۔

قول ثانی: شوافع وحنابلہ، بلا کراہت جائز ہے۔ پھر احناف کا ایک قول یہ ہے کہ مسجد میں مطلقاً مکروہ ہے خواہ میت خارج مسجد ہو یا داخل مسجد ہو۔

دوسرا قول: اگر میت باہر ہو تو پھر مکروہ نہیں، اور اگر داخل مسجد ہو تو پھر مکروہ ہے۔

منشاء اختلاف یہ ہے کہ علت نہی کیا ہے اگر علت نہی یہ ہے کہ مساجد نماز جنازہ کے لیے موضوع نہیں، "ان المساجد لم تُبنَ لھذا" پھر مطلقاً مکروہ ہے خواہ میت اندر ہو یا باہر ہو اور اگر علت نہی تلوث مسجد ہو تو پھر داخل مسجد کراہت ہوگی خارج مسجد کراہت نہ ہوگی۔

احناف کی دلیل:

نجاشی والا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسجد نبوی سے باہر لے گئے، باوجود یہ کہ میت موجود نہیں تھی اس کے باوجود خارج مسجد نماز جنازہ پڑھی۔

دلیل ثانی: باسانید صحیحہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی کے باہر مشرقی جانب نماز جنازہ کے لیے ایک جگہ متعین کررکھی تھی، اگر مسجد نبوی میں بلا کراہت جائز ہوتی تو جنازہ گاہ مقرر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ باقی اس پر کیا دلیل ہے کہ وہ جنازہ گاہ مسجد سے باہر تھی۔ بخاری شریف میں روایت ہے ایک یہودی اور یہودیہ کا مقدمہ لایا گیا، وہ زنا کے مرتکب ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجم کا حکم دیا اور ان کو مسجد کے پاس جنازہ گاہ میں رجم کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ جنازہ گاہ باہر تھی ورنہ مسجد کے اندر تو رجم نہیں کیا جاتا، ایسے ہی مؤطا محمد میں کہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات بسند صحیح پہنچی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کے باہر جنازہ گاہ بنوایا۔

دلیل ثالث: حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابوداؤد، "من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا شیء لہ" اور بعض روایتوں میں "فلا اجر لہ" یہ حدیث چونکہ احناف کی وزنی دلیل ہے اس لیے اس پر اعتراض کیے گئے۔

اعتراض: ابوداؤد میں اسی حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں جس طرح "لا شیء لہ" اسی طرح "فلا شیء علیہ" یہ دلیل اس بات پر کہ مسجد میں بلا عذر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔

جواب: دیگر احادیث کی کتابوں میں "لا شیء لہ" یا "لا اجر لہ" کے الفاظ ہیں۔ معلوم ہوا کہ "فلا شیء علیہ" کے الفاظ صحیح نہیں۔ نیز اسماء الرجال میں جہاں جہاں اس حدیث کی تخریج کی گئی ہے وہاں "لا شیء لہ" نیز یحییٰ بن سعید القطان نے "لا شیء لہ" کے ساتھ اس حدیث کی تصحیح کی ہے، امام نووی رحمہ اللہ چونکہ وکیل ہیں، شوافع کہ وہ

اعتراض نمبر ۲ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں اگر مان بھی لیا جائے تو پھر بھی یہاں لام بمعنی علیٰ کے ہے۔

جواب: محض احتمال ہے اس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ امام محمد کا اس حدیث سے استدلال تب صحیح ہوگا جب حدیث کو اپنے معنی میں رکھیں گے۔ لہٰذا امام محمد کا اس حدیث سے استدلال قائم کرنا یہ اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ نیز اس حدیث کے راوی ابن ابی ذئب ہیں، وہ بھی اس سے استدلال کر رہے ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ بلا عذر مکروہ ہے اور ظاہر ہے کہ استدلال تب ہی ہوگا جب لام کو حقیقی معنی پر رکھیں گے۔ نیز ابن ابی ذئب امام نووی رحمہ اللہ سے پہلے گزرے ہیں، وہ محاورات عرب کو امام نووی رحمہ اللہ سے زیادہ جانتے ہیں۔

اعتراض: اس کی سند میں صالح مولی بن ابی الطعم ہے اس پر امام مالک نے جرح کی ہے۔

جواب: بیشک امام مالک رحمہ اللہ نے جرح کی ہے لیکن یہ جرح اور کلام اس زمانے کی ہے جب حافظہ میں تغیر ہو گیا تھا لیکن یہ روایت اس زمانے کی ہے جب حافظہ صحیح تھا۔

دیگر آئمہ کی دلیل اوّل:

حدیث الباب، حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا "صلّی رسول اللہ علیہ و آلہ وسلّم علی سهیل بن البیضاء فی المسجد" یہ حدیث متعدد کتب میں موجود ہے، احناف اس حدیث کے متعدد جواب دیتے ہیں۔

جواب اوّل: بیضاوی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے، بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلوٰۃ جنازہ فی المسجد کو ترک فرمایا۔ "وقال آخر الفعلین عن النبی الترک" اور دلیل انکار "عامة الصحابه علی عائشه رضی الله عنها"

جواب ثانی: یہ مسجد میں پڑھنا عذر کی وجہ سے تھا کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معتکف تھے۔ (بحوالہ شامی)

جواب ثالث: "قال بعض العلماء لعلهم صلوا علیه فی مصلی الجنازة و کان قریب المسجد فعبر عنه بالمسجد"

دلیل ثانی: روی ابن ابی شیبہ "ان عمر رضی اللہ عنہ صلی علی ابی بکر فی المسجد و ان صهیب صلی علی عمر فی المسجد وضعت الجنازة تجاه المنبر نیل، ج: ۴، ص: ۷۳ قال ابن عبد البر و ذلک ممخبر من الصحابه ویکون اجماعا سکوتیا"

جوابات احناف، جواب اوّل: ممکن ہے کہ جنازہ باہر ہو اور مصلین فی المسجد ہوں اور یہ صورت عند الاحناف بھی مکروہ نہیں ہے۔

جواب ثانی: کتاب برہان میں ہے "صلوٰة الصحابه علی ابی بکر و عمر فی المسجد لعارض دفنهما عند رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلّم"

جواب ثالث: ملا علی قاری شرح مؤطا میں لکھتے ہیں کہ مسجد حرم فی المکہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ "فانه موضع الجماعات والجمعه والعیدین والکسوفین وصلوٰة الجنازة" بنابریں ہم کہتے ہیں کہ مسجد نبوی بھی اسی حکم میں ہونی چاہیے اور وہ بھی مستثنیٰ ہو اور بلا کراہت اس میں نماز جنازہ جائز ہونی چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَيْنَ يَقُومُ الإِمَامُ مِنَ الرَّجُلِ وَالمَرْأَةِ

مرد اور عورت کی نمازِ جنازہ میں امام کہاں کھڑا ہو؟

عَنْ أَبِي غَالِبٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَلَى جَنَازَةِ رَجُلٍ فَقَامَ حِيَالَ رَأْسِهِ ثُمَّ جَاءُوا بِجَنَازَةِ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ، فَقَالُوا يَا أَبَا حَمْزَةَ صَلِّ عَلَيْهَا، فَقَامَ حِيَالَ وَسْطِ السَّرِيرِ، فَقَالَ لَهُ العَلاءُ بْنُ زِيَادٍ هٰكَذَا رَأَيْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَى الجَنَازَةِ مُقَامَكَ مِنْهَا وَمِنَ الرَّجُلِ مُقَامَكَ مِنْهُ قَالَ نَعَمْ. فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ احْفَظُوا.

ترجمہ حضرت ابی غالب سے روایت ہے کہ نماز پڑھی میں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنازے کی ایک مرد کے سو کھڑے ہوئے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جنازہ کے سر کے برابر پھر ایک عورت کا جنازہ لائے اور وہ قریش میں سے تھی اور کہا لوگوں نے ابا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی بھی نماز پڑھو سو کھڑے ہوئے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جنازے کے بیچ میں یعنی عورت کی میت کے کمر کے مقابل سو کہا علاء بن زیاد نے ایسا ہی دیکھا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہوئے عورت کے جنازے پر جہاں تم کھڑے ہوئے اور مرد کے جنازہ پر بھی جہاں تم کھڑے ہوئے؟ تو انس نے کہا ہاں! پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا اس بات کو یاد رکھو۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى عَلَى امْرَأَةٍ فَقَامَ وَسْطَهَا.

ترجمہ حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کے جنازہ کی نماز پڑھی تو کھڑے ہوئے جنازہ کے بیچ میں یعنی کمر کے مقابل۔

تشریح مسئلہ: میت کے کون سے حصے کی محاذات میں امام کھڑا ہو، جواز میں اتفاق ہے۔ البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ کس حصے کی محاذات میں کھڑا ہونا اولیٰ ہے۔

قول اوّل: احناف کے ہاں مطلقاً سینے کی محاذات میں مرد ہو یا عورت ہو۔

قول ثانی: دیگر آئمہ، اگر مرد ہو تو پھر سر کی محاذات میں اور اگر عورت ہو تو ناف کی محاذات میں۔

احناف کی دلیل: نماز جنازہ میت کے ایمان کی گواہی دینا ہے اور ایمان کا محل صدر ہے تو بہت مناسب ہے کہ محل ایمان کے محاذات میں کھڑا ہو، عام ہے کہ مرد ہو یا عورت ہو۔

یگر آئمہ کی دلیل: حدیث الباب، حدیث انس رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ مرد میت کے سر کے محاذات میں کھڑے ہوئے اور عورت میت کی ناف کی محاذات میں کھڑے ہوئے۔

جواب(۱): یہ بیان جواز پر محمول ہے اور جھگڑا تو افضلیت میں ہے۔

جواب (۲): یہ فہم راوی ہے درحقیقت حضرت انس رضی اللہ عنہ میت کے سینے کی محاذات میں کھڑے تھے لیکن میلان سر کی طرف تھا، اسی کو یہاں رأس سے تعبیر کردیا اور عورت میت کے سینے کی محاذات میں تھے لیکن میلان ناف کی جانب تھا اس کو نقل کردیا وسط العجیزہ کے ساتھ۔

جواب (۳): وسط العجیزہ والی روایت عذر کی وجہ سے تھی اور وہ عذر یہ تھا کہ عورت پر پردہ صحیح نہ تھا، مزید پردے کے لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ عجیزۃ المرأۃ کے محاذات میں کھڑے ہوئے۔

جواب (۴): یہ سب اشکلات تب ہیں جب اس کو وسط پڑھیں، اگر اس کو وسط پڑھیں تو پھر بالکل درمیان کے جز پر بولا جاتا ہے، اور اگر وسط پڑھیں تو طرفین کے ہر جز کو شامل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الصَّلَاةِ عَلَى الشَّهِيدِ

شہید کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنے سے متعلق

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ ثُمَّ يَقُولُ أَيُّهُمَا أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ، فَإِذَا أُشِيرَ لَهُ إِلَى أَحَدِهِمَا قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ، وَقَالَ أَنَا شَهِيدٌ عَلَى هَؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَمَرَ بِدَفْنِهِمْ فِي دِمَائِهِمْ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُغَسَّلُوا۔

ترجمہ حضرت عبدالرحمن بن کعب سے روایت ہے کہ جابر بن عبداللہ نے خبر دی ان کو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکٹھا کردیتے تھے دو دو آدمیوں کو جو شہید ہوتے تھے اُحد میں ایک ایک کپڑے میں یعنی کفن کے بعد پھر فرماتے تھے کون ان میں سے زیادہ قرآن یاد رکھتا تھا پھر جب اشارہ سے بتاتے کہ اس کو قرآن زیادہ یاد تھا تو اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں آگے رکھتے یعنی قبلے کی طرف اور فرماتے کہ میں گواہ ہوں ان کا قیامت کے دن یعنی ان کے ایمان اور وفاداری کا اور حکم کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خون سمیت دفن کردینے کا اور نماز بھی نہیں پڑھی ان پر اور نہ غسل دیا۔

تشریح شہید فی المعرکہ یعنی میدان حرب کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ عندالجمہور اور عام احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے اور سب تکرما ہے کیونکہ یہ خون قیامت کے دن موجب زینت ہوگا۔ البتہ صلوٰۃ علی الشہید میں اختلاف ہے۔

مذہب اوّل: عند ابی حنیفہ شہید پر صلوٰۃ پڑھی جائے گی وبہ قال الثوری واسحاق۔

مذہب ثانی: عندالشافعی و مالک اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ "وقال احمد يستحب الصلوة عليه وجاز

تر کھا" البتہ باتفاق آئمہ اربعہ اسے غسل نہیں دیا جائے گا۔ احناف کا مذہب اقویٰ ہے کیونکہ متعدد روایات میں صلوٰۃ علی الشہید ثابت ہے۔

دلائل احناف، دلیل اوّل: نصب الرایہ صفحہ ۳۱۴ پر ہے "عن عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم خرج یومًا فصلی علی اھل احد صلوته علی المیّت بخاری ج: ۱، ص: ۱۷۶، مسلم، ج: ۱، ص: ۲۵۰"

مگر نووی کہتے ہیں کہ یہاں پر صلوٰۃ سے مراد صرف دُعا ہے۔ حافظ عینی اعتراض نووی کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ قول صلوٰۃ علی المیّت قول نووی کی تردید کرتا ہے کیونکہ اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ (نیل، ج: ۴، صفحہ ۴۸)

دلیل ثانی: مستدرک ج: ۳، صفحہ ۵۵۵، نسائی صفحہ ۲۱۶، طحاوی صفحہ ۲۴۴ پر ہے "عن شداد بن الھاد ان رجلا من الاعراب جاء الی النّبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم فامن بہ الی ان قال فاستشھد فصلی علیہ النّبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم و قال انا شھد علیہ"

سوال: اس دلیل پر علامہ شوکانی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ مرسل روایت ہے کیونکہ شداد تابعی ہے؟

جواب: یہ بلاشبہ صحابی رسول ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں لہ صحبۃ اور حافظ تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں صحابی "شھد الخندق و مابعدھا"

دلیل ثالث: دارقطنی صفحہ ۱۹۳ پر ہے "عن ابی مالک قال لما استشھد اھل احد کان حمزہ بین یدیہ ثم یؤتی بتسعۃ عاشرھم حمزہ فصلی علیھم النّبی صلی اللہ علیہ وسلّم ثم تجاوز تسع و ھکذا طحاوی صفحہ ۲۹۰ عرف شذی صفحہ ۳۴۷ و سندہ صحیح"

دلیل رابع: ابوداؤد ج: ۱، صفحہ ۵۱ "ان النّبی مر علی الحمزۃ و قد مثل بہ و لم یصلی علی احد من الشھداء غیرہ حمزہ رضی اللہ عنہ ای لم یصلی بالاستقلال و لا فراد الا علی حمزہ رضی اللہ عنہ" کیوں کہ باقی صحابہ رضی اللہ عنہم نو نو لائے جاتے تھے۔

دلیل خامس: ابوداؤد کی مراسیل میں حضرت عطاء سے ایک روایت مروی ہے: "قال صلی النّبی صلی اللہ علیہ وسلّم علی قتل احد"

دلائل شافعی وغیرہ، دلیل اوّل:

وہ استدلال کرتے ہیں حدیث باب سے "و فیہ و لم یصلی علیھم و لم یغسلوا"

جواب: سابقہ احادیث سے "صلوۃ علی قتلی احد" ثابت ہوئی تو لامحالہ اس حدیث کو یا تو بسبب تعارض مرجوح قرار دیں گے کیونکہ اثبات مقدم ہے نفی پر یا رفع تعارض کے لیے تاویل کریں گے۔ تاویل یہ ہے "ای لم یصلی علیھم بالانفراد بل کانوا مع حمزہ رضی اللہ عنہ"

دلیل ثانی: شہید مغفور ہے تو صلوٰۃ جنازہ کی حاجت نہیں ہے۔

جواب: اولاً یہ ہے کہ اسے حقوق العباد مغفور نہیں ہیں "کما ثبت فی عامۃ الروایات ثانیا" یہ جو صاحب ہدایہ نے لکھا ہے "قال لا یجب ان تکون الصلوٰۃ لعاصی" اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی بھی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ابوداؤد طیالسی میں ہے "ینزل عیسٰی علیہ السلام فیموت فیصلی علیہ المسلمون" حالانکہ وہ معصوم ہیں۔(تحفہ،ج:۳،صفحہ ۱۴۸)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْقَبْرِ قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا

عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي مَنْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَأَى قَبْرًا مُنْتَبِذًا فَصَفَّ أَصْحَابَهُ خَلْفَهُ فَصَلَّى عَلَيْهِ، فَقِيلَ لَهُ مَنْ أَخْبَرَكَهُ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ.

ترجمہ حضرت شعبی سے روایت ہے کہ خبر دی مجھ کو اس نے جس نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک قبر کو دور تو صف باندھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اور نماز پڑھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبر پر جنازہ کی سو کہا گیا شعبی سے کس نے خبر دی تم کو کہا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَائِبٌ فَلَمَّا قَدِمَ صَلَّى عَلَيْهَا وَقَدْ مَضَى لِذَلِكَ شَهْرٌ.

ترجمہ حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ اُم سعد وفات پا چکی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے گئے تھے پھر جب آئے تو ان پر نماز (غائبانہ) پڑھی، ان کے مرنے کو مہینہ بھر ہو چکا تھا۔

تشریح مسئلہ اختلافی: قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائز ہے یا نہ؟

قول اوّل: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے۔

قول ثانی: امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک جس آدمی نے نماز جنازہ نہ پڑھی ہو وہ قبر پر نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔

قول ثالث: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قبر پر نماز جنازہ پڑھنی ناجائز ہے۔البتہ دو صورتوں میں نماز جنازہ قبر پر جائز ہے۔(۱) جبکہ میت کے ولی نے نماز جنازہ نہ پڑھی ہو۔(۲) جب کسی آدمی کو بغیر نماز جنازہ کے دفن کر دیا گیا ہو اور یہ دونوں صورتیں بھی مشروط ہیں ساتھ ایک شرط کے۔وہ شرط یہ ہے کہ قبر پر نماز جنازہ تب جائز ہے جبکہ اعضاء میں انتشار نہ ہو۔بعض حضرات نے اس کی حد تین دن بیان کی ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ اماکن احوال اور کیفیات کا لحاظ ہوگا۔

احناف کے دلائل، دلیل اوّل: طبرانی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا ہے۔علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ جب قبر کے درمیان نماز جنازہ ممنوع ہے تو عین قبر پر نماز جنازہ بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔

دلیل ثانی: تعامل الناس ہے کہ سلف صالحین میں سے کسی نے آج تک روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نماز جنازہ

نہیں پڑھی حالاں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارک محفوظ ہیں۔
فریق مخالف کی دلیل: حدیث الباب ہے۔
جواب: یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مؤمنین کے ولی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النَّجَاشِيِّ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نجاشی کی نماز پڑھنا

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَخَاكُمُ النَّجَاشِيَّ قَدْ مَاتَ فَقُومُوا فَصَلُّوا عَلَيْهِ، قَالَ فَقُمْنَا فَصَفَفْنَا كَمَا يُصَفُّ عَلَى الْمَيِّتِ وَصَلَّيْنَا عَلَيْهِ كَمَا يُصَلَّى عَلَى الْمَيِّتِ

ترجمہ حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بھائی نجاشی مر گئے سو کھڑے ہو گئے ہم اور صف باندھی ہم نے جیسے صف باندھتے ہیں میت کے پاس اور نماز پڑھی ہم نے ان کی جیسے نماز پڑھتے ہیں جنازے کی۔

تشریح مسئلہ اختلافی: غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
قول اوّل: احناف و مالکیہ، لا یجوز۔
قول ثانی: شوافع و حنابلہ کے نزدیک جائز ہے۔
احناف کی دلیل اوّل: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں سرایا میں اسی طرح متعدد اسفار میں متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے لیکن کہیں بھی منقول نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھا ہو، خصوصاً بیرِ معونہ میں ستر صحابہ رضی اللہ عنہم قراء شہید ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑا غم ہوا، ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھی لیکن یہ کہیں نہیں منقول کہ ان کی نماز جنازہ پڑھی ہو۔
دلیل ثانی: اگر غائبانہ نماز جنازہ مشروع ہوتی تو خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وفات میں شرقاً غرباً اسلام پھیل چکا تھا تو شرقاً غرباً ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جاتی۔
شوافع کی دلیل: حدیث الباب کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔
جواب (۱): یہ صرف خصوصیت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پر غیر کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔
جواب (۲): یہ غائبانہ نماز جنازہ تھی ہی نہیں بلکہ حاضر میت پر تھی۔ جیسا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ میت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کر دی گئی، حجابات اُٹھا دیئے گئے۔ لہٰذا یہ نماز جنازہ حاضر میت پر ہے۔ چنانچہ اس حدیث راوی عمران بن حصین فرماتے ہیں "فقام النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم فصلوا خلفہ وھم لا یظنون الا ان جنازتہ بین یدیہ" اور مسند

ابی عوانہ میں عمران بن حصین فرماتے ہیں "فصلینا و نحن لانری الا اَنّ قُدَّامنا" ان روایات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے جنازہ احضار المیت تھا غائب میت کا نہ تھا اور یہ کوئی مستبعد بھی نہیں اس لیے کہ معراج کی شب کے بعد جب مشرکین نے بیت المقدس کے بارے میں سوال کیا تو اللہ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا تو میں دیکھ کر جواب دیتا رہا۔

جواب (۳): امام ابوداؤد نے اس جواب کی طرف اشارہ کیا ہے اگر کوئی مسلمان کفرستان میں مرجائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھے بغیر اس کو دفن کر دیا جائے تو دار السلام میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے اور یہی حال ہے نجاشی کا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کیا یہ بات بالکل صحیح ہے؟ بشرطیکہ ثابت ہو جائے کہ اس کو بغیر نماز جنازہ پڑھے دفن کیا گیا ہے۔

جواب (۴): ثابت ہے گھبرانے کی بات نہیں بلکہ نجاشی نے اسلام کو چھپا رکھا تھا، اس کے اسلام کے متعلق صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے، باقی نہیں جانتے تھے اس لیے انہوں نے بغیر نماز جنازہ پڑھے اس کو دفن کر دیا، باقی اس نجاشی کا نام اَصحمہ تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ نمازِ جنازہ کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ فَلَهُ قِيرَاطٌ وَمَنْ تَبِعَهَا حَتَّى يُقْضَى دَفْنُهَا فَلَهُ قِيرَاطَانِ أَحَدُهُمَا أَوْ أَصْغَرُهُمَا مِثْلُ أُحُدٍ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِابْنِ عُمَرَ فَأَرْسَلَ إِلَى عَائِشَةَ فَسَأَلَهَا عَنْ ذَلِكَ فَقَالَتْ صَدَقَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ لَقَدْ فَرَّطْنَا فِي قَرَارِيطَ كَثِيرَةٍ

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نمازِ جنازہ پڑھے اس کے لیے ایک قیراط ثواب ہے اور قیراط تول میں پانچ جو کا ہوتا ہے اور جو جنازہ کے پیچھے چلے یہاں تک کہ اس کے دفن سے فراغت ہو جائے تو اس کے لیے دو قیراط بھر ثواب ہے ایک ان قیراط کا مثل کوہِ اُحد کے ہے یا چھوٹا ان میں۔ راوی کو شک ہے کہ احدھما فرمایا یا اصغرھما۔ پھر راوی کہتا ہے کہ ذکر کی میں نے یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تو انہوں نے پوچھوا بھیجا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تو فرمایا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سچ کہتے ہیں تو کہا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ہم نے تو بہت سے قیراطوں کا نقصان کیا۔

تشریح "فذکرت ذالک الخ" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس لیے نہیں بھیجا کہ ان کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بات پر یقین نہ تھا بلکہ مزید اطمینان کیلئے بھیجا تھا۔

بَابٌ آخَرُ دوسرا باب

أَبَا الْمُهَزِّمِ قَالَ صَحِبْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَشْرَ سِنِينَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً وَحَمَلَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ مِنْ حَقِّهَا.

ترجمہ حضرت ابوالمہزم سے روایت ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ میں رہا دس برس تک تو سنا میں نے ان سے کہ فرماتے تھے سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے کہ جو پیچھے چلا جنازے کے اوپر اُٹھائے اس کو تین بار یعنی تین بار کندھا دے تو پورا کر چکا اس کا حق جو اس پر تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِيَامِ لِلْجَنَازَةِ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونا

عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا لَهَا حَتَّى تُخَلِّفَكُمْ أَوْ تُوضَعَ.

ترجمہ حضرت عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دیکھو جنازہ تو کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ پیچھے چھوڑ جائے وہ تم کو یا اُتارا جائے کندھوں سے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا لَهَا فَمَنْ تَبِعَهَا فَلَا يَقْعُدَنَّ حَتَّى تُوضَعَ.

ترجمہ حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنازہ دیکھو تم تو کھڑے ہو جاؤ اور نہ بیٹھے جو جنازے کے ساتھ ہو جب تک جنازہ نہ اُتارا جائے کندھوں سے۔

بَابُ فِي الرُّخْصَةِ فِي تَرْكِ الْقِيَامِ لَهَا جنازہ دیکھ کر کھڑے نہ ہونے کے متعلق

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّهُ ذُكِرَ الْقِيَامُ فِي الْجَنَائِزِ حَتَّى تُوضَعَ، فَقَالَ عَلِيٌّ قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَعَدَ.

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے یا کسی اور نے ذکر کیا جنازہ دیکھ کر کھڑے رہنے کا جب تک جنازہ زمین پر نہ رکھا جائے تو فرمایا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے کھڑے ہوتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر بیٹھنے لگے۔

تشریح ابتداءً جنازہ کو دیکھ کر قیام کا حکم تھا اور یہ حکم چند اسباب کی وجہ سے تھا۔ (۱) فزعۃ الموت۔ یعنی موت گھبراہٹ والی چیز ہے اس کو دیکھ کر گھبراہٹ آنی چاہیے۔ (۲) تعظیم میت، جبکہ میت مسلمان ہو۔ (۳) تعظیم ملائکہ، ملائکہ ہر میت کے ساتھ ہوتے ہیں، اگر میت مسلمان ہو تو ملائکہ رحمت ہوتے ہیں اور اگر میت فاسق و فاجر اور کافر ہو تو ملائکہ عذاب ہوتے ہیں۔

(۴) اگر غیر مسلم کی میت ہو تو غیر مسلم کا جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک سے اونچا نہ ہو۔ یہ اسباب ہیں، کسی

حدیث میں کوئی سبب بیان کیا گیا اور کسی میں کوئی بیان کیا گیا اور ایک شئی کے سبب متعدد ہو سکتے ہیں، کوئی تعارض نہیں، یہ حکم ابتداء تھا، بعد میں یہ حکم بالاجماع منسوخ ہو گیا، ایسا وقت بھی آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنازہ کو دیکھ کر بیٹھے ہی رہتے، ابتداءً ایسا ہوتا۔

دلیل نسخ: دوسرے باب میں حدیث علی رضی اللہ عنہ ابتداءً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو جاتے، "ثم قعد" پھر بعد میں بیٹھے ہی رہتے، صرف وجوب منسوخ ہے اولویت منسوخ نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّحْدُ لَنَا، وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لحد ہمارے لیے ہے اور شق اوروں کے لیے

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لحد ہمارے لیے ہے اور شق ہمارے سوا اوروں کے لیے۔

تشریح: ترجمۃ الباب بلفظ الحدیث، لحد بغلی قبر کو کہتے ہیں، شق صندوق نما قبر کو کہتے ہیں۔ باقی اس کا معنی کیا ہے؟ راجح معنی یہ ہے کہ بغلی قبر مدینہ والوں کے لیے ہے اور ان لوگوں کے لیے جن کی زمینیں لحد بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ "والشق لغیرنا"

پہلا مطلب: شق اہل مکہ اور ان لوگوں کے لیے ہے جن کی زمین لحد کی صلاحیت نہیں رکھتی، اس مطلب کے مطابق لحد کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

سوال: لحد کو فضیلت کیوں حاصل ہے؟

جواب (۱): تکوینی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اللہ نے لحد کو منتخب کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے ساتھ توافق کی وجہ سے افضل ہے۔

جواب (۲): لحد میں تعظیم زیادہ ہے اس لیے کہ بمنزلہ بیت ہے۔ چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر قرآن کے اوراق بوسیدہ ہوں تو افضل یہ ہے کہ لحد کی صورت میں گڑھا کھودا جائے، اس کی افضلیت اس حدیث سے نہیں بلکہ دیگر خارجی دلائل کی وجہ سے ہے۔

دوسرا مطلب: "اللحد لنا" یعنی لحد ہم معاشرہ کے لیے ہے اور شق اُمتیوں کے لیے ہے۔ اس صورت میں فضیلت تو حاصل ہو جائے گی۔ اگرچہ ماسواء کے لیے لحد افضل ہے لیکن شق بھی جائز ہے۔

سوال: صحابہ رضی اللہ عنہم کا کیونکر اختلاف ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر کے بارے میں کیوں کہ جب لحد انبیاء علیہم السلام کے لیے ہے؟

جواب: یہ اختلاف اس وجہ سے نہیں تھا کہ ان کو علم نہ تھا کہ لحد افضل ہے بلکہ دیگر عوارض کی وجہ سے کہ پہلے سے تدفین میں تاخیر ہو گئی، اگر لحد بنائی جاتی تو مزید تاخیر ہو جاتی۔

تیسرا مطلب: "اللحد لنا" یعنی لحد میرے لیے اور میری اُمت کے لیے اور شق ہمارے ماسواء دیگر اُمتوں کے لیے کیونکہ دیگر اُمتیں سہولت پسند ہیں، لحد شق بنانے میں سہولت ہے اور ہم اجر کے لیے حریص ہیں، اس لیے ہمارے لیے پسندیدہ لحد ہے، ان تینوں مطلبوں کے مطابق بیشک فضیلت ثابت ہو جائے گی لیکن اعتراض پھر بھی ہے کہ جس طرح اُمت محمدیہ کے لیے لحد جائز ہے اسی طرح شق بھی جائز ہے۔ ابو عبیدہ شق بناتے تھے، اس لیے راجح جواب پہلا ہی ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

باب ماجاء مايقول اذا دخل الميّت قبره

میت کی تدفین کے وقت کیا پڑھا جائے

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أُدْخِلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ وَقَالَ أَبُو خَالِدٍ مَرَّةً إِذَا وُضِعَ الْمَيِّتُ فِي لَحْدِهِ قَالَ مَرَّةً بِسْمِ اللهِ وَبِاللهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللهِ وَقَالَ مَرَّةً بِسْمِ اللهِ وَبِاللهِ وَعَلَى سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رکھتے میت کو قبر میں تو یہ دُعا پڑھتے اور ابو خالد راوی نے کہا جب میت رکھی جاتی لحد میں تو یہ دُعا پڑھتے: بِسْمِ اللهِ وَبِاللهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی قبر میں رکھتا ہوں اس میت کو اللہ کے نام سے اور اللہ کی مغفرت اور مدد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت یعنی طریقہ پر اور دوسری بار ابو خالد نے یہ دُعا روایت کی بِسْمِ اللهِ وَبِاللهِ وَعَلَى سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اور مطلب دونوں دُعاؤں کا ایک ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ يُلْقَى تَحْتَ الْمَيِّتِ فِي الْقَبْرِ

قبر میں میت کے نیچے کپڑا بچھانا

عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ الَّذِي أَلْحَدَ قَبْرَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُو طَلْحَةَ، وَالَّذِي أَلْقَى الْقَطِيفَةَ تَحْتَهُ شُقْرَانُ مَوْلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَعْفَرٌ وَأَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي رَافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ شُقْرَانَ يَقُولُ أَنَا وَاللهِ طَرَحْتُ الْقَطِيفَةَ تَحْتَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقَبْرِ

ترجمہ حضرت محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جس نے لحد کھودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ ابو طلحہ تھے اور جس نے بچھادی چادر مبارک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں حضرت کے نیچے وہ شقران تھے غلام آزاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہا جعفر نے اور خبر دی مجھ کو ابن ابی رافع نے کہا سنا میں نے شقران سے کہتے تھے قسم ہے اللہ کی

میں نے ہی بچھادی چادر مبارک نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں اور یہ شاید اس لیے بچھادی ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی دوسرا نہ بچھائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر خاص تھا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جُعِلَ فِي قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطِيفَةٌ حَمْرَاءُ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ بچھادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں چادر سرخ۔

تشریح قبر میں بچھونا بچھانا مکروہ ہے۔ باقی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نیچے چادر بچھائی گئی۔

جواب: شقران نامی غلام نے اس خیال سے بچھایا کہ آپ کی استعمال کردہ چادر کوئی اور استعمال نہ کرے لیکن جب اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو علم ہوا تو وہ چادر نکال دی گئی۔ حدیث ثوب واحد کی قید لگائی گئی ہے کیونکہ زائد کپڑوں کے بارے میں عدم جواز پر اتفاق واجماع ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَسْوِيَةِ الْقُبُورِ قبروں کو زمین کے برابر کرنا

عَنْ أَبِي وَائِلٍ أَنَّ عَلِيًّا قَالَ لِأَبِي الْهَيَّاجِ الْأَسَدِيِّ أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تَدَعَ قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ وَلَا تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ.

ترجمہ حضرت ابی وائل سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی الہیاج اسدی سے فرمایا میں تم کو بھیجتا ہوں اس کام کے لیے جس کے واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو بھیجا تھا کہ نہ چھوڑے تو کوئی قبر بلند مگر اس کو برابر کردے یعنی زمین کے اور نہ چھوڑے کسی تصویر کو بے مٹائے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: قبر کی کیا ہیئت ہونی چاہیے؟ احناف کے نزدیک مسنم کی طرح یعنی اونٹ کی کوہان کی طرح۔

دلیل: حدیث ابوسفیان، تمار، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کو دیکھا تو وہ مسنم کی طرح تھی۔ شوافع، حدیث ابوھیاج، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا میں تجھ کو اس کام پر نہ بھیجوں جس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا تھا وہ یہ کہ قبروں کو برابر کردو، شوافع اس تسویہ سے مراد مربع لیتے ہیں۔

جواب: تسویہ سے تسویہ تقریبی ہے کہ حد اعتدال، یعنی اگر زیادہ اُبھری ہوئی ہو تو اس کو گرادو، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ قبر اتنی ہونی چاہیے کہ جس سے معلوم ہوجائے یہ قبر ہے یعنی قبر اور غیر قبر کا امتیاز ہو، اگر تسویہ حقیقی ہو تو پھر زجر پر محمول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْمَوْطِي عَلَى الْقُبُورِ، وَالْجُلُوسِ عَلَيْهَا

قبروں پر چلنا اور بیٹھنا منع ہے

عَنْ أَبِي مَرْثَدٍ الْغَنَوِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا

ترجمہ حضرت ابی مرثد غنوی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبروں پر نہ بیٹھو اور ان کی طرف نماز نہ پڑھو۔

تشریح جلوس علی القبور مطلقاً ممنوع ہے یا خاص صورت ہے؟ فرماتے ہیں کہ اگر مطلق جلوس ہو پھر ممانعت تنزیہی کے درجہ میں ہے اور اگر جلوس علی الاہانۃ ہو پھر ممانعت تحریم کے لیے ہے اور اگر علی وجہ المحاورہ ہو تو پھر بھی تحرم ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ تَجْصِيصِ الْقُبُورِ، وَالْكِتَابَةِ عَلَيْهَا

قبروں کو پختہ کرنا اور ان پر لکھنا مکروہ ہے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُجَصَّصَ الْقُبُورُ وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهَا وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهَا وَأَنْ تُوطَأَ.

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا قبروں کے پختہ بنانے سے اور اس کے اوپر یا اس کے پاس لکھنے سے اور اس کے اوپر مکان یا گنبد بنانے سے اور اس پر چلنے سے۔

تشریح قبروں کو پختہ بنانا ممنوع ہے اور اس پر کتابت بھی ممنوع ہے لیکن کتابت کی نہی معلول بالعلت ہے، اگر اہانت کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان بن مظعون کی وفات کے موقع پر ایک صحابی کو کہا کہ پتھر اُٹھاؤ وہ نہ اُٹھا سکے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوشش فرما کر خود اُٹھایا اور فرمایا کہ میں اپنے بھائی کی قبر پر پتھر رکھنا چاہتا ہوں بطور علامت کے، باقی قبروں کو گارے سے لیپنا اس میں کوئی حرج نہیں، احناف کے ہاں بھی کوئی حرج نہیں اگر کوئی کردے تو خلاف اولیٰ ہے یعنی لیپ دے۔

بَابُ مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا دَخَلَ الْمَقَابِرَ قبرستان جانے کی دُعا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُورِ الْمَدِينَةِ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ يَغْفِرُ اللهُ لَنَا وَلَكُمْ أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہا انہوں نے گزرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی قبروں پر سو ان کے سامنے کیا اپنا منہ اور کہا السلام سے آخر تک اور معنی اس کے یہ ہیں: سلام ہے تم پر اے قبر والو! اللہ بخشے ہم کو اور تم ہمارے پیش خیمہ ہو ہم تمہارے پیچھے ہیں۔

تشریح ایک شخص قبرستان آئے تو کیا کرے؟ حدیث ہذا سے معلوم ہوا کہ قبرستان میں آ کر سلام کہنا چاہیے اور سلام اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ وہ سماع کریں۔ بعض احادیث میں ہے کہ وہ قبروں کے اندر جواب بھی دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مُردے سماع کرتے ہیں۔ یہاں پر دو مسئلے ہیں۔

اوّل: "سماع موته علی العموم" کہ عام مُردے سنتے ہیں یا نہیں؟ دوم: "سماع موته علی الخصوص "خصوصاً انبیاء علیہم السلام سنتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ اولیٰ: اختلاف ہے کہ عام موتہ سنتے ہیں یا نہیں اور یہ اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے سے لے کر آج تک موجود ہے، بعض اس کے قائل اور بعض منکر، ہمارے اکابر دیوبند میں حضرت مولانا گنگوہی اور مولانا حسین علی منکر تھے۔ باقی سب علماء دیوبند سماع موتہ کے قائل تھے۔ قریب جا کر ہر مُردہ سنتا ہے حتیٰ کہ کافر بھی سنتا ہے۔ فقہاء احناف میں ابن ہمام بھی منکر ہیں لیکن عام فقہاء اس کے قائل ہیں۔

سماع موتہ کی دلیلیں:

دلیل اوّل: حدیث میں ہے کہ جب مُردے کو دفنایا جائے اور لوگ واپس آئیں "وفیه انه یسمع قرع نعالهم" اکثر علماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد سماع معروف ہے وہ باقاعدہ سماع کرتے ہیں۔ کوکب الدری صفحہ ۳۱۹ پر ہے سماع کی تاویل کرتے ہوئے "قال هذا کنایه عن سرعة اتیانهم بعد الدفن لا حقیقت السماع" لیکن یہ معنی جمہور اُمت میں سے کسی سے منقول نہیں ہے۔ لہٰذا یہ معتبر نہیں ہے حتیٰ کہ ابن ہمام منکر سماع بھی قائل ہیں سماع قرع نعال کے۔ (بخاری صفحہ ۱۷۸، مسلم صفحہ ۳۸۶، مستدرک صفحہ ۳۷۹، ابوداؤد ج:۲، صفحہ ۲۹۸، موارد صفحہ ۱۹۹)

دلیل ثانی: حدیث جنگ بدر جو قلیب بدر سے مشہور ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رؤسا قریش کو قلیب بدر میں ڈالا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کلام فرمایا "قال هذا وجدتم ما وعد کم ربکم انا وجدنا ما وعدنا ربّنا فقال عمر رضی اللہ عنه یا رسول اللہ تتکلم مع اجساد لیس فیها ارواح فقال علیه السلام والذی نفس محمد بیده ما انتم باسمع لما اقول منهم لکنهم لا یوجبون" یہ سماع موتہ کی مضبوط و واضح دلیل ہے۔ اس لیے منکرین بھی اس پر خوب بحث کرتے ہیں اور وہ تاویلیں کرتے ہیں۔ منکرین کے اس حدیث میں دو قول ہیں۔

اوّل: یہ مخصوص ہے "بالنبی علیه السلام بقریه قوله لما اقول لما اقول"

قول ثانی: روایت قتادہ رضی اللہ عنہ ہے "احیاهم اللہ حتی اسمعهم کلامه نقمة و حسرة" اور یہ بھی خصوصیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے لیکن یہ دونوں قول بے دلیل ہیں اور بعید ہیں۔

دلیل ثالث: فتح الملہم، ج:۲، ص:۵۰۸، کتاب الرواح لابن قیم صفحہ ۱۰۴، مختصر تذکرہ قرطبی لشعرانی، ج:۱، ص:۳۸، کتاب الدلیل، ص:۸۴۱، نواب صدیق حسن خان میں ہے "عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال قال صلی اللہ علیه وسلّم ما من احدیمر بقبر اخیه مؤمن یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الاعرفه ورد علیه السلام قال القرطبی صححه عبدالحق الاشبیلی شوکانی، نیل، ج:۳، صفحہ ۳۴۶" پر لکھتے ہیں۔ "قد صحح حدیث ابن عباس رضی اللہ عنهما" شیخ عثمانی لکھتے ہیں "والصواب ان المیّت اهل الخطاب مطلقاً لقول علیه السلام ما من احدیمر بقبر اخیه

مؤمن الخ" شیخ عثمانی فرماتے ہیں "والذی یحصل لنا من مجموع النصوص ان سماع الموته ثابت فی الجمله بالاحادیث الکثیره صحیحه انتهی ابن تیمیه کتاب اکتفا صراط المستقیم، ص: ۳۷۹" پر لکھتے ہیں "وسماع الموته للاصوات من السلام والقرأة حق انتهی مرقات، ج: ۲، ص: ۲۱۰" پر ملاں علی قاری لکھتے ہیں: "ان سائر الاموات ایضًا یسمعون السلام والکلام وتعرض علیهم اعمال اقاربهم فی بعض الایام انتهی مختصر الفتاویٰ ص: ۱۷۹" پر ہے "وسماع الموته یقرع نعالهم والسلام علیهم ونحو ذلک مما ثبت ان جنس الاموات یسمعونه لیس فی ذلک مخصوصًا بقوم انتهی" نواب صدیق حسن خان کتاب الدلیل صفحہ ۸۴۰ پر لکھتے ہیں، "وجملة اموات اذ مؤمنین و کفارد و حصول علم و شعور و ادراک سماع و عرض اعمال و در جواب زائر برابر اند تحصیص بانبیاء کرام نیست انتهی"

دلیل رابع: ترمذی میں ہے "عن ابن عباس رضی اللہ عنهما انه علیه السلام ذهب الی قبور مدنیه فقال السلام علیکم یا اهل القبور انتهی" اور یہ سلام اور یہ خطاب سماع پر دال ہے۔ اگر موتہ سماع نہ کرتے تو ان پر سلام کہنا بے فائدہ ہے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بھی سماع موتہ کے قائل تھے، جمال قاسمی صفحہ ۱۹ اپنے خیال نارسا کے موافق سمع اموات حد اسماع سے تو پرے ہے پر استماع ممکن ہے۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے "انک لا تسمع الموتی" فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باوجود اس کے سلام اہل قبور کو مسنون قرار دیا تو اگر استماع ممکن نہیں تو یہ بیہودہ حرکت ہے۔ سلام اہل قبور ملحدوں کی زبان درازی کے لیے کافی ہے۔ شیخ عثمانی نے صورت روح "انک لا تسمع الموتی" کی آیت میں سماع موتہ کا اثبات کیا ہے۔ ابن القیم کتاب الروح صفحہ ۴ "وسلف مجموع علی هذا ان الموات تعرف الاحیاء وترد علیهم السلام وقد تواتر الاثار بان المیّت یعرف زیارت الحی ویستبشر به" مولانا حسین علی تحریرات حدیث صفحہ ۲۵۷ پر لکھتے ہیں "ونومن بان المیّت یعرف من یزوده اذا اتاه وبعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس انتهی حرف شذی صفحہ ۳۵۳" پر بھی بتایا گیا ہے کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنهما سے سماع موتہ ثابت ہے۔

مولانا انور شاہ لکھتے ہیں مشہور ہے کہ ابو حنیفہ سماع موتہ کے قائل نہیں لیکن یہ قول غلط ہے اور امام ابو حنیفہ سماع موتہ کے قائل تھے۔ البتہ اس غلط قول کا منشاء ایک مسئلہ ہے، کتاب الایمان "اذا حلف ان لا یتکلم فلانا فمات الرجل ... لا یحنث" اس مسئلہ ابو حنیفہ سے بعض نے کہا کہ وہ سماع موتہ کے قائل نہیں تھے جبھی تو فرمایا کہ یہ شخص متکلم علی القبر حانث نہیں ہے، اگر اندر والا باقاعدہ سماع کرتا تو متکلم حانث ہوتا مگر حق یہ ہے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ سماع موتہ کے قائل تھے اور اس کا سماع موتہ وعدم سماع کا کوئی تعلق نہیں ہے اور عدم حنث کی وجہ یہ ہے کہ ایمان مبنی ہے عرف پر اور اہل عرف کو سماع موتہ کا پتہ نہیں ہے اور نہ عرف میں متکلم علی القبر کو متکلم مع المیت نہیں کہتے۔ اس لیے حانث نہیں ہوتا، بہر حال ابو حنیفہ رحمہ اللہ سماع موتہ کے قائل تھے۔ تفسیر ابن کثیر، ج: ۳، صفحہ ۴۳۸ بحث طویل کے بعد سماع موتہ کا اثبات کیا ہے۔

دلائل منکرین سماع موتہ:

دلیل اوّل: قرآن میں ہے "انک لا تسمع الموتی وما انت بمسمع من فی القبور" اس سے صاف معلوم ہے کہ موتہ سماع نہیں کرتے۔

جواب اوّل: سماع واسماع میں فرق ہے جس کا بیان کلام نانوتوی میں گزر گیا۔ اسماع کا معنی ہے اپنے اختیار سے سنانا تو چونکہ سماع موتہ خارجی ظاہری اسباب سے خارج ہے اور خرق عادت ہے، اس لیے اسماع کی نفی کی جو ہمارا فعلی واختیاری نہیں ہے تو ثبوت سماع کے ہوتے ہوئے نفی اسماع میں کوئی بعد نہیں ہے۔ "کما فی قولہ تعالٰی انک لا تھدی من احببت" یہاں پر ہدایت کی نفی ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام ہدایت تھا اور وہ ہادیٔ اکبر تھے تو یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہدایت تمہارے اختیار میں نہیں ہے اور سماع موتہ بھی انسانوں کے اختیار میں نہیں ہے تو باوجود ثبوت سماع کے اسماع کی نفی کی "ای السماع لیس بقبضتک"

جواب ثانی: ابن القیم کتاب الروح صفحہ ۵۵ پر لکھتے ہیں کہ اس آیت سے استدلال انتفاء سماع موتہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس سے مقصد یہ ہے کہ یہ خطاب کفار کو ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماع اور تبلیغ سے منتفع نہیں ہوتے تو ان کا دل مثل میت ہے جس طرح کوئی میت کو اسماع نافع نہیں کر سکتا تو اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ بھی میت القلب ہیں تو ان کو ایسا اسماع جس سے وہ منتفع ہوں حاصل نہیں ہے۔

"قال ابن القیم فسیاق الایة یدل علی ان المراد منھا ان الحاضر میت القلب لا تقدر علی اسماعه اسماعا ینتفع به کما ان من فی القبور لا تقدر و اعلی اسماعھم اسماعا ینتفعون به ولم یرد سبحانه تعالٰی ان اصحاب القبور لا یسمعون البتة انتھی" منفی اسماع نافع ہے نہ مطلق اسماع۔ شیخ بدر الدین مختصر الفتاویٰ صفحہ ۱۸۹ پر لکھتے ہیں "قوله انک لاتسمع الموتی المراد باسماع الموتی المعتاد الذی یتضمن القبول والانتفاع فلمنفی ھذا الاسماع ھذا کما فی قوله تعالٰی ولو علم اللہ فیھم خیرا لا سمعھم وقوله تعالٰی لو کنا نسمع او نعقل فانما نفی سمعا القلب المتضمن للفھم والقبول انتھی روح المعانی، ج: ۲۱، صفحہ ۵۷" پر لکھتے ہیں "تحت قوله انک لاتسمع الموتی المراد النفی سماع نافع ثم قال الحق یسمع الموت ...... وھذا علی احد الوجھین اولھما ان یخلق اللہ فی بعض اجزاء المیّت موتا یسمع بھا متی شاء ثم ذکر وجه الثانی" بیان القرآن میں مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے بھی تصریح کی ہے کہ یہاں پر نافی سماع نافع ہے نہ مطلق۔

سماع منکرین کی دلیل ثانی: ہدایہ وکتب فقہ کی کتاب الایمان میں ہے "لو حلف ان لا یکلم فلانا فکلمه علی قبره لا یحنث لان الموته لاتسمع"

جواب: اس کا جواب بحوالہ شیخ انور وغیرہ پہلے گزر چکا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مبنی الایمان عرف پر ہے اور عرف میں متکلم علی القبر کو متکلم مع المیّت نہیں کہتے اور نہ دونوں آپس میں متکلمین کہلاتے ہیں اس لیے وہ حانث نہیں ہوتا، اگرچہ مُردے سماع کلام کرتے ہیں، تو یہ مسئلہ سماع موتہ سے بعید ہے، یہ مطلق سماع موتہ علی العموم کی بحث تھی۔

مسئلہ ثانیہ: سماع انبیاء بالخصوص میں ہے تو باتفاق آئمہ انبیاء علیہم السلام قبروں میں سماع کرتے ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے قریب جا کر انبیاء علیہم السلام کلام سنتے ہیں باجماع اُمت حتی کہ جو منکرین سماع موتہ ہیں مثل شیخ گنگوہی وابن ہمام وغیرہ وہ بھی سماع انبیاء کے قائل ہیں اور اسی وجہ سے فقہاء نے عندزیارت النبی طلب شفاعت ومغفرت کو جائز قرار دیا ہے اس کی متعدد دلیلیں ہیں۔

دلیل اوّل: متعدد فقہاء اُمت نے اس کی تصریح کی ہے۔ فتح القدیر، ج:۲، صفحہ ۳۳۷ پر ہے کہ نبی کی قبر پر جا کر زائر سلام کہے "ثم یسئل من النبی الشفاعت فیقول یا رسول اللہ اسئلک شفاعت الخ" سوال شفاعت مبنی ہے سماع نبی پر مراقی الفلاح صفحہ ۴۰۶ پر ہے کہ سلام علی قبر النبی کے بعد یوں کہے "الشفاعۃ الشفاعۃ الشفاعۃ یا رسول اللہ طحطاوی" شرح مراقی الفلاح میں ہے "ای لطلب منک الشفاعۃ و کذا فی عالمگیر و فتاویٰ رشیدیہ ص:۸"

دلیل ثانی: مجمع الزوائد ج:۸، صفحہ ۲۱۱ پر ہے اور شفاء السقام ص:۱۳۴، خصائص کبریٰ للسیوطی، ج:۲، صفحہ:۲۵۱، "عن انس قال قال علیہ الصلوٰۃ و السلام الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم یصلون رواہ البزار و ابو یعلیٰ" روایت ابویعلیٰ کے رواۃ ثقات ہیں، البتہ روایت بزار کی سند میں حسن ابن قطبیہ ہے جو کہ ضعیف ہے۔ بہرحال ابویعلیٰ کی سند قوی ہے تو یہ حدیث قوی ہے۔

"فقال ابن الحجر صححہ البیھقی فیض الباری، ج:۲، صفحہ ۶۰۴" حدیث صحیح مرقات، ج:۲، صفحہ ۲۰۲، پر ہے "صحح خبر الانبیاء احیاء فی قبورھم و کذا فی فتح الملھم، ج:۱، صفحہ ۳۲۹، وقال علامہ العزیزی فی سراج المنیر، ج:۲، صفحہ ۱۳۴، فقال الشوکانی فی النیل، ج:۳، صفحہ ۳۶۴، وقد ثبت بالحدیث الانبیاء احیاء فی قبور رواہ المنذری و صححہ البیھقی نشر الطیب لمولانا تھانوی، ج:۱، صفحہ ۳۸۰ بذل المجھور، ج:۲، صفحہ ۱۶۰"

دلیل ثالث: ابوداؤد ج:۲، صفحہ ۲۶۹ پر ہے "عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علیہ روحی حتی رد علیھم" روح کنایہ ہے توجہ سے رواتہ ثقات فتح الباری، ج:۱۳، صفحہ ۲۸۹، وقال علامۃ العزیزی فی سراج المنیر، ج:۳، صفحہ ۱۳۷۸ اسنادہ حسن وقال النووی فی کتاب الاذکار اسنادہ صحیح وقال نواب صدیق حسن خان کتاب الدلیل صفحہ ۸۴۳ "انہ حدیث صحیح و قال شیخ الانور فی عقیدۃ الاسلام صفحہ ۵۲ رواتہ ثقات و کذا فی فتح الملھم صفحہ ۳۲۹ وقال ابن تیمیہ فی الاکتفاء صفحہ ۱۵۵ وھذا الحدیث علی شرط مسلم و قال البخاری فی القول البدیع، ج:۱، صفحہ ۱۱۷، روی احمد و طبرانی، ابو داؤد بیھقی فی اسناد حسن"

دلیل رابع: "وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ من صلی علی عند قبری سمعتہ و من صلی علی نائیا اعلمتہ وفی روایۃ بلغتہ اخرجہ ابو الشیخ جلد الافھام لابن القیم صفحہ ۱۲۳، قول بدیع السخاوی، صفحہ ۱۱۶، قال ابن حجر فی فتح الباری، ج:۶، ص:۳۵۲ سندہ جید و کذا فی قول بدیع ص:۱۱۶، وقال القاری فی المرقاہ، ج:۲، صفحہ ۱، سندہ جید و کذا قال نواب صدیق حسن خان صفحہ ۸۸۴، کتاب الدلیل اسنادہ جید و کذا فی فتح الملھم، ج:۱، صفحہ ۳۳۰"

بعض سندوں میں محمد بن مروان سدی الصغیر جو کہ کذاب ہے لیکن متعدد سندوں میں یہ راوی نہیں ہے، فلا اشکال۔

سوال: ابن القیم جلاء الافہام لکھتے ہیں، ھذا الحدیث غریب جدا۔

جواب: غریب منافی صحت نہیں ہے بلکہ حدیث غریب صحیح بھی ہوسکتی ہے، غریب وہ ہے جس میں ایک راوی کسی طبقہ میں متفرد بالروایہ ہو، اگر وہ ثقہ ہو تو وہ حدیث غریب بھی ہے اور صحیح بھی۔ ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ غیر مقلدین کا شیخ مولانا نذیر حسین دہلوی اپنے فتاویٰ، ج:۲، صفحہ ۵۵ پر لکھتے ہیں، حضرات انبیاء علیہم السلام قبروں میں زندہ ہیں، خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جو کہ میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے، میں خود سنتا ہوں اور دور سے پڑھے تو پہنچایا جاتا ہے، "ولم تجد احدا من العلماء لا یقول بسماع النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عند قبرہ انتھی"

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ قبروں کی زیارتِ کی اجازت

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَقَدْ أُذِنَ لِمُحَمَّدٍ فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّهِ فَزُورُوهَا فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الآخِرَةَ.

ترجمہ: حضرت سلیمان بن بریدہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا انہوں نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو منع کر چکا تھا قبروں کی زیارت سے تو اب اجازت ہوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ماں کی قبر کی زیارت کی سو تم بھی قبروں کی زیارت کرو کہ وہ آخرت کو یاد دلاتی ہے۔

تشریح: یہاں سے آگے تین ابواب میں زیارت قبور کا مسئلہ بیان کیا جارہا ہے۔ شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیارت قبور سے ممانعت فرمائی تھی لیکن جب لوگوں کی تربیت ہوگئی تو پھر ان کو اجازت دے دی بلکہ اپنے گاؤں کے قبرستان میں مردوں کے لیے ہفتہ میں ایک بار جانا مستحب ہے لیکن صلحاء کی قبور کی زیارت کے لیے سفر کرنا۔ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اپنی ممانعت پر ہے۔ البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر زیارت کے لیے سفر کرنا مستحب ہے۔ زیارت قبور مذکر آخرت ہے اور زہد عن الدنیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ زِيَارَةِ الْقُبُورِ لِلنِّسَاءِ عورتوں کیلئے زیارتِ قبور مکروہ ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُورِ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی عورتوں کو جو قبروں کی زیارت کو جائیں۔

تشریح: اس پر تو اجماع ہے کہ زیات قبور کے لیے رجال کو رخصت ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ نساء کے لیے بھی رخصت ہے یا نہیں؟ جمہور کے نزدیک نساء کے لیے بھی رخصت ہے اور قاعدے کا مقتضی بھی یہی ہے کیوں کہ مقصود تذکیر

آخرت ہے اس کی ضرورت جس طرح رجال کو ہوتی ہے اس طرح نساء کو بھی ہوتی ہے۔ بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ رُخصت صرف رجال کے لیے ہے نساء کے لیے ممانعت اپنے حال پر ہے۔

دلیل: حدیث الباب "لعن زوارت القبور"

جواب (۱): یہ ارشاد اس زمانے کا ہے کہ ابھی جس وقت ممانعت رجال کے لیے بھی تھی اور نساء کے لیے بھی جب رجال کے لیے رُخصت ہوئی تو نساء کے لیے بھی ہوگئی۔

جواب (۲): یہ معلول بالعلت ہے ان عورتوں کے حق میں جو بوقت زیارت حدود شرعیہ کی رعایت نہ رکھ سکتی ہوں، "قلیلۃ الصبر" ہونے کی وجہ سے۔

جواب (۳): زوارت القبور مبالغہ کا صیغہ ہے کہ جن عورتوں نے زیارت قبور کا مشغلہ بنا رکھا ہو، ان کو نہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ لِلنِّسَاءِ عورتوں کا قبروں کی زیارت کرنا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ تُوُفِّيَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ بِحُبْشِيٍّ قَالَ فَحُمِلَ إِلَى مَكَّةَ فَدُفِنَ فِيهَا فَلَمَّا قَدِمَتْ عَائِشَةُ أَتَتْ قَبْرَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَتْ وَكُنَّا كَنَدْمَانَيْ جَذِيمَةَ حِقْبَةً مِنَ الدَّهْرِ حَتَّى قِيلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَأَنِّي وَمَالِكًا ... لِطُولِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَيْلَةً مَعًا ثُمَّ قَالَتْ وَاللّٰهِ لَوْ حَضَرْتُكَ مَا دُفِنْتَ إِلَّا حَيْثُ مُتَّ وَلَوْ شَهِدْتُكَ مَا زُرْتُكَ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ جب وفات پائی عبدالرحمن نے جو بیٹے ہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے، بھائی ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے موضع حبشی میں کہ مکے کے قریب ہے کہا راوی نے پھر اُٹھالائے ان کو مکے میں اور دفن کیا اسی میں پھر جب آئیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو گئیں عبدالرحمن کی قبر پر اور پڑھیں یہ دو بیتیں (اشعار) اور معنی اس کے یہ ہیں کہ ہم دونوں ایسے تھے جیسے دو ہم نشین بادشاہ جزیمہ کے کہ ایک ساتھ رہے برسوں زمانے میں یہاں تک کہ لوگ کہتے تھے کبھی جدا نہ ہوں گے پھر جب ہم جدا جدا ہوگئے تو گویا کہ میں اور مالک باوصف مدتوں ساتھ رہنے کے ایسا معلوم ہوا کہ گویا ایک رات بھی ساتھ نہیں رہے پھر فرمایا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اگر میں ہوتی تو تم کو وہیں دفن کرواتی جہاں تم مرے تھے اور اگر وقت موت میں تمہیں دیکھ لیتی تو کبھی قبر پر نہ آتی۔

تشریح حبشی، یہ مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے۔ "کنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ الخ" یہ اشعار اُم المؤمنین کے اپنے نہیں بلکہ تمیم بن نویرہ کے ہیں، اس کا ایک بھائی تھا، مالک بن نویرہ نامی کے مرثیہ میں کہے تھے جو واقعہ ردت میں حضرت خالد بن ولید کے ایک لشکری حضرت ضرار بن الازور کے ہاتھوں قتل کیا گیا، تمیم کو اپنے بھائی سے بہت محبت تھی: اس نے متعدد

قصیدے اس کے بارے میں کہے۔بہر حال اس نے اپنے بھائی کی قبر پر پڑھا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مناسب حال ہونے کی بناء پر اپنے بھائی کی قبر پر پڑھے۔

ترجمہ جذیمہ عراق کا ایک بادشاہ ہے اس کے دو وزیر تھے، مالک اور عُقیل، وہ عرصہ دراز تک اکٹھے رہے، کہا گیا ہے کہ چالیس سال تک یہاں تک کہ ایک ضرب المثل بن گئی کہ ان کے درمیان کبھی جدائی نہ ہوگی لیکن اتنا عرصہ اکٹھے رہنے کے بعد جب جدائی ہوئی تو تمیم کہتا ہے اے میرے بھائی مالک! ایک عرصہ تک ہم جذیمہ کے دو وزیروں کی طرح رہے، یہاں تک کہ کہا گیا کہ ان میں کبھی جدائی ہی نہ ہوگی۔جب موت کے بعد افتراق ہوا تو طویل زمانہ اکٹھے گزارنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ایک رات بھی اکٹھے نہیں گزاری، اس لیے کہ لمبا زمانہ راحت کا ہو، پھر مشقت آجائے تو راحت کا زمانہ کالعدم ہو جاتا ہے۔

اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے حال کے مطابق کہہ رہی ہیں کہ اے میرے بھائی عبدالرحمن! ہم ایک عرصہ دراز تک جذیمہ کے دو وزیروں کی طرح رہے۔یہاں تک کہ یہ چرچا ہونے لگا کہ اُم المؤمنین اور عبدالرحمن میں کبھی جدائی ہی نہیں ہوگی۔اب عرصہ دراز اکٹھے رہنے کے بعد جب جدائی ہوئی تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک رات بھی اکٹھے رہنا نصیب نہ ہوا۔اس سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک زیارت قبور جائز نہیں کیوں کہ وہ فرما رہی ہیں، اگر میں حاضر ہوتی تو اب نہ آتی۔اس سے معلوم ہوا کہ زیارت قبور جائز نہیں۔

جواب: یہ ارشاد فرمانا کمالِ احتیاط کی وجہ سے تھا، زیادہ سے زیادہ رُخصت ہے فرض نہیں۔"حقبة من الدھر" لمبا زمانہ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدَّفْنِ بِاللَّيْلِ رات کو دفن کرنے کے بیان میں

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ قَبْرًا لَيْلًا فَأُسْرِجَ لَهُ سِرَاجٌ فَأَخَذَهُ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَقَالَ رَحِمَكَ اللّٰهُ إِنْ كُنْتَ لَأَوَّاهًا تَلَّاءً لِلْقُرْآنِ، وَكَبَّرَ عَلَيْهِ أَرْبَعًا.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُترے ایک قبر میں رات کو اور چراغ جلایا گیا آپ کے لیے سو اس میت کو قبلے کی طرف سے اور کہا رحمت کرے اللہ تجھ پر تو بہت نرم دِل رونے والا تھا اور بہت قرآن کی تلاوت کرنے والا اور چار تکبیریں کہہ کر نماز جنازہ پڑھی۔

تشریح رات کو دفن کرنا بالاجماع اور بلا کراہت جائز ہے۔بعض روایتوں میں نہی آتی ہے یہ نہی اس صورت میں ہے کہ جب رات کو حدودِ شرعیہ کی رعایت نہ ہو سکے اندھیرے کی وجہ سے یا کسی مصلحت کی وجہ سے، مثلاً بعض لوگ رات کو دفن کرتے ہیں مناسب کفن نہ دینے کی وجہ سے تا کہ لوگ ملامت نہ کریں۔باقی اس حدیث میں ہے چراغ کو جلایا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت چراغ جلانا جائز ہے اور جہاں چراغ لیجانے سے نہی آئی ہے وہ عدمِ ضرورت پر محمول ہے۔

"وكبر عليه اربعا" یہ واؤ مطلق جمع کے لیے ہے ترتیب کے لیے نہیں اس لیے کہ نماز جنازہ پہلے ہوتا ہے اور دفن بعد میں کیا

جاتا ہے، اگرچہ ذکر برعکس ہے، یہ اس لیے کہا کہ دفن کے بعد کوئی تکبیر نہ کہی جائے۔
مسئلہ ثانی: میت کو قبر میں کس طرح داخل کیا جائے تو جس طرح بھی داخل کیا جائے جائز ہے۔ البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔ احناف کے ہاں ''ادخال المیّت من جانب القبلہ'' اور چارپائی قبلہ کی طرف اُتارنے والے کا رُخ بھی قبلہ کی جانب ہو۔ شوافع ''ادخال المیّت حین جانب القدم'' یعنی افضل یہ ہے کہ میت کو قبر کی پاؤں والی جانب اُتارا جائے اور چارپائی بھی قبر کی پاؤں والی جانب رکھے، اوّلاً سر کو قبر میں داخل کرے یعنی سر اپنی جگہ اور پاؤں اپنی جگہ، اسی کو صورت سل کہا جاتا ہے۔
احناف کی دلیل: حدیث الباب، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل مبارک۔
دلیل شوافع: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبر میں بطور سل داخل کیا۔
جواب: یہ صحابہ کا فعل ہے اور ہمارے پاس دلیل عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، اس سے استدلال اولیٰ ہے۔ باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ فعل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کے خلاف ہے تو یہ عذر کی وجہ سے کہ قبلہ والی جانب چارپائی رکھنے کی جگہ تنگ ہوگئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الثَّنَاءِ الحَسَنِ عَلَى المَيِّتِ میت کو اچھے الفاظ میں یاد کرنا

عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَرَّ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَنَازَةٍ فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَبَتْ ثُمَّ قَالَ أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الأَرْضِ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ گزرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی بھلائی بیان کی سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے جنت واجب ہوگئی یعنی میت کے لیے پھر فرمایا صحابیوں سے تم گواہ ہو اللہ کی زمین میں یعنی جسے تم سب مل کر اچھا کہو وہ اچھا ہے اللہ کے نزدیک جسے برا کہو وہ برا ہے۔

عَنْ أَبِي الأَسْوَدِ الدِّيلِيِّ قَالَ قَدِمْتُ المَدِينَةَ فَجَلَسْتُ إِلَى عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ فَمَرُّوا بِجَنَازَةٍ فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا فَقَالَ عُمَرُ وَجَبَتْ فَقُلْتُ لِعُمَرَ وَمَا وَجَبَتْ قَالَ أَقُولُ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ لَهُ ثَلَاثَةٌ إِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الجَنَّةُ قَالَ قُلْنَا وَاثْنَانِ قَالَ وَاثْنَانِ قَالَ وَلَمْ نَسْأَلْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الوَاحِدِ.

ترجمہ حضرت ابی اسود دیلی سے روایت ہے کہ آیا میں مدینے میں سو میں بیٹھا تھا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سو گزرے لوگ ایک جنازہ لے کر سو لوگوں نے اس میت کی تعریف کی سو فرمایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واجب ہوگئی جنت سو کہا میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا چیز واجب ہوگئی کہا انہوں نے میں بھی وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ اس کے لیے نیک گواہی دیں تین

آدمی مگر واجب ہو جاتی ہے اس کے لیے جنت پھر کہا ہم نے یا رسول اللہ! اگر دو آدمی گواہی دیں تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو بھی خیر اور ایک آدمی کی گواہی ہم نے نہیں پوچھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

تشریح جب نیک اور صلحاء کی تعریف خیر کریں گے تو اللہ ان کے ساتھ بھی صلحاء اور نیک والا معاملہ کریں گے اپنے فضل وکرم سے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ مَنْ قَدَّمَ وَلَدًا

جس کا بیٹا فوت ہو جائے اس کے اجر کے متعلق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمُوتُ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ إِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ.

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مسلمان نہیں کہ جس کے تین لڑکے مر گئے ہوں اور پھر اس کو دوزخ کی آگ لگے مگر اتنی کہ جس میں قسم اُتر جائے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَدَّمَ ثَلَاثَةً لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ كَانُوا لَهُ حِصْنًا حَصِينًا مِنَ النَّارِ، قَالَ أَبُو ذَرٍّ قَدَّمْتُ اثْنَيْنِ، قَالَ: وَاثْنَيْنِ، فَقَالَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ سَيِّدُ الْقُرَّاءِ قَدَّمْتُ وَاحِدًا قَالَ وَوَاحِدًا وَلٰكِنْ إِنَّمَا ذَاكَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولٰى.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے آگے مر گئے تین لڑکے یا لڑکیاں ایسے کہ جوانی کو نہ پہنچے تھے تو ہوں گے وہ اس کے لیے ایک مضبوط قلعہ دوزخ سے بچانے کو۔ سو ابوذر نے کہا میں دو لڑکے آگے بھیج چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا دو بھی کافی ہیں قلعہ ہونے کو پھر کہا ابی بن کعب نے جو سردار ہیں سب قاریوں کے کہ میں نے بھی ایک لڑکا آگے بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا ایک بھی قلعہ ہو سکتا ہے مگر یہ قلعہ جب ہوں گے کہ پہلے مرنے کے ساتھ ہی صبر کرے اور نہ چیخے چلائے نہ کپڑے پھاڑے۔

أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ كَانَ لَهُ فَرَطَانِ مِنْ أُمَّتِي أَدْخَلَهُ اللهُ بِهِمَا الْجَنَّةَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ قَالَ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ يَا مُوَفَّقَةُ، قَالَتْ فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ قَالَ فَأَنَا فَرَطُ أُمَّتِي لَنْ يُصَابُوا بِمِثْلِي.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ فرماتے تھے جس کے دو لڑکے آگے مرے ہوں اور اس کے میر منزل ہوں میری اُمت سے داخل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو بسبب ان کے بہشت میں سو عرض کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اور جس کا ایک میر منزل ہو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے یعنی ایک لڑکا مرا ہو تو فرمایا آپ نے ایک بھی کافی ہے اسے نیک توفیق دی گئی عورت پھر عرض کیا انہوں نے اور جس کا کوئی میر منزل نہ ہو آپ کی اُمت سے تو فرمایا آپ نے میں میر منزل ہوں اپنی اُمت کا کسی کی جدائی کی تکلیف ان کو ایسی نہیں جیسی میری جدائی کی۔

تشریح: تین کا عدد ضروری نہیں ہے دو بھی ہوں تو پھر بھی یہی حکم ہے لیکن قید معتبر تب ہے کہ جب وہ نابالغ ہوں اگر بالغ ہوں گے تو اپنے ہی حساب میں مشغول ہوں گے۔

سوال: بالغ اولاد کے مرنے پر تو صدمہ زیادہ ہوتا ہے اس کی کیا وجہ ہے کہ نابالغ اولاد کے مرنے پر بشارت ہے بالغ اولاد کے مرنے پر تو زیادہ فضیلت ہونی چاہیے؟

جواب: بیشک صدمہ زیادہ ہے لیکن بالغ اولاد کے مرنے میں خودغرضی کو بھی دخل ہے بخلاف نابالغ اولاد کے اس کے ساتھ صرف اَبْ ہونے کا تعلق ہے خودغرضی کو دخل نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّهَدَاءِ مَنْ هُمْ شہید کون لوگ ہیں؟

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الشُّهَدَاءُ خَمْسٌ الْمَطْعُونُ وَالْمَبْطُونُ وَالْغَرِقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِيدُ فِي سَبِيلِ اللهِ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید پانچ ہیں ایک طاعون جو (وبا) سے مرے، دوسرے جو پیٹ چل کر دستوں سے مرے، تیسرے جو ڈوب کر مرے، چوتھے جو دب کر یا دیوار یا مکان کے نیچے مرے۔

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ السَّبِيعِيِّ قَالَ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ لِخَالِدِ بْنِ عُرْفُطَةَ أَوْ خَالِدٌ لِسُلَيْمَانَ أَمَا سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قَتَلَهُ بَطْنُهُ لَمْ يُعَذَّبْ فِي قَبْرِهِ فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ نَعَمْ.

ترجمہ: حضرت ابی اسحٰق سبیعی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا سلیمان بن صرف نے خالد بن عرفطہ سے یا خالد نے کہا سلیمان سے کیا سنا نہیں تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے جس کو مارا پیٹ نے یعنی ہیضہ یا بدہضمی یا کسی عارضہ سے پیٹ کے مرگیا تو اس پر عذاب نہ ہوگا قبر میں سو کہا کسی نے ان دونوں میں سے یعنی سلیمان یا خالد نے ہاں! بے شک سنا ہے میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

تشریح: شہداء تین قسم پر ہیں۔(۱) جو عنداللہ اور عندالناس شہید ہو، یہ وہ شہید ہے جو بغیر کسی ریا اور بغیر کسی دُنیاوی مقصد کے اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے میں نکلا اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے شہید ہوگیا۔(۲) جو عندالناس تو شہید ہے عنداللہ شہید نہیں۔ یہ وہ شخص

ہے جو قومی تعصب کی وجہ سے جہاد کے لیے نکلا اور اعلاء کلمۃ اللہ اس کا مقصد نہیں تھا۔ (۳) جو عند اللہ تو شہید ہو عند الناس شہید نہ ہو۔ "الشهيد خمس" شہداء کی تعداد خمس میں بند نہیں، تمثیل علی العدد ماسواء کے لیے نافی ہوں۔ مطعون اصل میں اس بیماری کو کہتے ہیں جس کو نیزہ لگا ہو لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مبطون میں تعمیم کرلو، ہر باطنی بیماری سے جو مرجائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْفِرَارِ مِنَ الطَّاعُونِ طاعون سے بھاگنا مکروہ ہے

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ الطَّاعُونَ فَقَالَ بَقِيَّةُ رِجْزٍ أَوْ عَذَابٍ أُرْسِلَ عَلَى طَائِفَةٍ مِنْ بني إسرائيل فَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَلَسْتُمْ بِهَا فَلَا تَهْبِطُوا عَلَيْهَا.

ترجمہ حضرت اُسامہ بن زید سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا طاعون کا اور فرمایا وہ ایک ٹکڑا بچا ہوا ہے اس عذاب سے جو بھیجا گیا تھا بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر سو جب کسی زمین میں طاعون ہو اور تم بھی اس میں ہو تو اس میں سے نہ نکلو اور جب کسی زمین میں ہو اور تم اس میں نہ ہو تو اس زمین میں داخل نہ ہو اور راوی کو شک ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زجر فرمایا یا عذاب معنی دونوں کے ایک ہیں۔

تشریح جس علاقے میں طاعون کی بیماری پھیل جائے اس علاقے میں سے کسی کا دوسرے علاقے میں چلا جانا یہ اس کے لیے جائز نہیں کیونکہ جس علاقہ میں جائے گا یہ اُن کے رہنے والے لوگوں کے لیے تشویش کا سبب بنے گا اور اگر پہلے ہی کسی دوسرے علاقے میں موجود ہے تو پھر یہ وہاں نہ جائے کہیں ایسا نہ ہو تقدیر الٰہی کی وجہ سے بیمار ہو گیا تو اس سے لوگوں کا عقیدہ فاسد ہو جائے گا۔ دوسرا یہ کہ طاعون زدہ لوگوں کی تیمارداری کون کرے گا؟

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ

جو اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھے تو اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتے ہیں

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ.

ترجمہ حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کو ملنا چاہے اللہ بھی اس کو ملنا چاہتا ہے اور جو اللہ کا ملنا برا جانے اللہ بھی اس کے ملنے کو برا جانے۔

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا ذَكَرَتْ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ كُلُّنَا نَكْرَهُ الْمَوْتَ قَالَ لَيْسَ

ذَلِكَ وَلَكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا بُشِّرَ بِرَحْمَةِ اللهِ وَرِضْوَانِهِ وَجَنَّتِهِ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ وَأَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا بُشِّرَ بِعَذَابِ اللهِ وَسَخَطِهِ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ وَكَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کو ملنا چاہے اللہ بھی اسے ملنا چاہے اور جو اللہ کے ملنے سے ناخوش ہو اللہ بھی اس کے ملنے سے ناخوش ہو کہا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے میں نے پوچھا یا رسول اللہ! ہم سب برا جانتے ہیں موت کو یعنی کسی کا دل موت (کی طرف) راغب نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا یہ مطلب نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب مؤمن کو بشارت ہوتی ہے اللہ کی رحمت اور خوشی اور جنت کی چاہتا ہے اللہ کا ملنا اور اللہ بھی مشتاق ہوتا ہے اس کے ملنے کا اور کافر کو جب بشارت ہوتی ہے اللہ کے عذاب اور غصہ کی تو برا جانتا ہے اللہ کے ملنے کو اور اللہ بھی دوست نہیں رکھتا اس کے ملنے کو۔

تشریح لوگ دو قسم پر ہیں۔(۱) جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتے ہیں اور اللہ ان سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔(۲) اس کے برعکس یعنی جو نہ اللہ کی ملاقات کو پسند کرتے ہیں اور نہ اللہ ان کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ سے ملاقات کا ذریعہ موت ہے اور موت کو ہر شخص ناپسند کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اے عائشہ! یہ تقسیم حالت صحت کے اعتبار سے نہیں بلکہ وقت الموت کے اعتبار سے ہے جب موت کا وقت قریب ہوتا ہے تو عالم آخرت کو اس پر منکشف کیا جاتا ہے مؤمن کے سامنے جب انعامات ظاہر ہوتے ہیں تو مؤمن کی روح تڑپتی ہے کہ جلدی نکلے اور جب کافر کے سامنے عذاب ہوتا ہے تو کافر کی روح کوشش کرتی ہے کہ نہ نکلوں، یہ ایسے ہے جیسے ایک پرندہ وہ پنجرے میں بند ہو اور اس کو سرسبز وشاداب باغ میں لایا جائے تو وہ پرندہ تڑپتا ہے کہ کسی طرح میں اس پنجرے سے نکلوں اور اگر پرندے کو ایسی جگہ لایا جہاں بلیاں ہوں، ہر طرف منہ کھولے کھڑی ہوئی ہوں تو وہ یہ کوشش کرتا ہے کہ میں اس پنجرے میں سے نہ نکلوں، یہ تشبیہ علامہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ

خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ أَنَّ رَجُلًا قَتَلَ نَفْسَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مار ڈالا تھا اپنے آپ کو (خودکشی کی) تو اس پر نماز نہ پڑھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

تشریح قاتل نفس کی نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ یعنی خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ جائز ہے کہ نہیں؟

قول اوّل: جمہور کے نزدیک جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ صلحاء اور مقتدیٰ عبرۃً شامل نہ ہوں۔

قول ثانی: امام اوزاعی اور امام احمد کے نزدیک ایسے شخص کی نماز جنازہ جائز نہیں۔

جمہور کی دلیل اوّل: دار قطنی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے "وفیہ وصلوا علی کل بر و فاجر" اس عموم میں خودکشی کرنے والا بھی شامل ہے۔

دلیل ثانی: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "وفیہ صل علی من قال لا الہ الا اللہ" یہ روایت بھی عام ہے اوراس کے عموم میں خودکشی کرنے والا شامل ہے۔

امام اوزاعی اور امام احمد رحمہا اللہ کی دلیل:

ان کا استدلال زیر بحث باب میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جس میں ہے کہ ایک آدمی نے خودکشی کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

جواب: یہ روایت زجر پر محمول ہے۔ ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز پڑھی ہو جیسے مدیون کے بارے میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور زجر کے خود اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھنے کا حکم دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَدْيُونِ قرض دار کی نمازِ جنازہ

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِرَجُلٍ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ فَإِنَّ عَلَيْهِ دَيْنًا قَالَ أَبُو قَتَادَةَ هُوَ عَلَيَّ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْوَفَاءِ، قَالَ بِالْوَفَاءِ فَصَلَّى عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب سے روایت ہے کہ سنا میں نے عبداللہ بن ابی قتادہ سے کہ بیان کرتے تھے اپنے باپ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد کا جنازہ لائے کہ نماز پڑھیں اس پر۔ سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابیوں سے فرمایا تم نماز پڑھ لو اپنے ساتھی پر اس لیے کہ وہ قرض دار ہے یعنی میں نہ پڑھوں گا۔ کہا ابو قتادہ نے وہ قرض میرے اوپر ہے میں ادا کروں گا سو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا قرض لیا ہے تم نے اپنے ذمہ پر؟ عرض کیا کہ پورا، پھر نماز پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتَى بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفَّى عَلَيْهِ الدَّيْنُ فَيَقُولُ هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ مِنْ قَضَاءٍ، فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهُ تَرَكَ وَفَاءً صَلَّى عَلَيْهِ وَإِلَّا قَالَ لِلْمُسْلِمِينَ: صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ، فَلَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ الْفُتُوحَ، قَامَ فَقَالَ أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَتَرَكَ دَيْنًا عَلَيَّ قَضَاؤُهُ، وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَهُوَ لِوَرَثَتِهِ.

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کسی ایسے مرد کا جنازہ لاتے کہ اس پر قرض ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کیا چھوڑ گیا ہے یہ اپنے قرض کے برابر کچھ مال متاع؟ پھر اگر لوگ بولتے کہ ہاں یہ چھوڑ گیا ہے اتنا مال کہ قرض ادا ہو جائے گا تو اس پر نماز پڑھتے اور نہیں تو فرماتے مسلمانوں کو کہ تم نماز پڑھ لو اپنے یار پر پھر جب اللہ نے بہت فتوحات عنایت کی اور مال غنیمت کا آیا تو کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر اور فرمایا کہ میں بہتر ہوں مؤمنوں کے حق میں ان کی ذات سے بھی زیادہ سو جو مؤمن مرجائے اور قرض چھوڑ جائے تو میرے ذمے پر ہے اس کا ادا کرنا اور جو چھوڑ جائے مال و متاع تو اس کے وارث لے لیں۔

تشریح ابتداء حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ مدیون کی نماز جنازہ زجراً نہ پڑھتے تھے، بعد میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسعت مالی ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین ادا کرتے بطور تبرع کے اور نماز جنازہ پڑھتے۔ ''حدّثنا ابو الفضل'' اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ''کفالہ عن المیّت'' صحیح ہے حالانکہ یہ امام صاحب رحمہ اللہ کے خلاف ہے۔

جواب (۱): یہ کفالہ سابقہ کا اداء تھا۔ جواب ۲: میت کے دین کی ادائیگی کے لیے عقد کفالہ کی ضرورت نہیں بلکہ ویسے اداء کر دے تبرعاً تو پھر بھی صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ عذابِ قبر سے متعلق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ أَوْ قَالَ أَحَدُكُمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَلِلْآخَرِ النَّكِيرُ فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ فَيَقُولُ مَا كَانَ يَقُولُ هُوَ عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَيَقُولَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ هَذَا ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ، ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ فِيهِ، ثُمَّ يُقَالُ لَهُ نَمْ، فَيَقُولُ أَرْجِعُ إِلَى أَهْلِي فَأُخْبِرُهُمْ فَيَقُولَانِ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ الَّذِي لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ حَتَّى يَبْعَثَهُ اللهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذَلِكَ، وَإِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ فَقُلْتُ مِثْلَهُ لَا أَدْرِي فَيَقُولَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ ذَلِكَ فَيُقَالُ لِلْأَرْضِ الْتَئِمِي عَلَيْهِ فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ فَتَخْتَلِفُ فِيهَا أَضْلَاعُهُ فَلَا يَزَالُ فِيهَا مُعَذَّبًا حَتَّى يَبْعَثَهُ اللهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذَلِكَ

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قبر میں رکھی جاتی ہے میت یا فرمایا ایک تم میں کا آتے ہیں اس کے پاس دو فرشتے سیاہ رنگ، نیلی آنکھوں والے کہتے ہیں ایک کو ان میں سے منکر اور دوسرے کو نکیر سو دونوں اس میت سے کہتے ہیں کیا کہتا تھا تو اس شخص کے باب میں یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر کہتا ہے وہ جو کہتا تھا کہ وہ بندے ہیں اللہ کے اور رسول اس کے ہیں سو وہ فرشتے کہتے ہیں ہم پہلے ہی

جانتے تھے کہ تو ایسا ہی کہے گا پھر کشادہ کی جاتی ہے اس کی قبر ستر گز طول میں اور ستر گز چوڑان میں پھر نور بھر دیا جاتا ہے اس میں اور کہا جاتا ہے سو تا رہ سو وہ بندہ کہتا ہے اپنے گھر والوں کے پاس جاؤں اور ان کو بھی خبر دوں یعنی ایسے عملوں کی جو میں نے کیے تھے تا کہ وہ بھی اس نعمت کو پائیں سو وہ فرشتے کہتے ہیں سوتا رہ جیسے دُلہن سوتی ہے کہ کوئی نہیں جگاتا ہے اس کو مگر جو سب گھر والوں سے پیارا ہو یعنی خاوند اس کا یہاں تک کہ اُٹھائے تجھے اللہ تیری اس خوابگاہ سے یہ حال مؤمن کا ہے اور اگر وہ میت منافق ہوتا ہے تو فرشتوں سے کہتا ہے سنتا تھا میں آدمیوں سے جو وہ کہتے تھے وہی میں بھی کہتا تھا اور مجھے کچھ معلوم نہیں وہ فرشتے کہتے ہیں ہم کو معلوم تھا تو ایسا ہی کہے گا پھر حکم ہوتا ہے زمین کو کہ دبوچ لے اس کو اور وہ دبوچ لیتی ہے اس کو سو اِدھر کی پسلیاں اُدھر ہو جاتی ہیں اور ہمیشہ عذاب میں رہتا ہے جب تک اُٹھائے اس کو اللہ اس کے پڑے رہنے کی جگہ سے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰہُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرتا ہے کوئی میت دکھائی جاتی ہے اس کو رہنے کی جگہ اگر وہ جنت والوں سے ہے تو جنت کی جگہ دیکھ لیتا ہے اور اگر دوزخ والوں سے ہے تو دوزخ کی جگہ دیکھ لیتا ہے پھر اس سے کہتے ہیں یہ تیری جگہ ہے جب اُٹھائے گا تجھ کو اللہ قیامت کے دن۔

تشریح اثبات عذاب القبر عصاۃ مؤمنین اور کفار کے حق میں ثابت ہے، برحق ہے۔

قولِ اوّل: یہ اہلسنت والجماعت کا اتفاق ہے۔ قولِ ثانی: بعض معتزلہ اور خوارج منکر ہیں۔

دلیل اہلسنّت والجماعت:

عذاب قبر کا ہونا ایسی احادیث کثیرہ سے ثابت ہے جس کا قدرِ مشترک تواتر ہے۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایک حدیث صراحتاً ذکر کی اور نو احادیث کا حوالہ وفی الباب کے تحت دیا اور ان دس صحابہ رضی اللہ عنہم کی احادیث کے ماسواء دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں۔ زیادہ سے زیادہ سوال یہ ہوگا کہ جب اثبات قبر کا ثبوت تواتر سے ہے پھر منکرین عذاب قبر کی تکفیر ہونی چاہیے۔ حالانکہ ان کی تکفیر نہیں کی جاتی۔

جواب: بیشک تواتر سے ہے لیکن نظری ہے بدیہی نہیں اور جس تواتر کے منکر کی تکفیر کی جاتی ہے وہ تواتر بدیہی ہے۔

معتزلہ کا شبہ اوّل یہ ہے کہ میت جماد ہے اور جماد کا معذب ہونا متصور نہیں۔

جواب: میت کا جماد ہونا مسلم ہونا نہیں اس لیے کہ حق تعالیٰ میت کے اعضاء کے ساتھ روح کا ایسا تعلق قائم کر دیتے ہیں

کہ اس کو راحت اور عذاب کا احساس ہوتا ہے اور اس میں کوئی استحالہ بھی نہیں۔

شبہ ثانی: بسا اوقات قبر کشائی ہوتی ہے میت نظر آتی ہے اس کے باوجود نہ اس پر راحت کے آثار نظر آتے ہیں اور نہ ہی عذاب کے آثار دکھائی دیتے ہیں؟

جواب: بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جو مشاہدہ میں دکھائی نہیں دیتی لیکن ان کا وجود یقینی ہوتا ہے۔ مثلاً عقل ہے، لہٰذا آثار کا دکھائی دینا یہ عدم کی دلیل نہیں اور بعض اوقات حق تعالیٰ دکھا بھی دیتے ہیں، دکھائی نہ دینا یہ اکثر کے اعتبار سے ہے، اس کو اقرب الی الفہم کرنے کے لیے نائم کے احوال پر قیاس کیا جاتا ہے کہ نائم کو بسا اوقات تکلیف کے آثار بھی ہوتے ہیں اور راحت کے آثار بھی لیکن پاس بیٹھنے والے کو کچھ احساس نہیں ہوتا۔

"حدّثنا ابو سلمہ" اس حدیث میں "اذا قُبِرَ المیّت" اور مشکوٰۃ میں اُقبر ہے، بہرحال جو بھی الفاظ ہوں معنی متعدی والا کریں گے، یعنی جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے باقی قبر اگر گڑھا مل جائے تو فبہا ورنہ جہاں جگہ مل جائے وہی میت کے حق میں قبر ہے۔ "ملکان اسودان ازرقان الخ" چونکہ یہ اُپرے ہوتے ہیں اس وجہ سے ان کو منکر نکیر کہتے ہیں۔

نیز منکر نکیر ایک جنس ہے اس کے تحت کئی افراد داخل ہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جو کافر میت کے پاس آتے ہیں ان کو منکر نکیر کہا جاتا ہے اور جو مسلمان میت کے پاس آتے ہیں اس کو مبشر بشیر کہا جاتا ہے۔

"ماتقول فی ھذا الرّجل" ہٰذا کے مشار الیہ کے لیے چار شرطیں ہیں۔ (۱) ھذا کا مشار الیہ موجود ہو یہ ضروری ہے۔

(۲) موجود فی الخارج ہونا ضروری ہے۔ (۳) محسوس ہونا ضروری ہے۔

(۴) محسوس مبصر ہونا پس میت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ رہی ہوتی ہے جب ہر میت کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر ہوتے ہیں تو ہر زندہ کے پاس بھی حاضر ہونے میں کوئی استحالہ نہیں، یہ اہل بدعت کا استدلال ہے۔

جواب (۱) ھذا کا مشار الیہ "معہود فی الذھن" ہے۔

چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصور ہر میت کے ذہن میں ہوتا ہے اس لیے ھذا کا استعمال کیا۔

جواب (۲): میت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان سے حجابات اُٹھا دیئے جاتے ہیں۔

جواب (۳): حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورتِ مثالی میت کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ باقی معذب صرف روح ہے یا فقط جسد ہے یا جسد مع الروح ہے تو راجح یہ ہے کہ جسد مع الروح کو ہوتا ہے کیونکہ مجرم دونوں ہوتے ہیں، پھر سزا بھی دونوں کو ہونی چاہیے۔ پھر جسد عنصری ہے یا جسد مثالی۔ جمہور کے ہاں جسد عنصری کو اور بعض صوفیاء کے ہاں جسد مثالی کو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَجْرِ مَنْ عَزَّى مُصَابًا مصیبت زدہ کو تسلی دینے پر اجر

عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَزَّى مُصَابًا فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ.

ترجمہ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تسلی اور تسکین اور دلاسا دے کسی مصیبت زدہ کو یا جس کا کوئی مرگیا ہو تو اس کو بھی ویسا ہی ثواب ہے جیسا اس مصیبت زدہ کو۔

تشریح مصیبت زدہ کو تسلی دینا۔ "مصابًا" نکرہ ہے عام ہے کہ بڑی مصیبت ہو یا چھوٹی مصیبت ہو۔

باب ماجاء من یموت یوم الجمعة جو شخص جمعہ کے دن فوت ہو

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان مرے جمعے کے دن یا جمعے کی رات کو تو بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو قبر کے عذاب سے اور جانچ اور امتحان سے۔

تشریح اگر کسی کو جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات موت آ گئی تو اللہ اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھتے ہیں، یہ اس کی ذاتی تاثیر ہے اور ذاتی مرتب ہوتی ہے جب موانع موجود نہ ہوں، ضابطہ تو یہی ہے لیکن اگر فضل الٰہی شامل حال ہو جائے تو عذاب ہٹ جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْجِيلِ الْجَنَازَةِ میت کی جلد تجہیز و تکفین کرنا

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا الصَّلَاةُ إِذَا أَتَتْ وَالْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ وَالْأَيِّمُ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُئًا.

ترجمہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سے اے علی رضی اللہ عنہ! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرنا ایک تو نماز میں جب وقت آ جائے، دوسرے جنازہ میں جب حاضر ہو جائے، تیسرا بیوہ عورت کے نکاح میں جب کوئی اس کی (کفو) ذات پات والا ملے تجھ کو۔

تشریح اس باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرمایا کہ تین چیزوں میں تاخیر نہ کرنا، جب جنازہ تیار ہو اور جب لڑکی جوان ہو اور اس کا کفول جائے تو دیر نہ کرنا۔

بَابٌ آخَرُ فِي فَضْلِ التَّعْزِيَةِ تعزیت کی فضیلت

أَبِي بَرْزَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَزَّى ثَكْلَى كُسِيَ بُرْدًا فِي الْجَنَّةِ.

ترجمہ حضرت ابی برزہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ماتم پرسی (تعزیت و غم خواری) کرے اس عورت کی جس کا لڑکا مر گیا ہو اوڑھائی جائے گی اس کو چادر جنت کی۔

تشریح مصیبت زدہ کو تسلی دینا۔ ”من عزی ثکلی “ثکلی اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کا بچہ مر گیا ہو۔ جو عورت بچے کے فوت ہونے پر غم زدہ اور پریشان ہو، اس کو تسلی دینا بھی ایک فضیلت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَفْعِ الْيَدَيْنِ عَلَى الْجَنَازَةِ نمازِ جنازہ میں رفع یدین

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ عَلَى جَنَازَةٍ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ وَوَضَعَ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر کہا ایک جنازے پر اور اُٹھایا دونوں ہاتھوں کو پہلی بار اور پھر رکھ لیا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر۔

تشریح مسئلہ اولیٰ، قول اوّل: نماز جنازہ کی تکبیر اولیٰ کے وقت رفع یدین مسنون ہے اور باقی تکبیروں میں احناف کے نزدیک رفع یدین نہیں ہے۔ قول ثانی: آئمہ ثلاثہ کے ہاں چاروں تکبیروں میں رفع یدین ہوتا ہے۔

دلیل احناف: حدیث الباب، حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ”ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کبر علی جنازۃ فرفع یدیہ فی اوّل تکبیرۃ“ نیز دیگر نمازوں پر قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ صرف تکبیر اولیٰ میں رفع یدین ہو، باقی میں نہ ہو۔

مسئلہ ثانیہ: نماز جنازہ میں وضع الیدین ہے یا ارسال الیدین۔ جمہور کے نزدیک وضع الیدین ہے اور ابن مبارک کی ایک روایت یہ ہے کہ ارسال الیدین ہے۔ دلیل: حدیث الباب ہے ”وضع الیمنی علی الیسریٰ“ اور ابن مبارک کی روایت کی دلیل قیاس ہے تاکہ اصنام کی عبادت کے ساتھ تشبیہ پیدا نہ ہو۔ جواب: حدیث کے مقابلے میں قیاس کو کوئی حیثیت حاصل نہیں، باقی تشبیہ کے لیے شریعت نے خود ہی فیصلہ کر دیا کہ اس نماز میں نہ رکوع ہے نہ سجدہ ہے۔

باب ما جاء ان نفس المؤمن معلقۃ بدینہ حتی یقضی عنہ

مؤمن کا دل قرض کی طرف لگا رہتا ہے جب تک اس کی طرف سے ادا نہ کر دیا جائے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتَّى يُقْضَى عَنْهُ

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دِل و جان مؤمن کا لگا رہتا ہے اپنے قرض میں کہ جو اس پر ہے جب تک کوئی اس کی طرف سے ادا نہ کرے۔

تشریح مطلب یہ ہے کہ جب تک قرضہ ادا نہیں ہوتا تو مراتب عالیہ سے محروم رہتا ہے صلحاء کی ارواح کے ساتھ اجتماع نہیں ہوتا۔

بحمد اللہ تمّ

جامع الترمذی جلد ثانی کی مفصل اردو شرح

انتہاب المنن فی شرح السنن

المعروف

دروسِ ترمذی

از حضرت مولانا رئیس الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور (ہند)

دروس ترمذی کی خصوصیات

- زیر بحث احادیث کا مکمل اعراب کے ساتھ عربی متن
- سلیس و آسان اردو ترجمہ ◆ الفاظ حدیث کی تشریح
- ہر حدیث سے مستنبط مسائل اور ان کی وضاحت
- رجال احادیث کے مختصر و جامع حالات
- ہر حدیث سے متعلق امام ترمذیؒ کے اقوال کی تشریح و توضیح

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

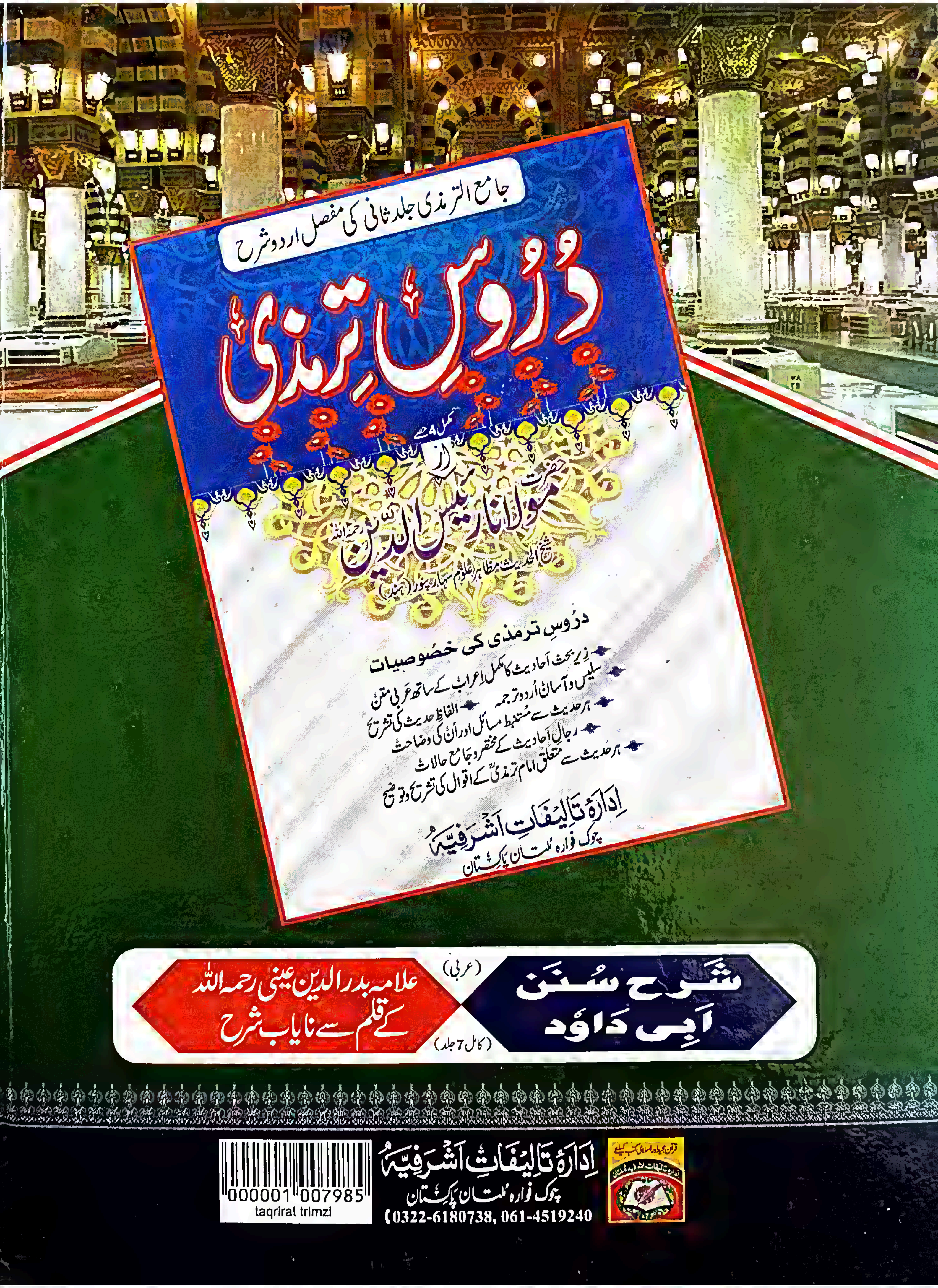
جامع الترمذی جلد ثانی کی مفصل اردو شرح
دُروسِ ترمذی
مکمل 4 حصے
از
حضرت مولانا رئیس الدین رحمہ اللہ
شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور (ہند)
دروسِ ترمذی کی خصوصیات
زیرِ بحث احادیث کا مکمل اعراب کے ساتھ عربی متن
سلیس و آسان اردو ترجمہ
الفاظ حدیث کی تشریح
ہر حدیث سے مستنبط مسائل اور ان کی وضاحت
رجالِ احادیث کے مختصر و جامع حالات
ہر حدیث سے متعلق امام ترمذیؒ کے اقوال کی تشریح و توضیح
اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
شرح سُنَن اَبِی داوُد
(عربی)
(کامل 7 جلد)
علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ
کے قلم سے نایاب شرح
000001 007985
taqrirat trimzi
اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(0322-6180738, 061-4519240